سطِ ایشیا میں اسلام کا ارتقا اور فروغ

(چھٹی صدی ہجری تک)

BAHAUDDIN ZAKARIYA UNIVERSITY MULTAN
1975
بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

از
شوکت حسین
طالب علم پی ایچ ڈی
ادارہ علوم اسلامیہ و عربیہ
بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

1995

فہرست

اظہار تشکر i

تعارف iii

باب		صفحہ
اول	وسط ایشیا میں اسلام کے ارتقا اور فروغ کا آغاز	1
دوم	وسط ایشیا میں مذہبی ادارے اور تحریکیں	19
سوم	وسط ایشیا میں خلاف مذہب ادارے اور تحریکیں	24
چہارم	وسط ایشیا کے صوفی سلسلے اور ان کا اسلام کے فروغ میں کردار	38
پنجم	وسط ایشیا کی مشہور اسلامی شخصیات، ان کے علمی کارنامے اور ان کا فروغ اسلام میں کردار	57
ششم	وسط ایشیا کا فروغ اسلام میں کردار	142
	تلخیص	159
	مآخذ	171

اظہار تشکر

جب میں نے اس مقالہ پر کام شروع نہیں کیا تھا، اور صرف عنوان دیکھا تو مجھے کوئی مشکل نہیں آئی۔ لیکن جب تحقیق شروع کی اور جوں جوں آگے بڑھتا گیا، دلچسپی کے ساتھ مشکلات میں اضافہ ہوتا گیا ہر باب پر مواد اکٹھا کیا، لیکن تشنگی نہ بجھی، کیونکہ ہر باب پر الگ الگ کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ اسلام کا ارتقاء اور فروغ کے ضمن میں راقم الحروف کو جو چھ ابواب پر کام کرنا پڑا تو یوں لگا، جیسے الگ الگ چھ مقالے لکھنے پڑے۔ ویسے پی ایچ ڈی کیلئے صرف ایک ہی عنوان کافی تھا۔ جس پر تخصیص کے ساتھ تحقیق کی جاتی خدائے بزرگ و برتر کے فضل و کرم سے وسط ایشیا کی مشہور شخصیات اور ان کے علمی کارناموں پر جو مواد اس مقالہ میں اکٹھا کیا گیا ہے وہ کسی بھی دوسری کتاب میں یکجا نہیں ملتا۔ یہاں تک کہ پشاور یونیورسٹی میں وسط ایشیا کا جو سنٹر ہے اور ان کی مطبوعہ کتاب "وسط ایشیا کی برگزیدہ ہستیاں" میں بھی کماحقہ تمام نامور اور اہم شخصیات کو اکٹھا نہیں کیا گیا۔

اگرچہ اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب (i) ہے میرے محترم سپروائزر ڈاکٹر نذیر گردیزی جو سنٹر ایشیا سنٹر پشاور میں معاون پروفیسر ہیں انہیں تاریخ پر عبور ہے۔

انہوں نے مجھے اختصار پر مجبور کر دیا۔ اور بہت سارے مواد کو جسے میں نے بہت محنت سے اکٹھا کیا تھا اس لئے رد کیا کہ موضوع سے زیادہ متعلق نہ تھا۔ اس موجودہ مواد کو اکٹھا کرنے میں سنٹرل ایشیا سنٹر پشاور یونیورسٹی کی لائبریری جس سے شاید ہی دنیا میں وسط ایشیا پر اس سے بہتر اور وافر مواد کہیں اور میسر ہو سکے بھرپور استفادہ کیا اس کے علاوہ جہاں کہیں بھی مجھے وسط ایشیا کے موضوع پر کتاب

(i) Jalal-ud-Din Khilji- The Muslim Celebrities of Central Asia Area Study Centre (Central Asia) Peshawar University, Peshawar 1993.

ملی، یا مقالہ یا کسی رسالہ اخبار میں چھپا ہوا مضمون ملا راقم نے ضرورت کے مطابق اس میں سے اپنے عنوانات کے تحت مواد کی تلاش کی اور کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹا۔ میں پروفیسر ڈاکٹر نذیر گردیزی صاحب پشاور یونیورسٹی پشاور کا نہایت ہی ممنون ہوں، جن کی معاونت اور سرپرستی قدم قدم مجھے حاصل رہی اس مقالہ کی تکمیل ان کی رہنمائی اور سرپرستی کے بغیر ہرگز ممکن نہ تھی۔

شوکت حسین

تعارف

وسط ایشیا آمو دریا اور سر دریا کی وادی کو عرب جغرافیہ دانوں نے ماورالنہر کا نام دیا۔[1] ترکوں کے اس علاقہ کو ظہیر الدین بابر نے بھی اپنی تزک بابری میں ماورالنہر ہی کے نام سے یاد کیا ہے۔
انیسویں صدی کے نقشوں پر وسط ایشیا میں تین علاقے دکھائے جاتے ہیں۔[2] (۱) چینی ترکستان، جو چین کے زیر تسلط ہے اور سنکیانگ (نیا صوبہ) کہلاتا ہے۔ اس کا رقبہ 6,50,000 مربع میل ہے۔ (۲) افغان ترکستان، عرصہ ہوا افغان حکومت یہ نام استعمال نہیں کرتی بلکہ اس پورے علاقہ کو ۱۸۴۷ء سے سرکاری طور پر افغانستان کہا جاتا ہے۔ (۳) روسی ترکستان، جو بیسویں صدی میں پانچ سوویت جمہوری ریاستوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ آج کل یہ وسط ایشیا کی آزاد ریاستیں کہلاتی ہیں سرکاری طور پر انہیں سی۔ آئی۔ ایس (CIS) یعنی وسط ایشیا کی آزاد ریاستوں کا دولت مشترکہ کہا جاتا ہے۔ یہ ازبستان، قازقستان، تاجکستان، قرغزستان اور ترکمانستان پر مشتمل ہے ان پانچ ریاستوں کا رقبہ 6290,707 مربع کلومیٹر ہے۔ آبادی ۸۰ ملین افراد پر مشتمل ہے۔ وسط ایشیا انسانی تہذیب کا گہوارہ مانا جاتا ہے، انسان کا پہلا مسکن کون سا تھا، اس پر بہت سی آراء ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ آریائی اور منگولائی نسلیں اسی سرزمین کی پیداوار ہیں یہیں انہوں نے نشو و نما پائی۔
انسانی آبادی کی ابتداء دریا کے کناروں پر ہوئی کیونکہ یہیں سے آبپاشی اور دیگر انسانی ضروریات کیلئے پانی لیا جاتا تھا دریائے سندھ، دریائے فرات، دریائے نیل اور دریائے زرد کی تہذیبیں مشہور ہیں۔ اسی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے دریائے آمو اور سر دریا کو لیں تو وسط ایشیا کی تہذیبیں انہی دریاؤں کے کنارے بحر ارال تک پھیلی ہوئی ملتی ہیں اسی طرح دوسری جھیلوں کے کنارے، آباد علاقے، جیسے طلخاش، ذیشان، عیسیٰ کل، قرہ شہر ہیں یہ نخلستانی آبادیاں جنت کا نظارہ پیش کرتی ہیں۔ وسط ایشیا کی تمام ریاستوں کے جغرافیائی طور پر ایک دوسرے سے منسلک ہونے کی وجہ سے یہاں کا کلچر (تمدن) تہذیب، نسل اور زبان کافی حد تک ایک ہی ہے اور وہ ہے ترکی زبان، جس کو مختلف لہجوں سے بولا جاتا ہے۔ جیسے ادی غر

---

(۱) ابوالفیض ارنڈ ترجمہ تاریخ بیہقی۔ ماسکو۔ ۱۹۴۰۔ ص ۳۹

(۲) جیک چن۔ سٹوری آف سنکیانگ نیویارک ۱۹۷۱ء ص ۲۲

بولتے ہیں یہی اوی غز زبان جب ازبک[1] بولیں تو ازبکی، قرغیز بولیں تو قرغیزی ترکمان بولیں تو ترکمانی اور قازقی بولیں تو قزاقی زبان کہلاتی ہے۔ لیکن ہے یہ ایک ہی زبان، اوی غز، باقی اس کے لہجے ہیں۔ البتہ تاجکی فارسی زبان ہے۔ کیونکہ فارسی تاجکی، عربوں اور فارسی بولنے والوں کے اختلاط سے پیدا ہوئی۔ عجم کے لوگ عرب کو تازی کہتے تھے، یہ عرب ایران کو فتح کرنے کے بعد یہاں پہنچے تو ان کے ساتھ ایران کے پڑھے لکھے لوگ بھی تھے۔ ان کی بولی کو یہاں کے لوگوں نے تازیک کہنا شروع کر دیا لفظ تازیک آہستہ آہستہ تاجک بن گیا۔ عرب اسی زبان کو تاجک کہتے ہیں، دراصل یہی فارسی اور دری ہے۔ دری اس لئے کہلاتی ہے کہ دربار میں بولی جاتی تھی اور عجمیوں کے ساتھ رابطہ زبان تھی۔ جب ۷۴۷[2] عیسوی میں حکومت عربوں کے ہاتھوں سے نکل کر عجمیوں کے ہاتھوں میں آئی تو یہ وسط ایشیا کی زبان جسے تاجکی اور درباروں میں دری کا نام دیا گیا تھا ۷۴۷ عیسوی سے لیکر ۱۹۳۰ء تک وسط ایشیا کی سرکاری زبان رہی اسی وسط ایشیا کے فاتحین مثلاً سلطان سبکتگین اور سطان محمود نویں صدی عیسوی سے یکے بعد دیگر مختلف علاقوں کو فتح کرتے ہوئے برصغیر ہندوپاک تک پہنچ گئے اور یہاں عظیم حکومتیں قائم ہوئیں ان حکمرانوں کی انیسویں صدی کے آخر تک برصغیر ہندوپاک میں درباری وسرکاری زبان یہی دری فارسی تھی۔ جس میں ہمارے لئے علم کے خزانے موجود ہیں وسط ایشیا کے انتہائی شمال میں جو ایشیا کا مرکز ہے سائبیریا کا علاقہ ہے اس سے انتہائی جنوب میں ملائشیا، مشرق میں جاپان اور ترکی اس کے انتہائی مغرب میں واقع ہے۔

اسلام کے ورود نے وسط ایشیا کی تاریخ پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ قبل از اسلام اس علاقہ نے کوئی خاص شہرت حاصل نہیں کی تھی۔ البتہ گوتم بدھ کے دور میں وہاڑا (بخارا) یونانیوں کے دور میں مرقندہ (سمرقند) آقس (OXUS) جو راسمہ (خوارزم) باختریہ (بلخ) کے نام پرانی تاریخ میں ملتے ہیں جو اس وقت کی تمدن کے مراکز تھے اس سرزمین کا ماضی خشک اور بے کار تھا اگر کچھ تھا بھی تو اس کا کوئی مستند ثبوت ہم تک نہیں پہنچا۔ یہ علاقہ ایران، ہندوستان اور چین کا حصہ رہا۔ زرتشتی، ہندومت اور بدھ مت نے اس کے وسیع علاقے میں اپنے قدم جمائے۔ اس کے مشرقی حصہ پر چین، جنوب مغرب پر ایران اس کا جنوبی حصہ

---

(۱) ڈاکٹر نذیر گردیزی۔ Uighur Language Central Asia 1992

(۲) William Maroos Eastrin Turkistan. New york 1930 P 26

ہندو ایرانی اثر کے تحت رہا۔ عربوں کے حملے وسط ایشیا پر ۶۴۴ عیسوی سے شروع ہوئے۔ فاروق اعظمؓ کی شہادت ۶۴۴ء[1] میں ہوئی، ایران اور خراسان نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علم بغاوت بلند کر دیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اقتدار سنبھالنے کے بعد پہلا کام یہ کیا، کہ عبدالرحمٰن بن عامر کو جو نہ صرف حضرت عثمان کا قریبی رشتہ دار تھا، بلکہ ایک اونچے پائے کا جرنیل بھی تھا، اس کو بغاوت فرو کرنے کیلئے مقرر کیا۔ ایران میں امن قائم کرنے کے بعد ابن عامر نے یزدگرد سوئم سابق شاہ ایران جو اس بغاوت کا اصل محرک تھا اور ان دنوں خراسان پر حکمرانی کر رہا تھا ۶۴۴ عیسوی میں نیشاپور کو فتح کرنے کے بعد وسط ایشیا کے مشہور شہر "مرو" کو زیر نگیں کیا۔ یہی علاقہ وسط ایشیا میں مسلمانوں کا پہلا فوجی ہیڈ کوارٹر قرار دیا گیا۔ (مرو آج کل ترکمانستان میں ہے) اور یزدگرد کے تعاقب میں سرخس پر حملہ کیا اس علاقہ کو زیر اطاعت کرنے کے بعد خراسان کے دیگر علاقوں کی طرف پیش قدمی کی بلخ کو فتح کرنے کے بعد تخارستان کو زیر نگیں کیا۔ ابن عامر بغرض حج واپس ہوا، لیکن اپنے نائبین کو پیش قدمی جاری رکھنے کا حکم دے گیا عرب مسلمانوں کی یہ فاتح فوج بڑھتے بڑھتے کرمان تک جا پہنچی اسے فتح کرنے کے بعد سجستان، سیستان کی طرف متوجہ ہوئی، یہاں کے حکمرانوں کو جزیہ دینے پر مجبور کر دیا، اس طرح ہرات، کابل اور قندھا کے حکمرانوں نے بھی اطاعت قبول کی اور جزیہ ادا کیا اور سالانہ خراج دینے کا وعدہ کیا۔ یزدگرد بھاگتے بھاگتے ایک ترکمان کسان کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس نے اس کے قیمتی لباس و جواہرات کی خاطر اسے قتل کر دیا اس طرح ساسانی خاندان کا آخری چراغ گل ہو گیا۔ اب نوشہروان خاندان کی آخری امید نے بھی دم توڑ دیا اور انہوں نے عربوں کے آگے سر خم کر دیا۔

حضرت معاویہؓ[2] ان دنوں شام کے گورنر تھے۔ ۶۴۵ عیسوی میں شہنشاہ یونان نے شام پر حملہ کر دیا، حملہ آوروں کو مسلمانوں نے نہ صرف پسپا کیا، بلکہ یونانیوں کا تعاقب کرتے کرتے ان کے علاقے پر حملہ آور ہوئے۔ عثمان غنیؓ نے آٹھ ہزار کا ایک لشکر ان کی مدد کیلئے بھیجا۔ ایشیا کوچک کی سرحد پر کئی قلعے مسلمانوں کے ہاتھ آگئے، آرمینا فتح کرنے کے بعد حبیب بن مسلمہ

---

(۱) عبدالحسین نوائی - تاریخ گزیدہ - تہران - ۱۹۶۰ ص ۴۸

(۲) عبدالحسین نوائی - تاریخ گزیدہ - تہران - ۱۹۶۰ ص ۵۰

اور ولید بن عقبہ آذر بائیجان اور طبرستان فتح کرتے ہوئے عبدالرحمٰن بن عامر کی افواج کے ساتھ جا ملے اور اس طرح خراسان کے باقی ماندہ علاقوں کے علاوہ خوارزم اور قافیشہ (کوہ قاف) کے علاقے فتح کئے۔ وسط ایشیا سے سالانہ باقاعدگی کے ساتھ جزیہ اور خراج مدینہ پہنچتا رہا۔ لیکن ۶۵۴ عیسوی میں مسلمان عامل ثمیر جو "مرو" میں مقیم تھا اور خلیفہ کو یہاں کے حالات سے آگاہ کرتا تھا، نے شکایت کی کہ کابل، قندھار اور ہرات کے حکمران خراج دینے میں پس و پیش سے کام لے رہے ہیں۔ لیکن اس وقت خلیفہ عثمان غنیؓ خود اندرونی شورش کا شکار تھے۔ اس لئے یہاں وسط ایشیا کی طرف توجہ نہ دے سکے آپ کی شہادت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دور آیا یہ سارا دور حضرت معاویہ اور خارجیوں کی بغاوتوں کو فرو کرنے میں گزر گیا۔

حضرت امام حسن کی معاویہ کے حق میں دستبرداری سے حضرت معاویہؓ پورے عالم اسلام کے واحد حکمران بن گئے۔ انہوں نے پھر فتوحات کی طرف توجہ دی۔ مرو جو مسلمانوں کی سلطنت کا حصہ بن چکا تھا، اس کے انتظام کو درست کرنے اور وسط ایشیا کی ریاستوں سے باقاعدہ خراج (جزیہ) وصول کرنے کیلئے عبید اللہ ابن زیاد کو[1] ۶۶۴ عیسوی میں گورنر خراسان مقرر کیا۔ جس سے وسط ایشیا میں عربوں کی باقاعدہ حکومت کی داغ بیل پڑ گئی۔ عبید اللہ کے بعد سعد بن عثمان اور سعد کے بعد سلامہ ابن زیاد اور اس کے بعد مہلب بن صفرہ اور مہلب کی وفات پر اس کا بڑا بیٹا یزید بن مہلب گورنر خراسان مقرر ہوا، ۷۰۴ عیسوی میں مشہور فاتح جرنیل قتیبہ بن مسلم کو یزید بن مہلب کی جگہ تعینات کیا گیا اور وائسرائے مشرق حجاج بن یوسف نے یزید بن مہلب کو برطرف کر دیا قتیبہ بن مسلم کو بھی تاریخ دان، فاتح وسط ایشیا مانتے ہیں۔ اور کئی تواریخ میں تو اس سے قبل کسی دوسرے جرنیل یا فوجی حملے کا ذکر تک نہیں ہے اس نے وسط ایشیا کے کم و بیش پورے علاقہ کو فتح کر کے اپنے زیر نگیں کر لیا۔ ۷۱۵ء میں قتیبہ بن مسلم نے مشرقی ترکستان موجودہ سنکیانگ کو فتح کیا اور جہاں شہنشاہ چین نے عربوں کی بالادستی قبول کرتے ہوئے خراج کا وعدہ کیا۔

اسی سال ولید بن عبدالمالک وفات پا گئے اور نئے خلیفہ سلیمان نے جہاں موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم کو اپنے

---

(۱) حمید الدین - تاریخ اسلام - لاہور ۱۹۵۱ - ص ۷۵

مفتوحہ علاقوں سے واپس بلایا وہاں قتیبہ بن مسلم کو بھی خراسان (وسط ایشیا) سے واپس بلا لیا۔ قتیبہ کو اپنا انجام دکھائی نہ دیا اور بغاوت کر دی، لیکن فوج نے ساتھ نہ دیا اور شکست کھا کر قتل ہوا اور اس کی جگہ پھر یزید بن مہلب کو گورنر خراسان بنا کر بھیجا گیا۔ اس نے آکر یہاں مزید فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ گرجستان اور قافیہ کے کچھ علاقہ فتح کئے۔ اور اپنی فتوحات قتیبہ سے بڑھ چڑھ کر بیان کیں اور چالیس لاکھ دینار مال غنیمت ہاتھ لگنے کا دعویٰ کیا۔ لیکن اس کی بد قسمتی کہ سلیمان وفات پا گیا اور اس کی جگہ ۷۱۷ عیسوی میں عمر بن عبدالعزیز آئے جن کی پارسائی تاریخ اسلام میں ایک مثالی حیثیت رکھتی ہے اور جنہیں متفقہ طور پر پانچواں خلیفہ راشد مانا جاتا ہے۔ عمر ثانی نے یزید بن مہلب سے مال غنیمت کا حساب مانگا۔ محاسبہ ہوا اور یزید بن مہلب پا بہ زنجیر واپس دمشق پہنچ گیا اور اس کی جگہ الجراح ابن طلع آئے لیکن اس کی سخت گیری اور بد انتظامی کی شکایت پر اسے بھی عمر ثانی نے معزول و برطرف کیا۔ القصہ کئی گورنر آئے اور گئے۔ آخر خالد القصری وائسرائے مشرق و گورنر عراق نے اپنے چھوٹے بھائی اسد القصری کو ۷۳۶ میں بھیجا اس نے وسط ایشیا کا نظم و نسق اچھی طرح سنبھالا۔ وسط ایشیا کا جنوبی حصہ ہند و ایرانی اثر کے تحت رہا عربوں کے حملے جیسے بیان ہو چکا ہے چالیس ہجری سے شروع ہوئے، لیکن ۴۲ ہجری (۱) میں عبید اللہ ابن زیاد کے تحت باقاعدہ طور پر حکومت کی داغ بیل ڈالی گئی تھی پھر ۷۰۴ عیسوی مطابق ۸۲ ہجری میں مشہور جرنیل قتیبہ بن مسلم بحیثیت امیر خراسان آیا۔ اس کو فاتح وسط ایشیا تسلیم کیا گیا ہے،

اس نے ۷۱۵ء تک حکومت کی۔ وسط ایشیا کے بیشتر علاقے کو اپنے زیر نگیں کیا۔ بڑے بڑے فاتح اور طاقتور حکمران ہو کر گزرے ہیں، لیکن انسانی تہذیب کو آگے بڑھانے والے، علم و ادب کو پھیلانے والے غیر سیاسی مشاہیر، جنہوں نے دینی اور دنیاوی علوم کو عام کرنے اور مخلوق خدا کو اس سے مستفید ہونے کیلئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں تھیں، یہ نامور اشخاص سرزمین بخارا، خیوا، یارقند، بلخ، ہرات، سمرقند، خوقند، سرخس، ترمذ اور خوارزم سے اٹھے اور تاریخ کے اوراق پر اپنے کارناموں کے ان مٹ نشان چھوڑ گئے۔

---

(۱) سعدالدین محمد عوفی - تاریخ عوفی - تہران ۱۹۵۲ - ص ۵۳

(۱)

اسی دور میں اسلام میں جن نابغہ روزگار ہستیوں نے ہندوستان، ایران اور عربستان میں نام کمایا اور اپنے فن سے بلند مقام پایا، تحقیق کی گئی تو وہ بھی وسط ایشیا ہی کا خمیر نکلا۔ وہ خود یا ان کے والد نے اس سرزمین کو تلاش عمل یا روزگار کیلئے چھوڑا اور دوسرے دیار میں آباد ہوا۔

چھ سو سال تک جس کی لکھی کتب یورپ کے درسگاہوں میں بطور نصاب پڑھائی جاتی تھیں وہ نابغہ روزگار ابو علی سینا، بخارا میں پیدا ہوا، یہیں تعلیم پائی اور ادھر ہی سے چمکا۔ جلال الدین رومی، بلخ میں پیدا ہوا، اور یہیں جوان ہوا، امام بخاری بخارا میں، محمود کاشغری ظاہر ہے کاشغر میں، امام ترمذی ترمذ میں، عبداللہ انصاری ہرات میں، امام ابو جعفر طبری طبرستان میں، ابو نصر فارابی فاراب میں، علی ہجویری غزنی میں، حکیم ابو محمد سنائی غزنی میں، رشید الدین وطواط و عنصری بلخ میں، ابوریحان البیرونی خوارزم میں، موسیٰ خوارزمی خوارزم میں، رودکی اور امام ابولیث سمرقند میں اور بختیار کاکی فرغانہ (اوش) میں پیدا ہوئے۔ اسی طرح کئی دیگر مشاہیر کے نام گنوائے جاسکتے ہیں جن کا ذکر "وسط ایشیا کی نامور شخصیات اور ان کے علمی کارنامے" کے تحت تفصیل سے ہے۔ کئی صوفی مکتبہ فکر کے سلسلے جیسے نقشبندیہ بخارا سے، چشتیہ، ہرات کے ایک گاؤں چشت سے اور اسی طرح کے سلسلوں کا ذکر سمعانی کی کتاب "کتاب الانساب" میں موجود ہے جن کے نام وسط ایشیا کے علاقہ سے منسوب ہیں۔

یہاں تک کہ بڑے اسلامی فقہا اور آئمہ جن میں امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل اور ابراہیم بن ادہم سرفہرست ہیں۔ وسط ایشیا ہی کے

---

(1) Jalal-ud-Din Khilji Muslim Celebrities of Central Asia-Peshawar 1984 P-19.

فرزند تھے ان کے آبا یہاں ہی سے نقل مکانی کر کے دارالخلافہ پہنچے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام عربستان کے جزیرہ سے اٹھا، لیکن اس کی پرورش وسط ایشیا میں ہوئی اور یہیں سے توانا ہو کر دنیا کے دوسرے علاقوں تک پہنچا۔ اس کی ارتقائی منازل کیسے طے ہوئیں اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ وسط ایشیا میں مذہبی تحریکیں اور بعض اداروں کا فروغ اسلام میں کردار اور خلاف مذہب تحریکیں، بغاوتیں، کامیابی اور ناکامی کے اسباب کا اجمالاً ذکر کے علاوہ یہاں صوفی سلسلہ اور ان کا فروغ اسلام میں کردار ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اسلام علماء کرام اور صوفیا کے فیضان سے پھیلا اور لوگوں کے دلوں میں ایسا گھر کر گیا، کہ پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے نکال نہ سکی وسط ایشیا کی مشہور شخصیات جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ان کے کارنامے اور ان کا فروغ اسلام میں کردار کو نہایت ہی مفصل انداز میں اسی عنوان کے تحت پیش کیا گیا ہے اور خود وسط ایشیا کا فروغ اسلام میں کردار حاصل مضمون ہے۔ یہ ایسی مردم خیز سرزمین ہے اور وسط ایشیا کا کمال ہے۔ کہ ایسے سپوت پیدا کئے جنہوں نے دن رات ایک کر کے جان و مال کی پروانہ کرتے ہوئے اسلام کی سربلندی اور دین حق کے فروغ کے لئے تن من دھن کی بازی لگا کر ہمیشہ کے لئے اپنا نام تاریخ عالم میں ثبت کروالیا۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

(اقبال)

باب اول

وسط ایشیا میں اسلام کے ارتقاء اور فروغ کا آغاز

یہ ایک مصدقہ امر ہے کہ اسلام کا طلوع جزیرہ نما عرب سے ہوا لیکن یہ وسط ایشیا میں پروان چڑھا اور یہاں سے باقی دنیا کے علاقوں تک ہوتا ہوا پھیلا وسط ایشیا میں اسلام سے پہلے زرتشتی اور بدھ مذہب کا عروج تھا۔[1] بلخ، بخارا، اور ہرات اس وقت کی تہذیب کے مراکز تھے، سب سے بڑا مرکز بخارا تھا، یہاں بدھ مت کے بڑے بڑے معبد خانے تھے، بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ بخارا لفظ ''وہاڑہ'' کی بگڑی ہوئی شکل ہے، جس کا سنسکرت میں مطلب عبادت گاہ ہے۔ یعنی یہ شہر عبادت گاہوں اور علم و دانش کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔

سمرقند ہو کہ یارقند ہو - بلخ ہو کہ بخارا - تاشقند ہو کہ ہرات ہو، اس وقت تک تہذیب و تمدن کا گہوارہ نہیں بن سکا جب تک وہاں کے لوگوں کو پیٹ بھرنے کے غم سے فراغت نصیب نہ ہوئی ایسا اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب پانی میسر ہو جب پانی میسر ہوا تو زراعت کی زرخیزی رنگ لائی، خوشحالی کے بعد تہذیب و تمدن خود بخود وجود میں آ گیا۔

مذکورہ بالا علاقے وادی زرفشاں[2] میں واقع ہیں اور یہی علاقے وسط ایشیا کا دل رہے ہیں اور یہیں دریائے کاشغر "Trimbasin" سے نکل کر مختلف ناموں سے موسوم ہو کر دریائے ''آمو'' (جسے عربی میں جیحون کہتے ہیں) اور ''سر'' دریا کے نام سے (جسے عرب دریائے سیحون بھی کہتے ہیں) ان علاقوں کو سیراب کرتے ہوئے گزرتے ہیں۔ یہاں غلہ ہمیشہ وافر مقدار میں پیدا ہوتا تھا۔ اس لئے یہ مشہور شہر اکثر حملہ آوروں کی آماجگاہ بنتے رہے ہیں۔

یہاں انسانوں کو کھانے سے فراغت پانے کے بعد سوچنے کا موقع ملا اور انہوں نے معبد خانے اور مندر بنائے۔

---

(۱) سلیم جاوید - تاریخ بخارا - کابل ۱۹۳۵ - ص ۲۲۸

(2) Knight. "Beyond The Qxus" - Newyark 1960 - P.62

یہ زرتشتی اور بدھ مت کے عبادت خانے جن کے آثار آج بھی موجود ہیں مخلوق خدا کی توجہ کا مرکز رہے ہیں۔ جیحون اور سیحون یعنی آمو دریا اور سر دریا کی وادی کو عرب جغرافیہ دانوں نے ماوراء النہر[1] کا علاقہ لکھا ہے یہاں آنے، رہنے اور حالات کو سمجھنے کے بعد عربوں نے اس علاقے کو ترکستان کے نام سے لکھنا شروع کیا۔ تزک بابری میں بھی اس علاقے کا ذکر ماوراء النہر کے نام سے کیا گیا ہے بابر نے ترکستان کا لفظ تین جگہ استعمال کیا ہے تینوں جگہ سے مراد وہ قصبہ ہے کہ جہاں وسط ایشیا کے مشہور مسلمان بزرگ حضرت خواجہ احمدؒ یاسوی کا مزار ہے جو ۱۱۲۰ء میں اس جہان فانی سے رحلت کر گئے تھے ان کا یہ عالیشان مزار امیر تیمور نے تعمیر کروایا۔ خود یہاں کے لوگ یعنی ترک[2] اس علاقہ کو توران کہتے تھے۔ اور یہی لفظ دسویں صدی میں فردوسی نے اپنے مشہور عالم شاہنامہ میں استعمال کیا ہے۔ ایران اور توران کی حد دریا آمو ہے اسی طرح افغانستان کو بھی یہی دریا سابقہ روسی مسلم اور حال آزاد مسلم ریاستوں سے جدا کرتا ہے۔

انیسویں صدی کے نقشوں پر وسط ایشیا میں ترکستان کے تین علاقے دکھائے جاتے ہیں۔

چینی ترکستان جسے مشرقی ترکستان بھی کہتے ہیں اس کا چینی نام سنکیانگ (یعنی نیا صوبہ) ہے اور سرکاری طور پر اسے "اوی غر" کا خود مختار ریجن سنکیانگ کہتے ہیں Oieghur Autonomous Region of Sinkiang ہے یہ ۶۲۰۰۰۰ مربع میل پر مشتمل علاقہ ہے جو رقبہ کے لحاظ سے دنیا کے بڑے سے بڑے ملکوں کی صف میں آتا ہے، اس علاقہ میں مشہور تاریخی شہر، کاشغر، یارقند، ختن اور ترفان ہیں۔ ارمچی اس کا دارالخلافہ ہے۔ مشرقی ترکستان کا شہر ترفان جس کو وہاں کے لوگ ترپان[3] کہتے ہیں سطح سمندر سے پانچ سو فٹ نیچا ہے۔ یہاں کے انگور۔ تربوز اور خربوزے لذت کے لحاظ سے دنیا میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اور مغربی ترکستان جس میں پانچ آزاد مسلم ریاستیں، بشمول منگولیا اور افغانستان ہیں۔ یہ پانچ آزاد مسلم ریاستیں (۱) قازقستان (۲) ازبکستان (۳) تاجکستان (۴) قرغیزستان اور ترکمانستان ہیں۔ بعض ماہرین وسط ایشیا جن میں ڈاکٹر احمد حسن کاوانی صاحب

---

(۱) یعنی دریا کے اس پار (Beyond the Oxus)

(۲) ترک، وسط ایشیا کی اکثر آبادی کا تعلق ترک نسل سے ہے۔

(۳) ترک اور پختون - اکثر ف کو "پ" بولتے ہیں۔

کا نام سرفہرست ہے ان آزاد ریاستوں کو اسلامی ریاستہائے متحدہ وسط ایشیا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ ساری ریاستیں تہذیب و تمدن، مذہب و زبان کے علاوہ ایک جغرافیائی محل وقوع کے بندھن میں بھی بندھی ہوئی ہیں۔ بعض ماہرین منگولیا کو وسط ایشیا میں شمار نہیں کرتے جس طرح روسی قازقستان کو وسط ایشیا میں نہیں بلکہ یورپ میں شمار کرتے ہیں۔ یہی حال منگولیا کا بھی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان کے شمالی علاقے بھی وسط ایشیا کا حصہ ہیں۔ گلگت وسط ایشیا کا حصہ لگتا ہے۔ کیونکہ یہاں وسط ایشیا کی ہر ریاست کا باشندہ پایا جاتا ہے۔ یہاں اوغر، قازق، ترکمان، قرغیز، تاجک ازبک، چینی اور منگولوں کے علاوہ، پختون ہندکیان (ہندکو زبان بولنے والے) اور اردو بولنے والے سبھی یہاں مل جاتے ہیں۔

وسط ایشیا[1] کے شہروں میں بخارا قدیم اور سب سے زیادہ شہرت یافتہ شہر ہے بخارا میں سوغدی لوگ رہتے تھے اور ان کی زبان کو سوغدی زبان کہا جاتا تھا، ترکی زبان میں سوغ کے معنی ہیں ٹھنڈا۔ سوغدی یعنی ٹھنڈی زبان اور ٹھنڈے لوگ۔ یہاں کے لوگ بیرون دنیا سے بالکل ناآشنا تھے۔ بخارا دریائے آمو کے طفیل وادی زرفشان کا دل ہے۔ یہ علاقہ وسط ایشیا بشمول سمرقند کے دوسرے علاقوں کیلئے غلہ کے گودام کا کام سرانجام دیتا رہا ہے، یہاں تہذیب و تمدن کے باوجود زندگی کے کچھ اعلیٰ وارفع اصول نہیں تھے کوئی خاص قوانین نہیں تھے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس والی مثال صادق آتی تھی۔ انسانی جان اتنی محترم نہ تھی ہر طرف جنگل کے قانون کا دور دورہ تھا۔

وسط ایشیا کی طرف پانچ مذکورہ بالا آزاد ریاستوں کا رقبہ ۴۱ لاکھ ۲ ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ برصغیر ہند و پاکستان سے وسیع تر ہے۔ لیکن آبادی ظاہر ہے میدانی علاقوں کے مقابلے میں کم ہے ان کی آبادی تقریباً چار کروڑ ہے۔ ۱۹۱۷ء کے انقلاب سے پہلے یہاں کی ۹۵ فیصد آبادی مسلمان تھی روسی بھی بابر کی طرح لفظ ترکستان صرف اس شہر کیلئے استعمال کرتے ہیں جہاں خواجہ احمدؒ یاسوی کا مزار ہے۔ یہی بابر کے باپ دادا اور خود بابر کا کچھ عرصہ تک پائے تخت رہا اور یہ فرغانہ ہے، جو زمانہ قدیم میں شہرت رکھتا تھا۔ اور اب بھی مشہور ہے۔

ترکستان کے شمال میں سیحون اور جنوب میں جیحون بہتا ہے اس طرح یہ علاقہ شمال میں اس صحرا سے الگ ہو جاتا ہے

---

(۱) وسط ایشیا کی سیر - محمد حسین آزاد - لاہور ۱۹۷۰ء

شمس العلماء محمد حسین آزاد - تاریخ اور ادب کے مانے ہوئے محقق ہیں۔ شہرہ آفاق "آب حیات" کے مصنف ہیں۔ انہیں انگریز حکومت نے وسط ایشیا کے مشن کے تحت بھیجا تھا۔ ان کی کتاب وسط ایشیا کی سیر تاریخی و جغرافیائی حقائق پر مبنی ہے۔

جو پھیلتا ہوا سائبیریا سے جاملا ہے اور جنوب میں دریائے جیحون (آمو دریا) نے ترکستان اور افغانستان کے درمیان ایک قدرتی حد فاصل کھینچ دی ہے ۔ یاد رہے کہ سر معتمر ڈیورنڈ[1] نے ۱۸۹۳ء میں ڈیورنڈ لائن قائم کرتے وقت دریا آمو (جیحون) ہی کو حد فاصل قرار دیا جسے روس، افغانستان اور برٹش انڈیا نے متفقہ طور پر تسلیم کیا اور آج تک بین الاقوامی سطح پر یہی افغانستان اور ترکستان (آزاد مسلم ریاستوں) کی حد فاصل ہے جسے پختون قوم نے کبھی پسند نہیں کیا ۔ کیونکہ اس تقسیم سے وہ بھی غیر جغرافیائی طور پر تقسیم ہو گئے ۔ مشرق میں یہ علاقہ خراسان[2] اور بحیرہ خذر تک پھیلا ہوا ہے اور جنوب مشرق میں پامیر[3] کے فلک بوس کوہستانی سلسلے اسے برصغیر پاک وہند سے جدا کرتے ہیں ۔ اس کے شمال مغرب میں منگولیا[4] کا علاقہ ہے جو مشہور صحرا گوبی سے جاملتا ہے ۔

پامیر کو مغربی جغرافیہ دانوں نے بام دنیا (دنیا کی چھت) کا لقب دیا ہے اور اس میں کوئی مبالغہ بھی نہیں ۔ ان پہاڑوں کی بعض چوٹیاں ۲۳ سے ۲۴ ہزار فٹ تک بلند ہیں ۔ وادیوں کی بلندی کا یہ عالم ہے کہ سب سے نشیبی وادی سطح سمندر سے ۹ ہزار ۸ سو فٹ بلندی پر واقع ہے ۔ دنیا کا سب سے بڑا گلیشیر بھی پامیر میں ملا ہے جس کی لمبائی ۶۸ میل اور چوڑائی ۴۸ میل پیمائش کی گئی ہے ۔ اکتوبر سے لیکر جون تک برف باری کی وجہ سے ان پہاڑوں کے درے ناقابل عبور رہتے ہیں اور جب برف پگھلتی ہے تو ندی نالے دریا بن جاتے ہیں جن پر سے گزرنا ناممکن ہو جاتا ہے ۔ جیحون (دریا آمو) سیحون (سر دریا) بھی پامیر کے پہاڑوں سے پھوٹتے ہیں اور شمال میں بحیرہ آرل میں جاگرتے ہیں ۔

بیسویں صدی کے نقشوں پر بدخشان[5] کا علاقہ افغانستان اور سابق سوویت یونین کی جمہوریت تاجکستان[6] میں بٹا ہوا

---

(۱) ڈیورنڈ لائن ۔ تحقیق ڈاکٹر عظمت حیات ۔ لاہور ۱۹۹۲ء

(۲) عربوں (مسلمانوں) نے اس علاقے (وسط ایشیا) کے کچھ علاقوں کو جب فتح کیا تو اس کو خراسان ہی لکھا ۔ اور جب ۶۶۴ء میں پہلا گورنر مقرر ہوا تو والئ امیر خراسان لکھا گیا ۔

(۳) پامیر کو بام فلک کہتے ہیں ۔ مستشرقین نے بھی اسے Roof of the World لکھا ہے

(۴) منگولیا ۔ نہ جانے کیوں منگولیا کو وسط ایشیا سے باہر سمجھا جاتا ہے حالانکہ ہر لحاظ سے یہ وسط ایشیائی تہذیب و تمدن کا علمبردار ہے

(۵) بدخشان، افغانستان کا ایک صوبہ ہے ۔ جسے ادس دلی کہتے ہیں

(۶) تاجکستان ۔ جو ۱۹۹۱ء میں آزاد ہوا ۔

دکھایا گیا ہے۔ برصغیر ہندوپاک کی انگریز حکومت نے روس کے ساتھ مشترکہ سرحد (Comman Border) سے بچنے کیلئے سے لیکر بدخشاں کا ایک ضلع بنا کر افغانستان کے حوالے کیا۔ والئی افغانستان امیر عبدالرحمٰن اس پر راضی نہ تھا۔

سے لیکر بدخشان کا ایک ضلع بنا کر افغانستان کے حوالے کیا۔ والئی افغانستان امیر عبداللہ خان اس پر راضی نہ تھا

انیسویں صدی میں سیاسی اعتبارات بدخشان کے علاقہ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ کیونکہ اس کی سرحد نہ صرف ہندو پاکستان بلکہ چین کے صوبہ سنکیانگ سے درہ منتقہ کے راستے ملتی ہے بدخشان کی شمالی سرحد آمو دریا پر ختم ہوتی ہے۔ جنوب میں کوہ ہندوکش اسے چترال اور کافرستان سے علحیدہ کرتا ہے۔ اور درہ بروغل سے آمدورفت کا راستہ ہے

بدخشان کے لوگ اپنا رشتہ ان ایرانیوں سے جوڑتے ہیں جو قرون وسطی میں دریائے جیحون کی وادی میں آبسے تھے۔ ان کی زبان فارسی ہے لیکن اس کے ضلع واخان کی زبان واخی ہے جو غلاچہ زبان کی ایک شاخ ہے۔ یہ زبان فارسی اور ترکی زبان کی آمیزش ہے۔ حیرت ہے کہ اس میں بعض دری الفاظ بھی پائے جاتے ہیں واخان کا علاقہ جو پامیر کی وجہ سے قرغیزیہ سے جاملتا ہے یہاں قرغیز[(۱)] (ترک) آباد ہیں۔ اس لئے یہاں کی زبان "واخی ان دونوں زبانوں کی آمیزش لگتی ہے۔ لیکن فارسی کا اثر بہت نمایاں ہے۔ ان کے خدوخال بھی افغانستان کے لوگوں سے قدرے مختلف ہیں۔ مذہب کے لحاظ سے یہ لوگ شیعہ اور زیادہ تر اسماعیلی ہیں۔ بدخشان پہلے خودمختار آزاد ریاست تھی اس کے حاکم کو میر کہتے تھے۔ دیگر چھوٹی ریاستوں کی طرح ان کے حکمرانوں کو بھی سکندر اعظم کی اولاد ہونے پر فخر ہے۔

۱۸۸۱ء میں امیر عبدالرحمن نے اسے[(۲)] افغانستان میں شامل کرلیا۔ جیسے کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ واخان کی حد بندی روس اور برطانیہ کے نمائندوں نے ۱۸۹۵ء میں اس غرض سے کی کہ دونوں سلطنتوں کی سرحدیں ایک دوسرے سے الگ رہیں

---

(۱)۔ ۱۹۸۰ء میں دو ہزار قرغیز ترک واخان سے روسی فوج کی مداخلت پر ہجرت کر کے عبدالرحمان کی سربراہی میں گلگت آگئے تھے جنہیں ۱۹۸۱ء میں جمہوریہ ترکیہ اپنے علاقہ ازمیر میں پناہ دے کر یہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز انہیں لے گئی۔

(۲) ۱۸۶۵ء میں بدخشان کے میر جہاندار شاہ نے کمشنر پشاور کے نام ایک خط کے ذریعے انگریزوں سے دوستی کا اظہار کیا اور مدد مانگی۔ میر بدخشان نے کچھ معدنیات کے نمونے بھی خط کے ساتھ بھیجے۔ وہاں سے ایک مشن بھیجا گیا تاکہ حالات معلوم کرے اور خود نمونے ساتھ لائے

درمیان میں بفر زون ہو تاکہ براہ راست چپقلش پیدا نہ ہونے پاتے یہ حد بندی کا کام نہایت ہی دشوار تھا۔ برطانیہ[1] اور روس کا مشترکہ باونڈری کمیشن جب سرحدی نشان لگاتا ہوا سرکول (جھیل وکٹوریہ) کی چوٹیوں پر پہنچا تو برف اور سردی کی شدت نے اسے آگے جانے سے روک دیا اور صرف چھ میل تک نشان لگاتے جاسکے۔ باونڈری کمیشن نے عاجز آکر اپنی رپورٹ میں لکھا "سطح سمندر سے ۲۰ ہزار فٹ بلندی پر یہ علاقہ انسانی دسترس سے باہر ہے سوائے پامیر کے عقابوں کے یہاں کوئی اور جاندار نہیں پہنچ سکتا۔ اس جگہ تین سلطنتوں کی سرحدیں ملتی ہیں" لیکن اب تین کی جگہ پانچ سلطنتوں کی سرحدیں ملتی ہیں۔

وسط ایشیا میں اسلام کا ورود

بحثیت تاجر عرب وسط ایشیا سے آشنا تھے۔ ان کے حملے حضرت عثمان غنی کے دور سے شروع ہوتے۔ مہلب بن ابی صفرہ کی سرکردگی میں مرو کے علاقے پر حملہ کیا گیا اور خراسان کے بعض علاقوں کو تاراج کرنے کے بعد واپس لوٹ گئے ان حملہ آوروں کے ساتھ عالم دین اور صوفی منش حضرات بھی ہوتے تھے، جو مفتوحہ علاقوں میں جان کا خطرہ لے کر بغرض اشاعت اسلام رہ جاتے تھے۔ مہلب بن ابی صفرہ خراسان اور اندرون سندھ پر محمد بن قاسم سے بہت پہلے کئی حملے کر چکا تھا۔ لیکن باقاعدہ حکومت کی داغ بیل نہیں ڈالی عبیداللہ بن زیاد[2] کو اسکے باپ زیاد نے جو مشرقی علاقوں کا وائسرائے تھا۔ ۶۶۴ء۔ خراسان کا پہلا گورنر بنا کر بھیجا جس نے مرو کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا کر مسلمانوں کی وسط ایشیا میں پہلی باقاعدہ حکومت کی داغ بیل ڈال دی۔ اس طرح سے اسلام کا ورود وسط ایشیا میں جو پچھلی دو دہائیوں سے ہو چکا تھا اب باقاعدہ حکومتی شکل اختیار کر گیا۔

---

(۱) یاد رہے کہ یہ ڈیورنڈ باونڈری کمیشن امیر عبداللہ والی افغانستان کی خواہش پر مقرر ہوا تھا تاکہ اپنی سرحدیں برٹش انڈیا سے جدا کرے۔ کیونکہ برطانیہ کی حدود بڑھتی ہی جارہی تھی۔ لیکن بعد میں عبدالرحمان اس پر بہت نادم تھا۔

(۲) زیاد ابو سفیان کا ناجائز بیٹا تھا (یعنی امیر معاویہ کا بھائی تھا) اسے زیاد بن سفیان کی بجائے بن سمیّہ کہتے تھے، یعنی ماں کے نام سے یاد کیا جاتا تھا یہ اپنی ذہانت کی وجہ سے خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروق کے دور میں اہمیت پا گیا تھا ایران کی مہم میں سعد بن ابی وقاص کی سرکردگی میں شامل ہوا، فتح جلولہ کی خبر مع مال غنیمت کے جب اسے دربار خلافت مدینہ بھیجا گیا تو اس نے اپنی خوش بیانی سے فتح کے حالات کا جس شدت سے ذکر کیا اس سے عمر فاروق بہت متاثر ہوئے اس کی فصاحت اور زور بیان پر اسے سرداری کے لائق قرار دیا۔

مسلمان حملہ آوروں کے ساتھ علماء وصوفیاء بھی آئے جو یہاں ہی کے ہو کر رہ گئے۔ کیونکہ مسلمان جغرافیائی قید سے آزاد ہیں۔ ان کا مذہب انہیں یہ سکھاتا ہے کہ یہ کل کائنات اللہ کی ہے۔ اور تم زمین پر اس کے نائب ہو۔ تو بحیثیت اللہ کے خلیفہ کے وہ دنیا کے کسی حصہ کو بھی اپنا ہی ملک سمجھتے ہیں اور وہیں آباد ہو کر اسی علاقہ کے ہو جاتے ہیں۔ جب[1] حضرت علی خلیفہ ہوئے تو انہوں نے فارس اور کرمان کی بغاوت کو فرو کرنے کیلئے زیاد کو بصرہ کے علاوہ یہ علاقے بھی دے دیئے۔ زیاد نے اصطخر کو دارالحکومت بنا کر حکمرانی کی۔ امیر معاویہ نے اسے اپنی طرف راغب کرنے کی بہت کوشش کی لیکن یہ حضرت علی کا وفادار رہا۔ یہاں تک کہ حضرت امام حسن کی خلافت سے دستبرداری کے بعد بھی زیاد نے امیر معاویہ کی بیعت کرنے سے انکار کیا۔ آخر ۴۲ ہجری میں امیر معاویہ کا دست راست مغیرہ اصطخر گیا اور زیاد کو امیر معاویہ کی اطاعت پر راغب و راضی کیا۔ اور اسے مکمل سرکاری اعزاز کے ساتھ دمشق لایا گیا۔ جہاں امیر معاویہ نے اس کا شاندار استقبال کیا اور کھلے عام زیاد کو اپنا حقیقی بھائی تسلیم کیا اور زیاد کو ایرانی ریاست کے علاوہ بصرہ کی حاکمیت بھی عطا کی۔ اور مغیرہ کی وفات پر کوفہ کو بھی زیاد کی قلمرو میں دے دیا۔ زیاد نے جابرانہ طور طریقوں سے بصرہ اور کوفہ میں سکوت طاری کر دیا۔ مشرقی ریاست پر قناعت نہ کرتے ہوئے زیاد نے حجاز کے مقدس شہروں کو بھی اپنے تسلط میں لانے کیلئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ اور کامیاب بھی ہو جاتا لیکن ۶۷۳ء میں اٹھاون سال کی عمر میں موت نے اسے آلیا۔

مسلمان[2] جہاں بھی گئے وہ اپنے فرائض منصبی کے ساتھ ساتھ عبادات سے غافل نہ رہے۔ انہوں نے باجماعت نماز کی ادائیگی کیلئے ہمیشہ کھلی اور پر فضا جگہ کا انتخاب کیا اسی طرح عبیداللہ کے دور ہی میں مرو میں ایک مسجد کا قیام وجود میں آیا یہ مسجد جو عبادت گاہ کے علاوہ اسمبلی ہال کا کام بھی دیتی تھی۔ بعد میں اسے سعد بن عثمان امیر خراسان نے ایک مدرسے کی شکل دی۔ یہ وہ دور تھا کہ عرب مسلمانوں کو سوائے فتوحات کے کوئی اور کام نہیں سوجھتا تھا۔

بخارا جو وادی زرفشاں کا مردم خیز علاقہ تھا، پانی کی فراوانی کی وجہ سے یہاں غلہ کی کمی نہ تھی، تہذیب و تمدن کا مرکز تھا، نیم وحشی اور فاقہ زدہ آس پاس کے ترک قبائل اکثر تخت و تاراج کی غرض سے بخارا کا رخ کرتے تھے۔ جب مسلمان عربوں نے عبیداللہ کی سرکردگی میں حملہ کیا وہاں کی حکمران نوشابہ خاتون[3] تھی۔ یہ خاتون پیدائشی طور پر تو زرتشتی مذہب کی پیروکار تھی۔

---

(۱) عبدالحئی گردیزی - ''زین الاخبار'' - فارسی - برلن ۱۹۲۸ء - ص ۴۷

(۲) موہن داس - بخارا - انگریزی - لنڈن ۱۹۳۰ء - ص ۵۸

(۳) موہن داس - بخارا - انگریزی - لنڈن ۱۹۳۰ء - ص ۶۰
دیگر تواریخ میں صرف خاتون لکھا ہوا ہے۔

لیکن بدھ مذہب کے بھکشو اکثر اس کے دریا میں رہتے تھے اسے بعض مورخوں نے بدھ مت کا پیروکار لکھا ہے بہر حال یہ بہت ہی مدبر وزیرک حکمران تھی، کشت و خون سے گریز کرتی تھی اس نے عبید اللہ کو پچاس خوبصورت کنیزیں اور کچھ نقدی بھجوا کر جان کی خلاصی پائی۔ عبید اللہ ابن زیاد جو اپنے باپ کی طرح سخت گیر تھا۔ یہاں وسط ایشیا میں ہمیشہ ترک قبائل سے نبرد آزما رہا اسی طرح یکے بعد دیگرے گورنر آتے اور جاتے رہے۔ پہلا گورنر[1] عبید اللہ ابن زیاد ۶۶۴ء تا ۶۷۰ء، دوسرا گورنر سعد بن عثمان ۶۷۰ء تا ۶۷۵ء، تیسرا گورنر سلام بن زیاد ۶۷۵ء تا ۶۸۲ء، چوتھا مشہور جنرل مہلب بن صفرا ۶۸۲ء تا ۷۰۳ء مہلب بن صفرۃ نے اپنے سات بیٹوں کے ساتھ مل کر وسط ایشیا میں عربوں کی حکومت نہ صرف مضبوط کی بلکہ مزید علاقے فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کئے۔

مہلب بن صفرۃ نہایت جری اور سخی حکمران تھا، اس کی عنایات اور بخششوں کا ذکر عرب تاریخ دانوں کے علاوہ عربی زبان کے اس دور کے شعرا نے بھی کیا۔ اس کی موت پر ایک عرب شاعر نے کہا۔ کہ مہلب کے ساتھ سخاوت اور دوستی بھی دم توڑ چکی ہے۔

مہلب[2] کے بعد اس کا لڑکا یزید بن مہلب جو ایک اچھا جنرل تھا، لیکن اچھا منتظم نہ تھا امیر خراسان بنا۔ یہ فوجی مزاج آدمی تھا، اور فوجی امور میں زیادہ دلچسپی لیتا اس نے فتوحات حاصل کیں، لیکن ملک کا نظم و نسق بطریق احسن نہ چلا سکا حجاج بن یوسف مہلب اور ان کے بیٹوں کو ان کی سرکشی اور رعونت کی وجہ سے پسند نہیں کرتا تھا کیونکہ وہ خود بھی سراپا رعونت تھا، جب وسط ایشیا میں بغاوتوں کی خبریں خلیفہ عبد الملک کے کانوں تک پہنچیں تو حجاج بن یوسف نے جلتی پر تیل کا کام کیا، یزید بن مہلب کو دمشق بلا کر نہ صرف معزولی کا فرمان سنایا بلکہ نااہلی اور حساب کتاب میں خرد برد کرنے اور مرکزی حکومت کو بروقت حساب کتاب اور مالیہ نہ بھجوانے کے جرم میں قید کر لیا مہلب نے کچھ عمر قید کی صعوبتیں برداشت کیں آخر ساز باز کر کے جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہوا اور سیدھا فلسطین کے خلیفہ کے بھائی سلیمان کے پاس پہنچا جو وہاں کا گورنر تھا۔

---

(۱) عبد الحی گردیزی - زین الاخبار - فارسی، - برلن ۱۹۲۸ء - ص ۹۸-۱۱۵

(۲) عبد الکریم - سامانی - فارسی - لنڈن ۱۹۱۳ء - ص ۳۷

ادھر ۷۰۴ء[1] میں حجاج بن یوسف قتیبہ بن مسلم کو امیر خراسان بنا کر بھیجا اس نے اقتدار سنبھالتے ہی پہلا حملہ بخارا پر کیا۔ نوشابہ خاتون کو شکست ہوئی تو اس نے حسب سابق صلح کی درخواست کی اور دو سو کنیزیں اور پانچ ہزار دینار پیش کئے۔ صلح منظور ہوئی۔ نوشابہ خاتون کے بیٹے زرتاشہ نے اسلام قبول کر لیا لیکن درپردہ وہ تمام کام کرتا رہا جو پہلے کرتا تھا۔ ماں بیٹے کے حق میں تخت سے دستبردار ہوئی۔ بعض بدعہدیوں کی قتیبہ بن مسلم نے اس سے باز پرس کی جس کا جواب نئے حکمران نے سختی سے دیا۔ بخارا پر ۷۰۸ء میں پھر حملہ ہوا اور شکست کے بعد صلح کیلئے درخواست قتیبہ کے پیش ہوئی جسے نامنظور کر کے بخارا کو اسلامی حکومت میں شامل کیا گیا اور یہاں پہلی مسجد[2] (پختہ مسجد) قتیبہ نے تعمیر کروائی جو آج بھی موجود ہے۔ وسط ایشیا میں عرب مسلمان اشاعت اسلام کی غرض سے وارد نہیں ہوئے تھے، بلکہ تاریخ کی کتابیں شاہد ہیں کہ وہ صرف یہاں فتوحات اور بہتر وسائل کے حصول کیلئے حملہ آور ہوئے تھے۔ اگر ان کا مقصد اسلام کی اشاعت جیسا عظیم مقصد ہوتا تو ہر عرب گورنر کے خلاف جب بھی موقع ملا وسط ایشیا کے لوگ بغیر تفریق مذہب اٹھ کھڑے نہ ہوتے۔

قتیبہ بن مسلم کو وسط ایشیا کا سب سے بڑا فاتح تصور کیا جاتا ہے، دیگر گورنروں کی طرح اس کا ہیڈ کوارٹر بھی مرو ہی رہا لیکن مرو میں قتیبہ صرف سردی کے موسم میں رہا کرتا تھا۔ کیونکہ برف باری اور دیگر ناموافق حالات کی وجہ سے سردیوں میں وسط ایشیا کے بعض علاقوں میں نقل و حرکت بہت ہی دشوار تھی جس سے عرب بخوبی واقف نہ تھے۔ قتیبہ گرمیوں کے ساتھ آٹھ ماہ وسط ایشیا کے زیادہ سے زیادہ علاقے کو اپنے زیر تصرف لانے میں فوجی مہمات کی سرکردگی کرتا رہتا تھا اپنی بہتر منصوبہ بندی اور ذہانت سے وہ کامیابی پر کامیابی حاصل کرتا رہا اور اس نے اسلامی سلطنت کی حدود دریا جیحون (دریائے آمو) کے پار تک بڑھا دی۔ ماوراء النہر

---

(1) Dr Shamsud Din Siddiqi - "The Ruling Dynostis of Central Asia" Peshawar 1984 - P.65

(۲) بیرون عرب پہلی مسجد کینٹن (چین) میں رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ماموں ابن وقاص نے بنوائی جو آج بھی اسی نام سے موجود ہے۔ قتیبہ بن مسلم سے پہلے عبیداللہ ابن زیاد کے دور میں مرو میں ایک وسیع مسجد بنی وہ خام تعمیر تھی اور بعد میں اسے مدرسہ بنایا گیا۔ لیکن بخارا میں ۷۰۸ء میں جو مسجد قتیبہ بن مسلم نے بنوائی آج بھی موجود ہے۔

کے بیشتر علاقے کے اپنے زیر تسلط لانے کے بعد وہ بلخ کی طرف متوجہ ہوا، اسے فتح اور اپنی قلمرو میں شامل کرنے کے بعد بخارا میں فوجی ہیڈ کوارٹر قائم کیا۔ اس طرح موجودہ مغربی ترکستان جس میں پانچ آزاد ریاستیں شامل ہیں کے بیشتر حصے کو فتح کرنے اور قبضہ کرنے کے بعد وہاں اپنے نائب مقرر کئے حکمران اگرچہ ہوس زر اور ہوس اقتدار میں مصروف تھے، لیکن اس وقت عام مسلمان اللہ کا شیدائی تھا، ان مسلمانوں کے طور طریقے، اچھے اخلاق، اور کھرے پن کی وجہ سے کچھ جزیہ ادانہ کرنے کی سہولت کی وجہ سے کچھ مقامی لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

بلخ میں بغاوت ہوئی[1] جسے قتیبہ نے سختی سے کچل دیا اور بلخ کے سابقہ حکمران کے بھائی تاسک اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے قتل کر دیا، کیونکہ ان کی بلخ میں ہر دلعزیزی اور اثر خطرہ کا باعث تھا اس لڑائی میں بہت کشت و خون ہوا، سینکڑوں عرب بھی جام شہادت نوش کر گئے ۷۱۲ء میں سمرقند کو تین ماہ کی مسلسل جنگ کے بعد فتح کیا۔ اسی فتح سے قتیبہ کے حوصلے بہت بلند ہوئے یہاں کا نظم و نسق سنبھالنے کے بعد ۷۱۳ء میں ترکوں کے مضبوط گڑھ فرغانہ نے حملہ کر دیا۔ یہاں کے ترک قبائل اپنی دلیری اور دہشت کی وجہ سے اپنی دھاک بٹھا چکے تھے، لیکن قتیبہ کی بہترین حکمت عملی کے سامنے ان کی دلیری اور دھاک کچھ کام نہ آئی، پہلے ہی حملہ میں وہ شکست فاش سے دوچار ہوئے اور میدان سے بھاگے۔ قتیبہ نے تعاقب کرنے سے منع کیا، کیونکہ ان کی جنگی حکمت عملی یہ تھی کہ دشمن کو تعاقب میں لگاتے اور خود کسی محفوظ مقام پر انہوں نے فوج کا اچھا دستہ چوکس و چوکنا متعین کیا ہوتا تھا، جو تعاقب کرنے والوں پر حملہ آور ہوتا اور یہ بھاگتے ہوئے ترک پلٹ کر ان پر ایسا حملہ کرتے کہ فتح کو فوراً شکست میں بدل دیتے۔

لیکن اس بار ایسا نہیں ہوا، قتیبہ نے دوسرے دن آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے پورے فرغانہ پر قبضہ کر لیا وہاں پر اپنا نائب مقرر کر کے واپس بخارا کو لوٹ آیا۔ بخارا میں ایک سال تک قیام کیا اور سلطنت کا جائزہ لیا۔ ملکی سرحدوں کے تعین اور ان کے بہتر انتظام کیلئے صلاح مشورے کئے۔ پہلی بار چند ایرانی اور تورانی مدبرین کو بطور مشیر اپنی شوریٰ میں شامل کیا۔

قتیبہ نے ۷۱۵ء میں مشرقی ترکستان پر حملہ کیا کاشغر، ختن، یارقند، کانسو، ترفان کو فتح کیا اور ارمچی فتح کرنے کے بعد چین کو فتح کرنے کیلئے منصوبہ بندی کرنے لگا۔ مسعودی اور ابن خلدون کے مطابق شہنشاہ چین نے قتیبہ کی اطاعت قبول

---

(1) R. N. Frye - Frome Arab in Vasion to Mangol - Cambradge 1975 - P.93-95

کرلی اور تحائف بھیجے لیکن بار تھول اور موسلین جیسے مغربی تاریخ دان اس واقعہ کو غلط قرار دیتے ہیں بقول ان کے ابن خلدون اور مسعودی وسط ایشیا کے جغرافیہ سے ناواقف تھے تاریخ لکھنے سے پہلے یا بعد میں انہوں نے اس علاقہ کا دورہ نہیں کیا، بلکہ صرف چند سرکاری دستاویزات کا دمشق کے حوالے سے مطالعہ کر کے اندازہ لگایا تھا در اصل مشرقی ترکستان (جسے آج کل سنکیانگ کہتے ہیں) تاریخ میں متعدد بار چین کے زیر تسلط آ چکا ہے۔ اور بہت کشت و خون کے بعد آزادی حاصل کرتا رہا۔ یہاں تک کہ خود اسی علاقے کے لوگوں نے بشمول منگولیا پورے چین پر بھی حکومت کی اور پورے چین کو سینکڑوں سال تک اپنے زیر نگیں رکھا۔ قتیبہ کا یہاں سے چینی حکمرانوں کو شکست دے کر اس مشرقی ترکستان کو فتح کرنے کو عرب تاریخ دانوں نے اسے پورے چین کی فتح سمجھ لیا، اور شہنشاہ چین کو قتیبہ کے آگے گھٹنے ٹیکتے ہوئے سمجھ لیا۔

قتیبہ بن مسلم اپنی فتوحات کے[1] نشہ میں چور تھا، کہ اتنے میں خلیفہ ولید کے فوت اور سلیمان کے خلیفہ بننے کی اطلاع ملی سلیمان نے خلیفہ ہوتے ہی اکثر دور دراز کے علاقوں کے گورنروں کو واپس بلایا اور ان کی جگہ دوسرے گورنر مقرر کئے کیونکہ یہ گورنر صاحبان مرکز سے دوری کی وجہ سے بالکل مطلق العنان بادشاہوں کی طرح حکمرانی کرتے تھے اور اپنی فتوحات پر نازاں تھے، موسیٰ بن نصیر کا افریقہ، طارق بن زیاد کا ہسپانیہ محمد بن قاسم کا سندھ اور قتیبہ بن مسلم کا وسط ایشیا سے واپس بلانا کوئی غلطی نہیں جیسے اکثر تاریخ دانوں نے سلیمان کی غلطیوں میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ مرکز کو مضبوط رکھنے کیلئے کسی حاکم کو زیادہ عرصہ تک ایک علاقے پر متعین نہ رکھنے کی پالیسی انتظامی امور کا ایک حصہ ہے یہ کوئی غلطی نہیں۔

قتیبہ بن مسلم آخر انسان تھا وہ اپنی قوت بازو سے حاصل کی ہوئی اتنی وسیع سلطنت چھوڑ کر کیسے چپ چاپ واپس چلا جاتا اسے یہ معلوم نہ تھا کہ عربوں کو اسلام نے ایک ایسی رسی میں پرو دیا تھا جہاں انہیں درس دیا گیا تھا۔ کہ اللہ کی اطاعت کرو، اس کے رسول کی اطاعت کرو اور پھر تم میں سے تم پر جو حاکم کئے گئے ہوں ان کی اطاعت کرو۔ ایسی صورت حال میں کسی مسلمان کیلئے خلیفہ کی حکم عدولی کرنا ناممکن تھا، قتیبہ نے خلیفہ کا حکم ماننے سے انکار کیا تو فوج نے اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور خلیفہ کے بھیجے ہوئے ایلچی کا ساتھ دیا جس نے قتیبہ کو عبرتناک شکست دی اور قتیبہ اپنے ایرانی مشیروں اور بعض عرب وفاداروں سمیت مارا گیا

---

(1) HAR Gibb - The Arab Conquest in Central Asia New York 1970 - P. 109

اور بیچارے کی قبر تک کا پتہ نہیں چلا۔

یزید بن مہلب جس کا اوپر[1] ذکر ہو چکا ہے کہ جب سلیمان فلسطین کا گورنر تھا تو اس وقت یزید بن مہلب حجاج بن یوسف کی قید سے بھاگ کر اس کے پاس پہنچ گیا تھا، جب سلیمان خلیفہ مقرر ہوئے تو یزید بن مہلب پھر خراسان کا گورنر مقرر ہوا یزید بن مہلب نے قتیبہ بن مسلم کی شہرت کو کم کرنے کیلئے اور لوگوں کے دلوں سے اسے نکالنے کیلئے اس سے بڑھ کر کارنامے دکھانے کے لئے سر توڑ کوششیں شروع کر دیں، جرجان، جیلان اور دیلیم کے علاقے فتح کئے اور اپنی فتوحات کی رپورٹ بہت بڑھا چڑھا کر دربار خلافت میں ارسال کی ان فتوحات کو قتیبہ کی فتوحات سے دوچند کر کے پیش کیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی لکھا کہ ان فتوحات میں چالیس لاکھ درہم کا مال غنیمت ہاتھ لگا ہے۔ ۷۱۸ء میں جونہی یہ رپورٹ دمشق پہنچی خلیفہ سلیمان دم توڑ چکا تھا اس کی جگہ حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے فرشتہ خصلت انسان حکومت سنبھال چکے تھے جنہیں اپنے اعلیٰ وارفع کردار واعمال اور عین اسلامی اصولوں کے مطابق حکمرانی کرنے کی وجہ سے پانچواں خلیفہ راشد مانا جاتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اب یزید بن مہلب سے حساب طلب کیا، تو وہ اس محاسبے میں بری طرح ناکام رہا اور بجائے گورنر خراسان کے پھر ایک بار قیدی بن گیا اور وسط ایشیا کو اس سے نجات مل گئی۔ عمر بن عبدالعزیز کے بعد یزید ثانی خلیفہ ہوا، تو یزید بن مہلب نے جیل سے نجات پا کر ایک بار پھر قسمت آزمائی کی اور اپنے ہم نام خلیفہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور "اکرا" کے علاقہ میں کافی قوت جمع کر لی۔ اس کا بھائی حبیب بن مہلب بھی اس کے ساتھ آملا۔ لیکن خلیفہ کی فوج نے انہیں شکست فاش دی اور دونوں بھائی قتل ہوئے۔

۷۱۷ء میں عمر بن عبدالعزیز نے الجراح کو خراسان کا گورنر بنا کر بھیجا لیکن یہ نہایت ہی ظالم اور سخت گیر تھا، دراصل یہ زیاد بن سفیان اور حجاج بن یوسف بننا چاہتا تھا، لیکن سوائے تشدد کے کوئی دوسری صفت ان میں مشترک نہ تھی اس لئے جب عادل خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کو علم ہوا تو انہوں نے فوراً ہی الجراح کو معطل کر کے واپسی کا حکم دیا اور ایک حلیم الطبع اور پرہیز گار شخص حسیم کو گورنر بنا کر یہاں بھیجا، لیکن یہاں کے حالات بہت بگڑ چکے تھے، اور ادھر خلیفہ بھی جام شہادت نوش کر چکا تھا۔ ترکوں نے بغاوت کر دی کیونکہ نئے حاکم کو زیادہ سے زیادہ دولت کم سے کم عرصہ میں اکٹھا کرنے اور خلیفہ کو خوش کرنے کے لئے عمدہ تحائف

---

(۱) عبدالحئی گردیزی - زین الاخبار - فارسی، - برلن ۱۹۲۸ء - ص ۱۱۸-۱۱۷

ارسال کرنیکی خاطر عوام کی چمڑی ادھیڑنی پڑی تھی۔ عمر بن عبدالعزیز کی موت کے بعد وسط ایشیا میں زبردست بغاوت ہوئی اس بغاوت میں بہت سے راسخ العقیدہ مسلمانوں نے بھی ترکوں کے رہنما حارث کا ساتھ دیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ باغی حق بجانب ہیں۔

۱۸ سال کے اس عرصہ میں کئی گورنر آئے ناکام ہوئے اور خراسان میں طوائف الملوکی رہی۔ آخر کار مشرقی علاقوں کے وائسرائے خالد القصری نے اپنے چھوٹے بھائی اسد القصری کو گورنر خراسان بنا کر بھیجا۔ جو یہاں آکر لوگوں کے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آیا اور کامیاب رہا، لیکن ۷۳۷ء میں وفات پا گیا اور اس کی جگہ نصر بن سیار نے لے لی۔ نصر بن سیار بھی اچھا حکمران تھا۔ لیکن حالات نے ایک نیا رخ اختیار کیا ہوا تھا۔ حکومت کے خلاف زیر زمین کام کر رہا تھا۔ بظاہر نہایت ہی خاموشی اور سکون تھا، لیکن لاوا اندر ہی اندر پک رہا تھا۔ جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

حضرت عباس رسولؐ[1] مقبول کے چچا تھے۔ جب نواسہ رسول ﷺ حضرت امام حسین شہید ہوئے تو حامیان اہل بیت تین حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ پہلا فرقہ شیعہ امام کہلایا۔ ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ امامت صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فاطمی اولاد کا ہی حق ہے۔ چنانچہ انہوں نے زین العابدین کو اپنا امام بنایا ان کی وفات پر ان کے بڑے بیٹے امام باقر کو جانشین تسلیم کیا اور پھر ان کے بیٹے جعفر صادق کے ہاتھ پر امامت کی بیعت کی یہ امام بھی خلافت کے دعویدار نہیں ہوئے تاریخی شواہد کی بناء پر انہوں نے بنوامیہ کے خلفاء کی حکومت تسلیم کر لی تھی۔

دوسرا فرقہ زیدیہ کہلاتا ہے ان کے اور شیعہ امامیہ کے عقائد بہت حد تک ملتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ زیدی حضرت علیؑ کو رسول ﷺ کا وصی مانتے ہیں اور اس لحاظ سے انہیں امام اول شمار کرتے ہیں امام دوئم حضرت حسن، امام سوئم حضرت حسین اور امام چہارم حضرت امام زین العابدین کو شمار کرتے ہیں مگر امام باقر کے بارے میں دونوں فرقوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ امامیہ یہ کہتے ہیں کہ بڑا بیٹا ہونے کی حیثیت سے امامت کا حق صرف حضرت باقر کیلئے مخصوص ہے اور زیدی یہ کہتے ہیں کہ امام زین العابدین کے بعد ہر فاطمی جو علم و فضل کے لحاظ سے دوسروں پر فوقیت رکھتا ہو امام بن سکتا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے زید بن زین العابدین کو اپنا امام تسلیم کیا اور اسی نسبت سے زیدی کہلائے۔ فرقہ امامیہ کے برعکس زیدیوں نے کوفہ میں امام زید کی خلافت کا اعلان

---

(۱) سعید نفیسی - لباب الالباب - فارسی - تہران ۱۹۵۰ء - ص ۱۰۸

کر کے اموی حکومت کے خلاف بغاوت کردی جس کے نتیجہ میں امام موصوف جنگ کے بعد گرفتار ہوئے اور شہید کر دیئے گئے۔ان کے جانشین یحیٰ بھی اسی طرح شہید کئے گئے۔

تیسرا فرقہ کیسانیہ کہلاتا ہے اس کی بنیاد رکھنے[1] والا مختار ثقفی تھا۔ مختار بالکل دور حاظر کے سیاستدانوں کی طرح عیار اور جاہ پرست انسان تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ شام میں مروان اور حجاز میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت ہونے کے باعث ملت اسلامیہ میں انتشار پھیلا ہوا ہے تو وہ بھی عراق میں اپنے اقتدار کیلئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ لوگوں کی حمایت حاصل کرنے کیلئے اہل بیت کا داعی بن گیا اور امام حسین کے خون کا بدلہ لینے کیلئے لوگوں کو اکسایا۔ امام زین العابدین کی تائید حاصل کرنے کی چند اں کوشش کی لیکن ناکام رہا پھر مختار حضرت علی کے غیر فاطمی بیٹے محمد بن حنیفہ کی طرف مائل ہوا اور اسے حضرت علی کا اصلی جانشین اور مہدی وقت قرار دے کر اپنی تحریک کا سرپرست بنایا۔ اس حکمت عملی سے مختار کو عوام کا بھرپور تعاون حاصل ہوا اور اس نے کوفہ کے شیعہ سرداروں کو ساتھ ملا کر عراق پر قبضہ کر لیا۔ اور قاتلین حسین سے جی بھر کر قصاص لیا، جس سے تاریخ کے اوارق بھرے پڑے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کو جب مختار اور محمد بن حنیفہ کے گٹھ جوڑ کا حال معلوم ہوا تو اس نے محمد بن حنیفہ اور ان کے دیگر رفقاء کو جو مدینہ میں موجود تھے قید کر لیا۔ مگر مختار نے ایک مختصر سی فوج بھیج کر ان کو رہا کرا لیا۔ اس سال حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں چار مختلف اسلامی جھنڈے اکٹھے ہوئے۔ ایک بنی امیہ کا دوسرا عبداللہ بن زبیر کا تیسرا خارجیوں کا اور چوتھا محمد بن حنیفہ کا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے ایک زبردست سیاسی غلطی کی جو ان کے زوال و شکست کا باعث بن گئی کہ بنی امیہ کے خلاف ایک کامیاب قوت کو اپنے بھائی حضرت مصعب کے ذریعہ ختم کر لیا یعنی مختار ثقفی کو شکست دے کر قتل کر دیا لیکن ان کے پیروکار آخر تک محمد بن حنیفہ کو ہی اپنا امام سمجھتے رہے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے ابو ہاشم کی بیعت کی اور امام برحق قرار دیا۔ امام ابو ہاشم کی نرینہ اولاد نہ تھی۔

ادھر حضرت عباس کے پوتے یعنی عبداللہ بن عباس کے بیٹے علی بن عبداللہ نے یہ مشہور کر دیا، کہ امام ابوہاشم مرتے وقت امامت علی بن عبداللہ کو سونپ گئے ہیں۔ علی کا بیٹا محمد بہت ہی دور اندیش اور زمانہ ساز تھا اسی نے داعیوں اور نقیبوں کی

(۱) حمیدالدین - تاریخ اسلام - لاہور - ۱۹۷۵ء - ص ۲۱۳

باقاعدہ جماعت بنائی۔ جو اسلامی سلطنت کے طول و عرض میں تاجروں، درویشوں اور مبلغوں کی صورت میں پھیل کر بنی امیہ کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے تھے۔ اور اہل بیت کو خلافت اور امامت کا جائز حقدار قرار دیتے تھے۔ اور لوگوں سے اہل بیت کیلئے حلف لیتے، لوگ مذہبی عقیدے سے مجبور ہو کر دھڑا دھڑ بیعت کرنے لگے۔ مگر یہ داعی (پروپیگنڈہ کرنے والے) کسی خاص امام کا نام نہ لیتے تاکہ شیعان علی ان کے ساتھ شریک رہیں۔

کوفہ اور خراسان (وسط ایشیا) میں اس تحریک کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ اور خود محمد بن علی فلسطین کے ایک گاؤں امامیہ میں بظاہر ایک گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا تھا، لیکن در پردہ کارندوں کے ذریعے پورے حالات پر نظر رکھے ہوئے تھا اور یہیں سے سلسلہ جنبانی فروغ پاتا تھا۔ اور حکومت وقت (بنوامیہ) کو شک تک نہ ہوا۔ شروع شروع میں بیعت کا سلسلہ محض زبانی تھا جسے اس کے داعی سوداگروں کے روپ میں مخفی طور پر سرانجام دیتے رہے اسی اثناء میں ایسے اسباب پیدا ہو گئے جن کے باعث اس تحریک کو بڑی تقویت ملی۔ جس نے داعیوں کو اعلانیہ طور پر بنی امیہ کی مخالفت اور اہل بیت کی حمایت شروع کرنے کی ترغیب دی۔ جس کا عوام نے بھرپور ساتھ دیا۔ اور سینکڑوں لوگ از خود داعیوں کا کام کرنے لگے۔

بنی امیہ کی حکومت[1] جسے عرب حکومت کہہ سکتے ہیں لیکن سوائے عمر بن عبدالعزیز کے عہد کے اسلامی حکومت نہیں کہہ سکتے۔ بنی امیہ کے اہل کاروں نے تمام مفتوح علاقوں کے لوگوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ ناگفتہ بہ تھا، مشرف بہ اسلام ہونے کے باوجود ان سے جزیہ لیا جاتا تھا اور انہیں مال غنیمت میں سے حصہ نہ ملتا۔ ان کو فوج اور سول میں اچھے عہدوں سے محروم رکھا گیا۔ انہیں کسی بھی نجی زندگی میں برابری کا درجہ نہیں دیا گیا تھا اگرچہ ان میں بعض عربوں سے بھی اچھے مسلمان تھے قرآن و فقہ پر اچھا عبور رکھتے تھے ان سے بہتر طور پر جہاد میں حصہ لیتے تھے، لیکن عرب سوار اور یہ پیدل لڑتے تھے ان لڑنے والے مجاہدوں کو مال غنیمت میں مساوی حصہ نہ ملتا تھا۔ انہیں ہر لحاظ سے دوسرے درجہ کا شہری سمجھا جاتا تھا۔ عوام میں بددلی بدرجہ اتم موجود تھی۔ عباسیوں کے داعیوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا ہر طرف لوگ کھلم کھلا حکومت کے خلاف اور اہل بیت کے حق میں سرگرم گفتگو رہنے لگے۔

خارجیوں نے امویوں کے ناک میں دم کر رکھا تھا۔ جب خارجیوں نے عراق پر حملہ کیا تو ادھر ابراہیم بن محمد (جو باپ کی

---

(1) HAR GIBB - The Arab Conquest in Central Asia New Yark 1970 - P. 227

وفات پر امام بن گیا تھا) نے اپنے داعی اعظم ابو مسلم خراسانی کو حکم دیا کہ خراسان میں علم بغاوت بلند کرو وسط ایشیا کے لوگ پہلے ہی عربوں کی بدسلوکی سے نالاں تھے آن کی آن میں مسلم خراسانی کے کالے جھنڈے تلے جمع ہونا شروع ہو گئے۔ 747ء میں عوامی تحریک کے ذریعے مسلم خراسانی نے امیر خراسان نصر بن سیار کو شکست دے کر خراسان سے ایران کی طرف بھگا دیا۔

ادھر جب اموی خلیفہ مروان ثانی کو علم ہوا کہ اہل بیت کی تحریک کی قیادت امام ابراہیم فلسطین میں بیٹھے کر رہے ہیں تو انہیں فوراً گرفتار کروالیا۔ باز پرس کی اور قتل کر دیا لیکن پانی سر سے گزر چکا تھا، کیونکہ ابو مسلم خراسانی کی کامیاب فوجیں خراسان سے نکل کر ایران فتح کر کے عراق کا رخ کر رہی تھیں۔ امام ابراہیم نے گرفتار ہوتے وقت اپنے بھائی ابوالعباس کو وصی مقرر کیا۔ ابوالعباس مارے ڈر کے اپنے آبائی مسکن حمیمہ کو چھوڑ کر کوفہ میں روپوش ہو گئے۔ جب ابو مسلم خراسانی کی کامیاب فوجیں ۷۴۹ء میں کوفہ پہنچیں تو ابوالعباس اپنی پناہ گاہ سے باہر آئے اور خلیفہ مقرر ہوئے۔

وسط ایشیا کے لوگوں نے سکھ کا سانس لیا اور خیال کیا کہ اب بہتر اسلامی حکومت قائم ہو گی۔ کسی حد تک ان کا خیال درست تھا اور ثابت ہوا۔ مسلم خراسانی نے یہاں حکومت قائم کی۔ پہلے کی نسبت حالات بہت بہتر تھے، رفاہ عامہ کے کام ہونے لگے۔ اور مسلم خراسانی کو لوگ نہایت ہی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ لیکن مرکز (دمشق) میں بیٹھے خلیفہ کو تو زرومال کی ضرورت تھی جب کہ مسلم خراسانی سے جس نے انہیں تخت و تاج کا مالک بنایا تھا کیسے کچھ طلب کر سکتے تھے۔ آخر عباسیوں کے خلیفہ دوئم منصور نے نہایت چالاکی سے سازش کی، اور مسلم خراسانی کو اس کے کارناموں پر داد دینے کے لئے ایک جشن منایا مسلم خراسانی کو مجبوراً جانا پڑا اگرچہ وہ جانتا تھا، کہ سازش کے تحت اقتدار حاصل کرنے والے کبھی قابل اعتبار نہیں ہوتے۔ مسلم خراسانی کا فقید المثال استقبال ہوا، اور دوسرے دن اس کی لاش کا پتہ بھی نہ چلا۔

وسط ایشیا کے لوگ جو دیوتا مانتے تھے، بغاوت پر اتر آئے اور خلیفہ کی ہر فوج کو شکست دیتے رہے۔ ہاشم بن حاکم جو کہ ابو مسلم خراسانی کا ایک سیکرٹری تھا نے اقتدار سنبھال لیا اور لوگوں نے اس کا ساتھ دیا۔ ہاشم بن حاکم کو عرب تاریخ نویسوں سے

---

(1) Dr. Shamsud Din Siddiqi The Ruling Dgnation of Centra Asia Peshawar 1984 - P.97

المقنعہ یعنی نقاب پوش لکھا ہے۔ جس کی تفصیل آگے آئے گی اس طرح[1] اب وسط ایشیا عباسیوں کی گرفت سے تقریباً نکل چکا تھا، لیکن اسلام کے دائرے سے نہیں نکلا، یہاں مسلمان دین کی اشاعت میں علماء اور صوفیاء سے فیض حاصل کرتے رہے۔ لیکن یہ ایک خلفشاری دور تھا، جب انسان کے جان و مال کے تحفظ کی ضمانت نہ ہو وہ کسی دوسری طرف توجہ نہیں دے سکتا۔ آخر جب مامون الرشید یہاں کا امیر مقرر ہوا تو قدرے آسودگی ہوئی۔ اور ان کے بعد طاہر بن حسین نے ۸۲۰ء میں ایک خود مختار امیر کے طور پر اقتدار حاصل کیا۔ اور اس کے بعد صحیح معنوں میں وسط ایشیا میں دین اسلام کی طرف توجہ دی گئی۔

علم و ادب نے یہاں مقامی بادشاہوں کے زیر نگین خوب ترقی کی بڑے بڑے نابغہ روزگار پیدا ہوئے جن کا آگے صفحات میں ذکر موجود ہے جن پر وسط ایشیا کیا دنیا اسلام کو فخر ہے۔ وسط ایشیا میں اسلام کا ورود تو ۶۰۰ء میں ہو چکا تھا اور باقاعدہ حکومت ۶۶۴ عیسوی میں قائم ہوئی۔ اور وسط ایشیا میں امن و امان کا دور دورہ ہوا، اور ابو الفضل بلعمی، ابو علی محمد بلعمی، ابو عبداللہ محمد جیھانی، عبید اللہ جیھانی، ابوالفضل جیھانی، حمویہ بن علی، ابوالعباس احمد بن حمویہ، ابوعمران سمجوری دوانی، ابراہیم بن سمجوری، ابوالحسن ناصر الدولہ سمجوری، الپتگین الوصالح منصور، احمد بن سہل، ابو بکر چغانی، اور ابو منصور محمد جیسے صاحب سیف و قلم پیدا ہوئے جو سیاست اور امور حکمرانی کے علاوہ اعلیٰ جنرل بھی تھے اور مشیر بھی تھے جن کی تفصیل آگے، شخصیات کے عنوان کے تحت موجود ہے۔

دانشوروں، علماء اور شعراء میں ابوزید بلخی، ابو سعید سنجری، ابو سلیمان منطقی، ابو محمد مروزی، ابو عبداللہ مروزی، ابو جعفر الخازن خراسانی، ابو حاتم نبتی، عبدالرزاق بیہقی، محمد بن علی کاتب، ابو عمر احمد، امام بخاری، ابو قاسم کعبی، امام ابوالحسن، ابن ابی الازہر، امام ترمذی، ابو عبداللہ خوارزمی، امام طبری، ابو منصور ہروی، اسماعیل فارابی، ابو عمر روزنی، ابو منصور موفق بن علی ہروی، ابوالموید بلخی، جعفر بن محمد رودکی، ابو شکور بلخی، ابوالحسن شہید بلخی، رابعہ بلخی، فرالاوی، ابوشعیب ہروی معروفی بلخی، ابو عباس ربجنی، ابوزاہد ممعری، دقیقی بلخی، امیر ابو یحییٰ طاہر چغانی، منجیک ابوالحسن علی محمد منجیک، ابو طیب مصعبی، ابوابراہیم جویباری، شاکر جلاب فرضی، عمارہ مروزی، عنصری، فرقی، حکیم سنائی، عمر خیام، انوری، امیر حفری، نظامی، فریدالدین عطار، ابن یمین، اور جلال الدین رومی وغیرہ جن کا تفصیلی ذکر شخصیات اور علمی کارناموں کے عنوان کے تحت ہوگا۔

---

(1) Dr. Shamsud Din Siddiqi The Ruling Dgnation of Centra Asia Peshawar 1984 - P.62

وسط ایشیا میں اسلام کے ارتقا اور فروغ کا آغاز طاہریہ دور سے شروع ہوا، سامانیہ دور میں ترقی ہوئی اور اسلام ارتقائی منازل میں داخل ہوا اس کے فروغ کا آغاز ہوا، اور غزنوی دور میں کمال کو پہنچ گیا۔

باب دوم

وسط ایشیا میں مذہبی ادارے اور تحریکیں

قبل از اسلام[1] بخارا، سمرقند، بلخ اور ہرات میں مذہبی ادارے موجود تھے۔ بخارا اور وادی زرفشان کے دوسرے علاقے بھی خوشحال اور آباد تھے، فارغ البالی کی وجہ سے ہی مذہبی ادارے اور تحریکیں وجود میں آتی ہیں، بخارا میں زرتشتیوں کے معبد خانے اور خانقاہیں موجود تھیں، بدھ مت کے بھکشو اور راہب اپنی اپنی عبادت گاہوں میں مصروف عمل تھے۔ بدھ مت کی پرچار کے باوجود ایرانی اثر کی وجہ سے زیادہ تر لوگ زرتشتی مذہب کے پیروکار تھے، مانی کے ماننے والے بھی کافی تعداد میں وسط ایشیا کے مختلف شہروں میں موجود تھے، یہاں تک کہ کاشغر، ختن اور یارقند کا سرکاری مذہب گیارہویں صدی عیسوی تک مانی ازم رہا۔ مانی ازم کا وسط ایشیا میں کافی زور رہا۔ ژنگ پاژنگ کے تقدس پر قربان ہونے والے جانثار اسلام کے ورود کے بعد بھی کافی عرصہ تک برسر اقتدار رہے مزدک کے پیروکاروں نے زرتشتی مذہب کو کافی نقصان پہنچایا۔ یہاں تک کہ ایرانی شہنشاہ خسرو کو اتنا متاثر کیا کہ اس نے اس مذہب کو سرکاری مذہب قرار دے دیا تھا۔

خسرو کے بیٹے نوشیرواں نے جب اس مذہب کا بغور مطالعہ کیا تو باپ سے کہنے لگا۔ اگر آپ نے یہ مذہب اختیار کیا تو بادشاہت تو ہمارے ہاتھ سے گئی (کیونکہ مزدک نے کیمونزم کا نظریہ من وعن پیش کیا تھا یعنی نجی ملکیت ختم، یہاں تک کہ عورت کو بھی نجی یعنی کسی ایک کی رہنے نہ دیا۔ زمین اس زمیندار کی ہے جو اسے بوتا اور کاٹتا ہے وغیرہ) نوشیرواں نے اپنے باپ خسرو کو اعتماد میں لینے کے بعد مزدک کا خاتمہ کرنے کے لئے زرتشتی علماء سے رابطہ کیا اور ایک مناظرے کا اہتمام کیا گیا۔ مزدک دل میں مطمئن تھا کہ بادشاہ تو اس کا گرویدہ ہے، وہ اپنے پیروکاروں کے ساتھ جن کی تعداد ڈیڑھ لاکھ[2] بتائی جاتی ہے مناظرہ کے لئے آیا، زرتشتی علماء نے اس پر بداخلاقی پھیلانے، نوجوانوں کو گمراہ کرنے، شرفا کو بدنام کرنے اور خاندانی لوگوں کو نیست ونابود کرنے کا

---

(۱) تاریخ ایران - تہران، شفیق زادہ- ۱۹۵۹ء - ص ۷۵

(۱) تاریخ ایران - تہران، شفیق زادہ- ۱۹۵۹ء - ص ۷۷

الزام لگایا۔ ابھی مزدک اٹھ کر ان الزامات کا بڑی فصاحت کے ساتھ جواب دے رہا تھا کہ سرکاری فوج شہزادہ نوشیرواں کے حکم اور زرتشتی علماء کی منظوری سے اس پر ٹوٹ پڑی اور آن کی آن میں مزدک اور اس کے نہتے ڈیڑھ لاکھ پیروکاروں کو جن میں بعض صرف تماشائی تھے کو تہ تیغ کر دیا۔ اور اسی دن زرتشتی علماء نے نوشیرواں کو اس عمل کے بدلے عادل کا خطاب دیا۔ گویا ڈیڑھ لاکھ مرزدکیوں کو شہید کر کے عادل کا خطاب حاصل کیا۔ جو آج تک نوشیرواں عادل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

قبل از اسلام[1] وسط ایشیا میں زرتشتی، مانی اور مزدکی ازم کا زور تھا اور بدھ مت کے پیروکار بھی تھے۔ اکثر ترک قبائل مذہب کی بندش سے آزاد تھے۔ مگر ان میں سورج پرست اور آسمان پرست بھی تھے۔ اسلام جب ساتویں صدی عیسوی میں وسط ایشیا میں داخل ہوا تو ان نظریات کے لوگ عام تھے۔ بعض اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اپنے اس عقیدے سے چمٹے رہے جس کا آگے ذکر آئے گا۔

اسلام جو دین فطرت ہے کو جب وسط ایشیا کے لوگوں نے دیکھا کہ ان کی عبادت میں نہ تو آگ کی زرتشتی مذہب کی طرح ضرورت ہے نہ کسی دوسرے وسیلے کی حاجت ہے۔ بس ایک جگہ کھڑے ہو کر اللہ کے حضور جھکنا اور سجدہ ریز ہونا ہے۔ دوسری بات یہ کہ زرتشتی مذہب اور اسلام میں کافی اقدار مشترک ہیں یعنی خدا اور شیطان، اچھائی، برائی، ثواب عذاب، جنت و دوزخ، حیات بعد الموت اور پل صراط وغیرہ کا ذکر موجود ہے، تو انہیں زیادہ فرق محسوس نہ ہوا، اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ اسلام کوئی نیا مذہب نہیں ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک تمام نبی اور پیغمبر یہی خدا کا پیغام لائے۔ اور دنیا کے مختلف علاقوں میں آئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر صرف جزیرہ نما عرب کا مقدر نہیں تھے، بلکہ اس میں باقی دنیا کا بھی کوئی حصہ تھا، کیونکہ وہ رب العالمین ہے اس لئے زرتشتی مذہب اور دیگر مذاہب بھی کچھ اچھائی کا درس دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

وسط ایشیا میں جب مسلمانوں نے قدم رکھا تو بدقسمتی سے وہ مسلمان ادھر آئے جنہیں صرف حکمرانی، جہانبانی اور جہانداری کا خیال تھا۔ انہوں نے یہاں آکر بجائے مذہبی ادارے قائم کرنے کے فوجی بیرک قائم کئے اور اپنے لئے محلات بنوائے۔

---

(1) William Morros - Eastetn Turkistan - New York 1923 - P. 59

پہلی عرب حکومت (اسے اسلامی اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مسلمانوں کی حکومت ضرور تھی لیکن اسلامی حکومت نہ تھی اور مسلمان بھی وہ مسلمان تھے۔ جنہیں ہوس ملک گیری اور زر گیری نے دیوانہ بنا رکھا تھا) وسط ایشیا کا پہلا عرب مسلمان حکمران عبید ابن زیاد ۶۶۴ء میں مقرر ہوا۔ عبید[1] امیر معاویہ کے ناجائز بھائی زیاد کا بیٹا تھا، زیاد جو عمر فاروق کے وقت سے اپنی ذہانت کا لوہا منوا چکا تھا۔ ابو سفیان کی ناجائز اولادوں میں سے تھا جسے امیر معاویہ کبھی منہ نہ لگاتا تھا۔ زیاد ہمیشہ حضرت علی کا طرف دار رہا، اور مختلف عہدوں پر کام کرتا رہا یہاں تک کہ امام حسن کا بھی وفادار رہا۔ امام حسن کی حکومت سے دست برداری کے باوجود بھی زیاد نے امیر معاویہ کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا۔ یہ حضرت علی کے دور سے فارس کا عامل چلا آ رہا تھا۔ امیر معاویہ نے اسے ساتھ ملانے کی بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی آخر کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ کی حکمت عملی کام آئی اور زیاد اطاعت پر چند شرائط کے ساتھ راضی ہوا۔

امیر معاویہ زیاد جیسے مدبر سیاست دان کی حمایت ہر قیمت پر حاصل کرنے کو تیار تھا۔ چنانچہ اس نے زیاد کا زبردست استقبال کیا اور اعلان کیا کہ زیاد کی ماں کے ساتھ اس کے والد ابو سفیان نے زمانہ جاہلیت میں باقاعدہ نکاح کیا تھا یہ معاویہ کی ایک سیاسی چال تھی جو کارگر ثابت ہوئی اور اس نے زیاد کی وفاداریاں حاصل کر لیں پھر زیاد نے معاویہ کی حکومت کو اپنی حکمت عملی سے جو استحکام و دوام بخشا تاریخ کے طالب علم اس سے بخوبی واقف ہیں۔ لیکن ابھی اس کی اقتدار کی ہوس پوری نہ ہوئی۔ کہ وہ پر اسرار طور پر ۵۷ سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ پھر اس کا بیٹا عبید ابن زیاد[2] امیر معاویہ کے بیٹے یزید کی وفاداری میں یہاں تک بڑھ گیا کہ امام حسین کو شہید کر کے اس کا سر یزید کو پیش کیا یہی عبید ابن زیاد وسط ایشیا کا پہلا مسلمان حکمران مقرر ہوا یعنی امیر خراسان ہوا۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد، کجاماند مسلمانی۔

جب یہ امیر خراسان مقرر ہوا تو ظاہر ہے اس نے یہاں کی کیا خدمت کی ہوگی۔ کون سے مذہبی ادارے قائم کئے ہونگے۔ اس کے بعد سعد بن عثمان گورنر مقرر ہوا۔ حضرت عثمان کا یہ فرزند صرف تین سال یہاں رہا اور پھر لوٹ گیا پھر زیاد کا دوسرا بیٹا سالم گورنر بن کر آیا جو پانچ سال بعد واپس بلا لیا گیا۔ کیونکہ مرکزی حکومت کو زیادہ سے زیادہ مال کی ضرورت تھی اور کوئی عامل

---

(۱) حمید الدین - تاریخ اسلام - لاہور ۱۹۶۲ء - ص ۱۹۵

(۲) نہ زیاد کا وہ ستم رہا نہ یزید کی جفا رہی
جو رہا تو نام حسین کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

اگر مال میں اضافہ کرنے میں ناکام رہتا تو واپس بلا لیا جاتا۔ آخر مہلب بن صفرا جو ایک اچھا جرنیل بھی تھا ۶۸۵ء میں امیر خراسان مقرر ہوا۔ اس نے اپنے سات بیٹوں کی سربراہی میں ہر طرف لشکر کشی جاری رکھی اور مرکزی حکومت کو بھرپور مالی امداد پہنچاتا رہا لیکن وہ ۷۰۳ء میں وفات پا گیا پھر اس کا بڑا بیٹا یزید بن مہلب گورنر مقرر ہوا جو اچھا جرنیل تھا، لیکن فضول خرچ تھا، اور اچھا منتظم نہ تھا اس لئے اسے واپس طلب کر لیا گیا اور اس کی جگہ قتیبہ بن مسلم کو امیر خراسان بنا کر بھیجا گیا۔ ۷۰۵ء سے ۷۱۵ء تک کا سارا زمانہ قتیبہ موسم گرما میں لڑائی اور فتوحات و سردی کا موسم اپنے ہیڈ کوارٹر مرو اور بعد ازاں بخارا میں گزارتا اسے مورخین[1] وسط ایشیا کا صحیح فاتح قرار دیتے ہیں۔

یہ پہلا جرنیل اور حکمران تھا جس نے ۷۰۸ء میں بخارا کو اپنی عمل داری میں شامل کیا۔ اور یہاں ایک مسجد بنوائی کیونکہ یہ واحد جرنیل تھا جسے یہاں مستقل طور پر رہنے اور رفاہ عامہ کے کام کرنے کا خیال تھا، اس نے یہاں مسجد و فوجی ہیڈ کوارٹر قائم کیا۔ اس دور میں مسجد کا قیام مدرسہ، سکول، کالج اور یونیورسٹی کے قیام سے کم نہ تھا، کیونکہ اس دور میں مسجد میں ہی ہر قسم کا درس دیا جاتا تھا مسجد کے قیام سے مذہبی رواداری بڑھی مجوسیوں نے اپنے معبد خانے آباد کئے اور بدھ مت والوں نے اپنے عبادت خانے اس طرح دیگر مذہبی اداروں کا احیاء اور مساجد کی ابتداء ہوئی۔ اس کی برکت سے ۱۹۱۷ء تک صرف بخارا[2] میں مسجدوں کی تعداد ایک ہزار سے تجاوز کر چکی تھی۔

وسط ایشیا میں پہلی سن ہجری سے لیکر چھٹی صدی ہجری تک باقاعدہ مذہبی ادارے کے قیام کا کہیں پتہ نہیں ملتا، البتہ مساجد اور مسجد سکول ضرور قائم ہوئے اگرچہ وسط ایشیا نے امام بخاری، امام ترمذی، امام طبری جیسی نابغہ روزگار شخصیات کو جنم دیا، لیکن ان دنوں میں بغداد ہی ایسے افراد کو اپنی طرف کھینچ لیتا تھا، انہوں نے وہاں جا کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا وہیں وفات پائی صرف امام بخاری کو دفن کے لئے سمرقند کی سرزمین نصیب ہوئی۔

ہاں البتہ چھٹی ہجری کے بعد یہاں پر بعض مذہبی تحریکیں اٹھیں، جن میں نقشبندیہ، اور چشتیہ کی صوفی تحریکیں ہیں۔ مذہبی ادارے سوائے "مسجد مکتبہ" کے ان کا وجود کہیں بھی نظر نہیں آتا، لیکن یہاں جو محدثین ہو گزرے ہیں جو نابغہ روزگار رہے ہیں جن کا ذکر دیگر ابواب میں ہو چکا ہے اور جن میں زیادہ تر بغداد سے فارغ التحصیل تھے۔ یہاں آ کر انہوں نے مسجد میں

---

(۱) ابن کثیر - تاریخ مسعودی جلد ۵ - لاہور ۱۹۵۶ء - ص ۲۲۸

(۲) وسط ایشیا کے دوسرے شہر اب بھی مسجدوں کی تعداد کے لحاظ سے بخارا کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ تیسری صدی ہجری کے مشہور ترین محدثین میں محمد بن اسماعیل البخاری متوفی ۲۵۶ ہجری اور محمد بن عیسی ترمذی متوفی ۲۷۹ ہجری ہیں اسی طرح چوتھی صدی ہجری میں عبداللہ بن محمد اسفرائینی متوفی ۳۱۸ ہجری اور پانچویں صدی ہجری احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۶۸ ہجری اور چھٹی صدی میں ابو بکر محمد اسبعانی متوفی ۵۱۰ ہجری ہو گزرے ہیں جو اپنی ذات میں خود ایک ادارہ اور ایک تحریک تھے۔ پھر بھی بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں مسلم معاشرہ اتنا بے جان نہیں ہوا تھا اس میں اتنی قوت موجود تھی کہ وہ خود بڑی حد تک اموی اور عباسی آمروں کی ہوسناکیوں سے بچتا رہا اور کتاب و سنت کو بھی بچا لے گیا۔ یہ سب کرشمہ ان بے لوث علماء اکرام کے دست کرم سے ہوا اور نہ وسط ایشیا میں حکومت کی سرپرستی میں کچھ بھی نہ ہوا۔ البتہ علماء اکرام اپنے طور پر اسلامی علوم وافکار کو آگے بڑھاتے گئے اور نام نہاد اسلامی حکومت ان سے ہمیشہ خائف ہی رہی۔ اور حتی الامکان ان کی راہ میں روڑے ہی اٹکاتی رہی خدا کی شان دیکھئے کہ صحاح ستہ (1) کے مولفین پورے عالم اسلام میں مستند مانے گئے ہیں اور انہیں بڑی شہرت نصیب ہوئی ان میں چار کا تعلق وسط ایشیا سے تھا۔ یہ اپنی ذات میں خود ایک ادارے اور تحریک کی حیثیت رکھتے تھے، یہی ہمارے ادارے تھے یہی ہماری اسلامی تحریکیں تھیں۔

مسلمان جغرافیائی حدود و قیود کا پابند نہیں رہا ہے اس لئے جتنی بھی اسلامی علوم وافکار اور تاریخ کی کتب دیکھیں اس قید سے آزاد ہیں بڑی مشکل سے کرید کرید کر ان میں سے وسط ایشیا کے حال کو الگ کرنا پڑتا ہے۔

---

(1) Mr Jalal-ud- Din Khiligi - The Muslim Celebrities of Central Asia - Peshawar 1984 - P.13

ساتھ اہل حجاز کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا۔ یہاں سے انہیں زیادہ خطرہ تھا کیونکہ یہاں اہل بیت اور ان کے عقیدت مندوں، صحابیوں اور ان کی اولاد کی خاصی تعداد موجود تھی۔ ان کے جانشینوں میں سوائے عمر بن عبدالعزیز کے (جو تمام عیوب سے پاک تھے جنہیں پانچواں خلیفہ راشد تسلیم کیا جاتا ہے) باقی نے اسلامی شعار کا خیال نہیں رکھا۔ بالکل مطلق العنان شخصی حکومت چلاتے رہے۔ ان کے نائبین مفتوحہ علاقوں میں یہی پالیسی اختیار کیے ہوئے تھے۔

وسط ایشیا میں پہلے حکمران عبیداللہ بن زیاد (جس کے ظلم کی داستان مشہور ہے۔ جو قاتل امام حسین تھے) ۶۷۴ء میں خراسان کے پہلے گورنر کی حیثیت سے آئے۔ ان کے والد زیاد ابو سفیان کی ناجائز اولاد میں سے تھے۔ ان کا بیٹا عبیداللہ ابن زیاد اقتدار کی خاطر باپ سے بھی زیادہ حکومت کا وفادار نکلا۔ اس نے امام حسین کو شہید کیا اور ان کا سر یزید کو پیش کر کے اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کیا۔ یہاں وسط ایشیا میں آکر اس نے اس انداز حکمرانی کی بنیاد ڈالی۔ جس طرح امیر معاویہ کے سامنے اہل عراق ان کے وفادار تھے۔ لیکن دل ہی دل میں سخت نفرت کرتے تھے اسی طرح وسط ایشیا کے لوگ بھی ان حکمرانوں سے نفرت کرنے لگے خارجی بڑی تعداد میں روپوش ہو کر مفتوحہ علاقوں میں آکر آباد ہوئے اور سندھ، ہسپانیہ اور اسی طرح وسط ایشیا میں زندگی گزارنے لگے۔

یہ لوگ عرب فاتحین سے بھی اچھے مسلمان تھے انہیں قرآن وفقہ پر اچھا عبور تھا۔ انہوں نے تبلیغ کا کام کیا، نو مسلموں کو دین سے مکمل طور پر آشنا کرنے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے یہ دین کی منتقلی کے ساتھ ساتھ بنو امیہ سے نفرت بھی لوگوں کے دلوں میں منتقل کرتے جاتے تھے۔ یہ کام بڑی آہستگی کے ساتھ ہو رہا تھا۔ بنو امیہ کے حکمران یکے بعد دیگرے خراسان آتے رہے۔ جن کا اولین مقصد یہاں سے زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کرنا اور خلیفہ وقت کو خوش کرنا تھا۔ یہ حکمران نہ عوام کی مرضی سے آئے تھے اور نہ ہی انہیں عوام کی خوشنودی درکار تھی۔

سب سے بڑھ کر عربوں کا رویہ تھا، (عرب(۱) ویسے بھی مغرور قوم تھی) وہ غیر عرب کو کسی طرح بھی اپنے برابر تصور نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے ساتھ تیسرے درجے کے شہری کا سا سلوک کرتے تھے۔ انہیں کسی بڑے عہدے پر مامور نہیں کرتے تھے۔ خود اپنے ملک میں وسط ایشیا کے لوگ غیر کے دست نگر ہو گئے اسلام قبول کرنے کے بعد ان سے مساویانہ سلوک نہ ہوا، ان سے جذبہ

---

(۱) آج بھی عرب، غیر عرب کو کم درجہ کا انسان سمجھتے ہیں۔ جزیرہ نما عرب کے کسی علاقہ سے بھی واپس آئے ہوئے انسان عربوں کی رعونت کی بات کرتے ہیں۔

وصول کیا جاتا تھا۔ جنگوں میں یہ سوار اور غیر عرب پیدل لڑتے تھے۔ مال غنیمت میں ان کو حصہ نہ دیتے تھے۔ اگر کسی جگہ سارے کا سارا مال غنیمت غیر عربوں کے ہاتھ لگا تو اس میں سے بھی برابر کا حصہ نہ دیتے تھے۔ بخارا کے لوگوں (سغدیوں) نے اسلام قبول کیا۔ لیکن ان کے ساتھ بھی مساویانہ سلوک نہ ہوا۔ ان میں سے بعض نے اسلام کو ترک کیا، اور بعض مسلمان رہ کر ان کے خلاف ہو گئے۔

بنی امیہ کے بعض باشرع لوگ اور دیگر بزرگان دین، جو دین کے سچے خیر خواہ تھے اور جو اسلام پر مر مٹنے کو تیار تھے بنی امیہ کے حکمرانوں کے غاصبانہ اقدام، جاہ پرستی اور تعیش کو دیکھ کر ان سے سخت بیزار ہو گئے انہیں ان کے غیر اسلامی شعار بالکل ناپسند تھے چنانچہ وہ اس تحریک کی مدد کو تیار تھے جو اس غیر شرعی حکومت کا خاتمہ کر کے اسلامی روایات کو دوبارہ زندہ کرے ایسے میں حارث نامی ایک نوجوان نے علم بغاوت بلند کیا جس کے جھنڈے کے نیچے وسط ایشیا کے راسخ العقیدہ مسلمان جمع ہو گئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ باغی حق پر ہیں۔ اور عرب حکمران غاصبانہ حکومت کر رہے ہیں۔ حارث کی تحریک کافی حد تک کامیاب رہی۔ لیکن بنو امیہ کے سازشیوں کے آگے اس کی زیادہ عرصہ تک نہ چل سکی۔ حارث نے صحیح طور پر شریعت کا نفاذ کیا سارے ٹیکس معاف کر دیئے۔ لیکن اب کاروبار حکومت کو چلانے کے لئے رقم کہاں سے آتی۔ تجربہ تھا نہیں ظلم سے کمائی ہوئی دولت کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ باقاعدہ فوج رکھنے کے وسائل نہ تھے۔ وقت پڑنے پر مجاہدین کو اکٹھا کر لیتے تھے۔ لیکن کب تک؟ ادھر یکے بعد دیگرے عراق کی طرف سے حملے ہوتے رہے۔ آخر خلیفہ ہشام نے خالد القصری کو مشرقی علاقوں کا انچارج مقرر کیا، اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو امیر خراسان بنا کر بھیجا۔

خالد کا بھائی اسد(۱) یہاں کے حالات سے بخوبی واقف تھا کیونکہ اس نے ساری زندگی ادھر ہی گزاری تھی، کافی لوگوں سے اچھے مراسم بھی تھے۔ یہ نہایت ہی ہوشیار اور اچھا سیاستدان تھا، اس نے یہاں پہنچ کر کچھ علاقے پر قبضہ کیا، اور حارث کے ساتھی سرداروں سے رابطہ کیا، ان کی خواہشیں معلوم کیں، ان کے مطالبات سنے۔ انہیں کسی نہ کسی طرح اپنی طرف مائل کیا، انہیں کہا جیسا آپ چاہیں گے ویسا ہی ہو گا۔ وہ لوگ شرعی حکومت اور انصاف چاہتے تھے۔ جس کا عہد اسد نے ان سے حلفیہ طور پر کیا۔ اس طرح بہت سارے لوگ حارث کا ساتھ چھوڑ کر اس بہانے سے الگ ہو گئے کہ ناحق مخلوق خدا کا خون ہو گا اسد امیر خراسان کے

۱۔ ابی جعفر محمد بن جریر طبری - تاریخ طبری جلد ۹ - لاہور ۱۹۵۶ء - ص ۴۲۲

پاس بڑا لشکر ہے۔ وسائل ہیں، اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ نہایت ہی نیک مسلمان ہے۔ پانچ وقت مسجد میں نماز ادا کرتا ہے۔ اور متقی شخص ہے۔ جو سمجھدار لوگ تھے وہ اسد کے جال میں نہ آئے انہوں نے اس کی پرہیزگاری کو اس کی مکاری اور عیاری سے تعبیر کیا اور اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ آخر ۷۳۶ء میں ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ جس میں حارث کو شکست ہوئی۔ بلخ اور بخارا اسد کے ہاتھ آگئے اس نے اپنے پاؤں خوب جمائے۔ مرکز سے بھی باقاعدہ کمک مل رہی تھی۔

اب اس تحریک کا مرکز کاشغر بن گیا اور سب وہاں کے حکمران ظفر یگین خاقان[1] کے اردگرد جمع ہو گئے۔ اور اس کی مدد کے طالب ہوئے۔ وہ بھی اپنے علاقے میں عربوں کی مداخلت پسند نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ ظفر یگین کا باپ قتیبہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس لئے اسے عربوں سے انتقام لینا تھا۔ اب جب مسلمان بھی اس سے مل گئے تو اس کی کامیابی یقینی ہو گی۔ اس نے عرب افواج کو پے در پے کئی شکستیں دیں، اور کافی علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ادھر اسد نے ایک بڑی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ سارے وسائل اکٹھے کئے۔ وسط ایشیا کے مسلمانوں کو ان مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا جو کفار سے جا ملے تھے۔ اور خاقان کے خلاف جنگ کو جہاد قرار دیا۔ اب خاقان کے مقابلہ میں لوگوں نے اسد کا ساتھ دیا۔

خاقان کا لشکر مار دھاڑ کرتا ہوا ختال تک آ پہنچا۔ اسد اپنے دارالخلافہ کو چھوڑ کر ختال آیا اور ایک گھمسان کی جنگ ہوئی دونوں طرف سے بہادری کے خوب جوہر دکھائے گئے۔ کافی کشت و خون ہوا لیکن میدان کسی بھی فریق کے ہاتھ نہیں لگا۔ لڑائی طول پکڑ گئی اور سردیاں شروع ہو گئیں۔ خاقان مشرقی ترکستان کی طرف لوٹ گیا اور اسد واپس بلخ چلا گیا۔ دوسرے سال ۷۳۷ء میں خاقان عربوں کو وسط ایشیا سے نکالنے بلکہ آگے بڑھنے کے ارادے سے سمرقند پر حملہ آور ہونے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ سمرقند تک پہنچنے سے پہلے ہی اسد کی فوج نے اس کا راستہ روکا۔ خاقان بڑی بے جگری سے لڑتا ہوا آگے بڑھا۔ لیکن ایک تیر بہت کارگر ثابت ہوا جو عین خاقان کی آنکھ میں لگا اور وہ گھوڑے سے گر گیا اور مر گیا جس سے اس کے لشکر میں بے دلی اور افراتفری پھیل گئی یہ بے سپہ سالار فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ اور اسد کو زبردست کامیابی نصیب ہوئی۔ یہ خبر جب دمشق پہنچی تو ایک ہفتہ تک خوشی کا جشن منایا گیا۔ کیونکہ وسط ایشیا کا علاقہ دوبارہ ان کے ہاتھ آیا اور عربوں کا سب سے بڑا حریف کام آیا اور اب کوئی دوسرا سر اٹھانے

---

(۱) ابن اثیر - تاریخ ابن اثیر - جلد ۴ - لاہور ۱۹۶۵ء - ص ۱۲

والانہ تھا۔اس لڑائی میں ظفر یگین مارا گیا۔اب بظاہر مکمل طور پر سکون اور سکوت ہو گیا۔

اسد اس فتح کے بعد زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکا اور چند ماہ بعد ہی پراسرار طور پر مر گیا۔ اور اس کی جگہ نصر بن سیار کو امیر خراسان بنا کر بھیجا گیا۔ نصر بن سیار کیلئے میدان ہموار ہو چکا تھا۔ لیکن یہ سکوت بظاہر تھا، لاوا اندر ہی اندر پک رہا تھا۔ نصر بن سیار نے نو مسلموں پر سے جزیہ معاف کر دیا اس سے موالی بظاہر خوش نظر آنے لگے لیکن اب عباسی پروپیگنڈہ کرنے والے کھل کر میدان میں آ گئے تھے۔ کیونکہ عراق پر خارجیوں نے حملہ کر دیا تھا۔ خلیفہ مروان ثانی ان سے نبرد آزما تھا۔ کہ دور افتادہ علاقوں میں عباسیوں نے اپنا کام تیز کر دیا۔ ابراہیم (عباسی راہنما) نے خراسان (موجودہ وسط ایشیا) میں ابو مسلم خراسانی، جو ایک نہایت ہی مدبر سیاست دان اور بہترین مقرر تھا کو "داعی اعظم" بنا کر بھیجا۔

ابو مسلم[1] نے آ کر حالات کا جائزہ لیا۔ حالات سازگار بلکہ ان کے حق میں تھے۔ حکم ملتے ہی مسلم خراسانی نے عباسیوں کے کالے جھنڈے کو بلند کر کے بغاوت کا اعلان کر دیا۔ آنکھ جھپکتے ہی لوگ جوق در جوق اس کے جھنڈے تلے جمع ہونا شروع ہو گئے۔ ہر طرف سے علم بغاوت بلند ہوا۔ خود نصر بن سیار کی آدمی انتظامیہ بھی باغیوں میں شامل ہو گئی۔ معمولی جھڑپ میں نصر بن سیار کے بہت سارے ساتھی کام آئے۔ اور نصر بن سیار نے بھاگ کر ایران میں پناہ لی۔ وہاں سے مروان ثانی کو لکھا "اگر آپ نے خراسان کی بغاوت پر توجہ نہ دی تو یہ عظیم خطرہ بن کر آپ کی حکومت کو ختم کر دے گی کیونکہ جو جذبہ اور ولولہ میں نے لوگوں میں دیکھا ہے وہ مجاہدین کے جذبہ جہاد سے کسی طرح کمتر نہیں" مروان ثانی ادھر خارجیوں سے اپنی جان نہ چھڑا سکا۔ جب بغاوت کو فرو کیا تو ادھر مسلم خراسانی کی افواج فتح پر فتح حاصل کر کے ایران سے عراق میں داخل ہو چکیں تھیں۔ مروان بے جگری سے لڑا، شکست کھائی پھر فوج اکٹھی کی، پھر لڑا آخر ۷۵۰ء میں دریائے ژوب کے کنارے لڑتا ہوا مارا گیا۔ دراصل یہ بغاوتیں اور تحریکیں دین اسلام کے خلاف نہ تھیں، بلکہ شیعہ، سنی، خارجی، اور غیر خارجی کے خلاف تھیں، انہیں مذہبی تحریکوں کا رنگ دے دیا گیا۔ دراصل ایک نظریے اور دوسرے نظریے کے درمیان جنگ تھی۔ لیکن جب اقتدار مظلوم عباسیوں کو ملا، تو انہوں نے ظلم اور استبداد کی حد کر دی۔ لوگوں کو اموی یاد آنے لگے۔ اہل بیت کے نام پر حکومت حاصل کرنے کے بعد اہل بیت پر وہ مظالم ڈھائے جو اموی نہ ڈھا سکے۔

---

(1) R. N. Frye - Frome Arab in Vasion to Mangol - Cambradge 1975 - P.230

یہاں تک کہ جب اہل بیتؑ(۱) کے عقیدت مندوں پر ان کا یہ روپ ظاہر ہونے لگا تو انہوں نے اہل بیت کی قبروں کی حفاظت کرنی شروع کردی۔

ایک تحقیق کے مطابق، جو محمد حسین نے "مزار شریف" نامی کتاب میں کی، مسلم خراسانی کے عقیدت مند اور حواری حضرت علی کے جسد مبارک کو چوری چھپے خراسان لے آئے اور دفن کردیا۔ آج کل بلخ کے اس پورے علاقے کو مزار شریف کا نام دیا گیا ہے۔ افغانستان کے اس مزار شریف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ دفن ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

تفصیل یوں ہے کہ دراصل حضرت عباسؓ کا بیٹا عبداللہ حضرت علیؓ کے طرفداروں میں سے تھا۔ لیکن کربلا کے سانحہ کے بعد وہ دل شکستہ ہو کر گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر کے وفات پا گیا۔ اسی طرح اس کے بیٹے علی نے بھی گوشہ نشینی کی زندگی گزاری علی کے بیٹے محمد کو ۷۳۶ء میں امامت ملی (بعض روایتوں کے مطابق ایسے ہی مشہور کردیا گیا کہ حضرت علیؓ کی غیر فاطمی اولاد ابو حنیفہ کے بیٹے ہاشم کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی انہوں نے مرنے سے پہلے امامت محمد بن علی کے حوالے کی) محمد بن علی نہایت زیرک اور خواہشات سے بھرپور جوان تھا۔ بنو عباس میں یہ پہلا شخص ہے جس نے اپنے لیے حکومت حاصل کرنے کے لئے بڑے منظم طریقے سے جدوجہد شروع کی۔ اس نے زبردست منصوبہ بندی کی۔ اس (محمد بن علی) نے بحر الکاہل کے قریب فلسطین کے حمامیہ نامی گاؤں میں اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا۔ یہ شام سے مکہ زیارت کے لیے واحد راستہ تھا۔

حمامیہ میں بظاہر تو محمد عباس گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا تھا، لیکن درپردہ وہ ایک بڑی منظم سازش کی منصوبہ بندی پر کام کر رہا تھا۔ اس نے یہاں سے اپنے پراسرار خفیہ ایجنٹ ملک کے کونے کونے میں روانہ کئے۔ تربیت یافتہ خفیہ ایجنٹ بڑی دوغلی پالیسی چلاتے تھے ان کا بظاہر پراپیگنڈہ یہ تھا کہ اہل بیت کے لئے ان کا حق غاصبوں سے لے کر دینا ہے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے، کہ عراق، ایران اور خراسان کے لوگ اہل بیت کو دل و جان سے چاہتے ہیں، اور انہی کے طرفدار ہیں۔ کیونکہ یہ علاقے اموی خلیفہ سے دور تھے۔ اس لئے بہت سارے اہل بیت اور اہل بیت کے ساتھی اور طرفدار ہجرت کر کے ان علاقوں میں آباد ہو گئے۔ بنو امیہ کی اقتصادی پالیسی نہایت ہی ناقص تھی جس کی وجہ سے رعایا نہایت ہی نالاں تھی۔ ٹیکسوں کا بوجھ اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ ٹیکس سے پیچھا چھڑانے کے

---

(۱) محمد حسین - "مزار شریف" - لاہور ۱۹۶۶ء - ص ۱۰۹

لئے مجبوراً دائرہ اسلام میں داخل ہو تا پڑتا تھا۔ اس پر بھی جذیہ ٹیکس معاف نہ ہوتا تھا۔ اس سے عوام میں بددلی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ عباسیوں کے پروپیگنڈے نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ لوگ کھلم کھلا اموی حکمرانوں کو غاصب کہنے لگے۔ عباسی خفیہ ایجنٹ لوگوں سے بیعت فاطمی امام کے نام پر لیتے۔ اس بیت کے ذریعے دراصل وہ بنو ہاشم کی خلافت کے لئے راہ ہموار کر رہے تھے۔ اسی دوران میں وہ اپنے معتمد ساتھیوں سے اپنے امام (عباسی امام محمد) کی بات کرتے۔

عوام ہمیشہ سادہ لوح ہوتے ہیں۔ فریب میں آجاتے ہیں۔ ہر ایک اپنا الو سیدھا کرتا ہے، عوام کو صرف استعمال کرتا ہے، عباسی پروپیگنڈہ ایجنٹ یہی کہتے کہ امامت علوی خاندان سے عباسی خاندان کو منتقل ہو چکی ہے۔ وہ یہ بات اپنے خاص کارندوں اور معتقدین سے کرتے باقی سب لوگوں سے یہی کہتے کہ ہم خلافت اہل بیت کے لئے حاصل کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔

عباسی امام محمد[1] ۷۴۴ء میں وفات پا گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا ابراہیم امام بنا۔ ابراہیم نے اپنے باپ کے مشن کو آگے بڑھایا۔ اور پراپیگنڈہ بڑے موثر طریقے سے تیزی سے پھیلتا گیا۔ یہاں تک کہ جب ۷۴۷ء میں خارجیوں نے عراق پر حملہ کیا تو ابراہیم نے ابو مسلم خراسانی کو اس پراسرار خفیہ تنظیم "داعی اعظم" (یعنی چیف پراپیگنڈہ انچارج) بنا کر فی الفور خراسان روانہ کیا۔ (یہاں ابو مسلم پہلے ہی بہت کام کر چکا تھا) یہ اس کا اپنا علاقہ تھا وہ اس کے چپے چپے سے واقف تھا، اس ذہین و زیرک اور شعلہ بیان مقرر نے خراسان پہنچتے ہی ۷۴۷ء[2] میں جب ماہ رمضان کی ۲۷ تاریخ تھی عباسیوں کے سیاہ جھنڈے کو بطور علم بلند کیا۔

میدان پہلے سے ہی کافی ہموار ہو چکا تھا، تھوڑے ہی عرصے میں اکثریت ابو مسلم خراسانی کے جھنڈے تلے جمع ہو گئی اسی طرح یہ بغاوت قریہ قریہ، شہر شہر پھیل گئی۔ نصر بن سیار گورنر خراسان نے عوام کا جب یہ امڈتا سیلاب دیکھا۔ تو سراسیمگی میں معمولی جھڑپ کے بعد ایران کی طرف بھاگا۔ خلیفہ مروان کو اس عظیم طوفان کے خطرے سے آگاہ کیا۔ لیکن وہ کیا کر سکتا تھا، وہ خود خارجیوں سے برسرپیکار تھا۔ ابو مسلم کی فوجوں نے فتح کے پرچم بلند کئے ہوئے ایران تک اسی کا تعاقب کیا اور قتل کر دیا اور آگے بڑھتی گئیں۔

---

(۱) عزیز الدین - الکامل فی تاریخ - اردو - لاہور ۱۹۳۳ء - ص ۱۷۷

(۲) عجیب اتفاق ہے ۲۷ رمضان ۱۹۴۷ء کو پاکستان بنا۔ اور اسی طرح ۷۴۷ء میں اسی تاریخ کو عباسیوں کی سلطنت کی داغ بیل پڑی۔

ادھر خلیفہ مروان ثانی کو علم ہو گیا، کہ اس سازش کا سرغنہ فلسطین میں بیٹھا ہے۔ ابراہیم ۷۴۸ء میں گرفتار ہو کر پیش ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ وہ گرفتار ہوتے وقت اپنے انجام سے بے خبر نہ تھا۔ اس نے اپنے بھائی ابوالعباس کو خلیفہ نامزد کیا۔ ابوالعباس روپوش ہو گیا۔ جب ۷۴۹ء میں ابو مسلم خراسانی کی فاتح افواج کوفہ میں داخل ہوئیں تو ابوالعباس اپنی پناہ گاہ سے باہر آگیا۔ اور خلیفہ نامزد ہوا۔

بابک خرمی کی تحریک

اس تحریک میں مذہب کو اقتدار کے حصول کے لئے استعمال کیا گیا، ترکوں اور سغدیوں نے تو (اسلام کے خلاف کم) عرب مسلمانوں کے خلاف زبردست تحریکیں چلائیں۔ گرچہ ان کو شکست ہوئی، لیکن ان میں قومی بیداری پیدا ہوئی اور حکمرانوں کو اپنے اعمال پر غور کرنا پڑا۔ ۲۰۱ ہجری میں بابک خرمی کی تحریک مذہب اسلام کے خلاف شروع ہوئی۔ بابک دراصل مزدک (پہلا سوشلزم پیش کرنے والا) کی تعلیمات اور زرتشتی تعلیمات سے متاثر تھا۔ وسط ایشیا کے لوگوں میں پہلے ہی سے مزدکی، زرتشتی اور مانی مذہب کے پیروکاروں کی تعداد زیادہ تھی، اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے بہت سی رسوم اور عقائد کو نہیں چھوڑا، بابک نے جب اپنی تعلیمات پیش کیں تو وقتی طور پر کامیاب رہا۔ اس کا ہیڈ کوارٹر آذربائیجان تھا، اس نے کم از کم ایک لاکھ مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا۔ آخر خلیفہ مامون الرشید نے ۲۲۳ء میں اسے شکست دے کر قتل کر دیا۔ اس کے بہت سے پیروکار زیر زمین چلے گئے۔ اور لوگوں میں بددلی پھیلاتے رہے۔ آخر بابک کی ۲۲ سالہ تبلیغ کا کچھ تو اثر رہنا تھا۔

ان سب خلاف مذہب تحریکوں میں المقنع (المو قینعہ) یعنی نقاب پوش تحریک بہت کامیاب رہی۔ المقنع کا اصلی نام ہاشم بن حاکم تھا۔ یہ مسلمان عربوں کے پہلے ہیڈ کوارٹر "مرو" میں پیدا ہوا۔ اور یہیں تعلیم و تربیت پا کر جوان ہوا۔ خراسان کا یہ نقاب پوش "پیغمبر" ابو مسلم خراسانی کا کاتب خاص (سیکرٹری) تھا۔ ابو مسلم خراسانی سے کافی کچھ سیکھ چکا تھا۔ عباسیوں کی دوغلی پالیسیوں اور دوغلی شخصیتوں نے خراسان اور وسط ایشیا کے نو مسلموں کے دلوں میں اسلام کے خلاف ایک نفرت پیدا کر دی تھی۔

کیونکہ ان لوگوں تک اسلام انہیں کے ذریعے پہنچا تھا، ان کا کردار و اخلاق ایسا تھا کہ امویوں سے کیا گلہ ! یہاں قدیم مذاہب زرتشتی، مانی اور مزدکی کا کافی زور رہا تھا اسلام کی آمد سے قدرے ان میں کمی ہوئی تھی۔ مگر یہ لوگ مکمل طور پر ختم نہیں ہوئے۔ دوسرا یہ کہ عرب مسلمانوں نے جو اپنے ذاتی کردار سے لوگوں کے دلوں نفرت پیدا کر دی اس نے زندیقہ جیسی تحریکوں کو جنم دیا اسلام سے منحرف لوگوں کو زندیق کے نام سے پکارا جانے لگا ان زندیقیوں کے عقائد زرتشتی، مانی، اور مزدک کی تعلیمات کا خلاصہ تھے۔ المقنع جو نہایت ذہین تھا اچھا عالم تھا، اسلامی تعلیمات کے علاوہ اسے دیگر مذہبی علوم زرتشتی مزدکی اور مانی مذاہب جو وسط ایشیا کے قدیم مذاہب تھے پر بھی دسترس حاصل تھی مانی ازم مشرقی ترکستان کا بارہویں صدی تک سرکاری مذہب رہا ہے۔ اس نے ان تمام تعلیمات کا نچوڑ نکال کر اپنے ایک الگ مذہب کا اعلان کر دیا۔ کیونکہ یہ ھندومت اور بدھ مت سے بھی واقف تھا اس لئے اس نے ان کی بھی اچھی مرغوب و راغب کرنے والی باتیں اپنی مذہبی تعلیمات میں شامل کر لیں۔ تصوف کا حسن بن صبا کے بعد المقنع نے خوب تمسخر اڑایا ہے۔ جزو کل کے فلسفہ کو لیکر اس نے یہ کہا کہ مقدس انسان زمین پر اللہ کی روح کا ایک حصہ ہے۔ یہ مقدس روح صرف خاص انسانوں کی شکل میں آتی ہے یعنی خدا خاص انسانوں کی شکل میں آکر لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔ ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ اور یہ مقدس روح پھر ایک اچھے انسان سے دوسرے اچھے انسان میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اور خدا کی ہدایت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ سب سے پہلے خدا کی روح آدم علیہ السلام میں آئی۔ پھر نوع میں الغرض ابومسلم خراسانی کے بعد اب مجھ میں آئی ہے۔ اور میرے بعد میرے مقربین میں سے کسی میں منتقل ہو جائیگی۔

اس کی تعلیات میں ہر طبقہ اور ہر مکتبہ فکر کے لئے دلچسپی کے سامان کے علاوہ تسکین کا سامان بھی موجود تھا۔ خاص طور پر جوانوں کے لئے تو بڑی کشش تھی۔ باہمی رضامندی سے کوئی بھی گناہ اگر کیا جائے وہ گناہ نہیں لیکن جب دوسرے کی مرضی شامل نہ ہو تو گناہ اور جرم ہے۔ شادی، دو مخالف جسموں کا اختلاط ہے۔ جب تک اکٹھے رہیں، شادی ہے۔ کسی قاضی، ملا وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ شادی، جب چاہیں جتنی کی استعداد ہو کر سکتے ہیں، کفالت شرط ہے اسی طرح ہر قسم کی جنسی آزادی تھی۔ زمین کی تقسیم، سوشلزم کی تعلیمات کے مطابق تھی جس کا درس مزدک نے دیا تھا۔

یہ بہت باکمال شخص تھا۔ کئی معجزے کر کے دکھاتا تھا۔ اس کا سب سے بڑا معجزہ مرو کے قریب " نخشب " میں ایک کنویں سے شام کے وقت چاند نکالنا تھا۔ اس چاند کی روشنی چالیس میل تک کے علاقے کو منور کرتی تھی۔ یہ چاند شام کو نکلتا اور صبح کو اس کنویں میں واپس چلا جاتا۔ یہ کمالات دیکھ کر لوگ اس پر دھڑا دھڑ ایمان لے آتے۔ اس کو کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے وسیع حرم میں سے کس بیوی کو بھی یہ شرف حاصل نہیں تھا کہ اس کی شکل دیکھ سکے۔ ہمیشہ نقاب میں رہتا تھا۔ اس کی وجہ یہ بتاتا تھا، کہ جس طرح خدا کے نور کو کوئی نہیں دیکھ سکتا موسیٰ کی طرح اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ اس طرح مجھے دیکھنے سے آپ لوگوں کی بھی کچھ ایسی ہی حالت ہو سکتی ہے۔ اس نے ایک عظیم لشکر اکٹھا کر رکھا تھا۔ اور اس کے لشکری اس کے عقیدت مند سپاہی تھے۔ وہ دل و جان سے اس کی خدمت کرتے اور وقت پڑنے پر تن من دھن سب کچھ قربان کر دینے کیلئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ آہستہ آہستہ وسط ایشیا کا بیشتر علاقہ اس کے زیر نگیں آگیا۔ اور یہ دس سال تک بڑی مطلق العنانی سے حکومت کرتا رہا اور عباسی خلفاء کی بغداد سے بھیجی گئی افواج کو بارہا شکست فاش دیتا رہا۔

آخر خلیفہ مہدی جو یہاں وسط ایشیا میں کافی عرصہ رہ چکا تھا۔ ان زندیقوں سے خوب واقف تھا، ان کی تعلیمات سے بھی اسے آگاہی تھی۔ کو اس تحریک کو کچلنے کے لئے اسے بڑی منصوبہ بندی کرنی پڑی۔ اس نے اپنے داعی اور ایجنٹ سوداگروں کے بھیس میں یہاں بھیجے۔ حالات معلوم کیے۔ جو ساتھ ساتھ زندیقوں کی غیر اخلاقی تعلیمات پر نکتہ چینی کرتے تھے۔ وہ خاص طور پر بڑی عمر کے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب ہوتے۔ اس نے اس تحریک کو کچلنے کے لئے بے تحاشا رقم خرچ کی۔ اور لوگوں میں مال وزر تقسیم کرنے اور اپنی طرف گانٹھنے کا کام خلیفہ مہدی نے ترکوں اور تاجکوں سے جو اسکی ملازمت میں تھے، وسط ایشیا بجھوا کر لیا۔

جب حالات ان کے حق میں سازگار ہو گئے تو خلیفہ نے میصیب کو اسی ہزار کا ایک لشکر جرار دے کر المقنع کے خلاف بھیجا۔ المقنع اور اس کے حواری جو کئی بار خلیفہ کی فوجوں کو شکست دے چکے تھے بڑی بے جگری سے لڑے، لیکن شکست ان کا مقدر ہو چکی تھی، آخر ۷۸۴ء میں المقنع کا مضبوط قلعہ بھی فتح ہو گیا۔ لیکن المقنع مع اپنے وسیع حرم کے غائب ہو گیا تھا۔ بعض

کی رائے یہ ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ ہی آگ میں کود کر ختم ہو گیا۔ اور بعض کی رائے ہے، کہ وہ کہیں روپوش ہو گیا لیکن اس کے حواریوں اور عقیدت مندوں کی بڑی تعداد جو زیر زمین چلی گئی اور پس پردہ رہ کر اس کے مشن کیلئے کام کرنے لگی، نے مشہور کیا کہ المقنع زندہ ہے واپس آئے گا۔ اور اپنے مشن کو آگے بڑھائے گا۔ جس طرح انسانی آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی اس طرح انسانی ہاتھ اسے اس کی مرضی کے خلاف چھو نہیں سکتے۔ ان لوگوں کی سرگرمیاں جاری رہیں۔ جن کو سرکاری ریکارڈ میں زندیق کہا گیا۔

خلیفہ[1] مہدی نے ایک محکمہ قائم کیا جس کا نام زندیقہ رکھا اس محکمہ کا کام ہی صرف اور صرف المقنع کے پیروکاروں کو ختم کرنا تھا۔ خلیفہ کا حکم تھا کہ جہاں یہ ملیں وہیں ختم کر دو۔ اس میں بہت سے بے گناہ بھی قتل ہوئے، بڑی تعداد میں المقنع کے حواری (زندیق) مارے گئے۔ کچھ روپوش ہو گئے۔ اور کچھ دوسرے علاقوں کی طرف بھاگ گئے۔ عراق اور ایران میں بھی اس کے بہت سارے عقیدت مند موجود تھے۔ لیکن ان کا مضبوط قلعہ وسط ایشیا ہی تھا۔ جہاں سے ان کی بیخ کنی کی گئی۔

قرامطہ کی خونیں تحریک[2]

قرامطہ اسماعیلیوں کا ایک فرقہ تھا جس کا موسس اعلیٰ ربانی ہمدان کوفی تھا۔ اس نے اپنی تحریک کا مرکز بجائے کوفہ کے ایران و خراسان میں قائم کیا۔ کیونکہ جس قدر "مرکز" حکومت سے دور ہو گا اتنی ہی آسانی کے ساتھ تحریک کامیاب ہو گی۔ کیونکہ اس دور میں ذرائع آمد و رفت اتنے تیز، ترقی یافتہ اور زیادہ نہ تھے۔ ہمدان کی کنیت قرامط تھی۔ بعض روایات کے مطابق یہ بہت پست قد، آدمی تھا۔ اسلئے اسے قرامط کہتے تھے۔ اور بعض نے قرامط اس کے فطین ہونے کی وجہ سے بیان کیا بہر حال لوگ اس کو قرامطا اور اس کے ساتھیوں کو قرامطہ کہتے تھے۔

۸۹۰ء سے ۹۰۰ء تک ان قرامطوں نے ایران، عراق اور خراسان میں ایک تہلکہ مچائے رکھا۔ ان کے خوف سے بڑے بڑے بادشاہ تخت پر بیٹھے لرزہ براندام رہتے تھے۔ اس کی تعلیمات مزدک کی تعلیمات کا ماحصل تھیں۔ عراق اور خراسان کے کاشتکار، زمیندار اور غلام عباسی جاگیرداروں اور سرداروں کے ظلم و ستم کا شکار تھے۔ استحصال نے انہیں انتہائی غربت اور پسماندگی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان مفلوک الحال اور بے یار و مددگار لوگوں کے پاس قرامطہ کے فدائی اور داعی یہ پیغام لے کر جاتے

---

(۱) شفق زادہ - تاریخ ایران - تہران - ۱۹۴۲ء - ص ۲۲۸

(2) Gibb - The Arab Conquest of Central Asia - New York - 1970 - P.272

کہ ان کا پوشیدہ امام[1] اسماعیل عنقریب رونما ہونے والا ہے۔ وہ ان کے تمام دکھوں کا فوری مداوہ کر دے گا۔ ہر ایک زمین، زن اور زر کا مالک ہو گا۔ ہر طرف خوشی وخوشحالی کا دور دورہ ہو گا۔ ان امراء ورؤسا کی تمام دولت وجائیداد غریبوں میں تقسیم ہو گی۔ اور ان کے مظالم کی ان کو سزا ملے گی۔ ان باتوں سے قرامطہ نے لوگوں کو خاص کر غریب عوام کے دل موہ لئے اور سب نے اس کی آواز پر لبیک کہا۔ اس کی سرگرمیاں جب ایران، خراسان سے پھیلتے پھیلتے بغداد تک پہنچیں تو خلیفہ نے کوفہ کے گورنر کو اس کی سرکوبی کیلئے لکھا۔ اس نے نہایت ہی ہوشیاری سے اسے دعوت دی اچھا استقبال کیا اور گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ کیونکہ اس کی تعلیمات کے اثر اور عبادت کی کثرت کی وجہ سے لوگوں نے کام چھوڑ دیا تھا۔ ملک کی معیشت پر برا اثر پڑنے لگا تھا۔ کاشتکاروں اور دہقانوں نے کام کاج چھوڑ دیا تھا۔ اور عبادت میں مشغول رہنے لگے تھے۔ کھیتی باڑی ختم ہو گئی تھی۔ قحط سالی تک نوبت آگئی تھی لیکن گورنر کوفہ ہیصم پھر بھی اسے خدا رسیدہ سمجھ کر گرفتار کرنے سے پہلو تہی کرتا تھا۔ لیکن جب خلیفہ کا حکم ہوا تو اسے گرفتار کیا۔

یاد رہے کہ ہمدان قرام اس قدر زھد و تقویٰ کی تشہیر کرتا تھا کہ لوگ اس کے فریب میں آجاتے تھے۔ اس نے اپنے پیروں پر بھی پچاس نمازیں فرض کیں اس طرح انہیں دنیاوی کاروبار میں حصہ لینے کے قابل نہیں چھوڑا۔ قید خانہ میں بھی وہ اسی طرح دن رات عبادات میں مشغول رہتا۔ گورنر ہیصم کی کنیز خاص بڑی متاثر ہوئی اور رحم کھا کر اسے قید خانے سے بھاگنے میں مدد دی۔ اس طرح رہائی پانے کے عمل کو اس نے اپنا معجزہ قرار دے دیا۔ مریدوں اور پیروکاروں کیلئے تو وہ پہلے ہی بڑا ہر دلعزیز تھا، اب عوام بھی اس کے معجزے سے متاثر ہو کر بے دریغ اس کی تحریک میں شامل ہونے لگے۔

جیل سے نکلنے کے بعد قرامط زیادہ خطرناک ہو گیا۔ اور حکومت کیلئے امن عامہ کا بڑا مسئلہ پیدا کر دیا۔ اور لوٹ مار شروع کر دی۔ اتفاق سے حج کا موسم تھا وہ حاجیوں کے قافلوں کو لوٹتا رہا، اور حاجیوں کو بے دریغ قتل کرتا رہا۔ جب قوت حاصل کر لی، تو مکہ پر چڑھائی کر دی، یہاں شہر کو خوب لوٹا۔ خانہ خدا کو لوٹا یہاں تک کہ خانہ کعبہ کا دروازہ اکھاڑہ۔ حجر اسود کو اپنے مقام سے اکھاڑہ اور حج اور حاجیوں کا تمسخر اڑاتا رہا۔ قرامطیوں کا زور اس قدر بڑھا کہ دور دراز علاقوں میں انہوں نے اپنی حکومتیں قائم کیں۔ برصغیر میں بہاول پور، ملتان، اور سندھ میں ان کی حکومتیں تھیں۔ جن میں اچھے صاحب علم و دانشور بادشاہ بھی ہو گزرے ہیں۔ جیسے

---

(۱) ڈاکٹر علی یوحنوالی - تاریخ تمدن اسلام - فارسی - کابل ۱۹۵۲ء - ص ۲۱۸

قطب الدین قباچہ وغیرہ۔ ان کی حکومت برصغیر میں پہلے سلطان محمود غزنوی نے اور پھر شہاب الدین غوری نے ختم کی۔ کیونکہ جب تک ان کا اقتدار رہا، انہوں نے ہمیشہ حاجیوں کے قافلوں کو لوٹا اور حجاج کو بے دریغ قتل کیا۔ یمن پر ایک صدی حکومت کی۔ حمدان اور قرامطہ نے شروع میں اپنی امت پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ جب اقتدار میں آیا اور افرادی قوت کی ضرورت خود اسے پڑی تو نمازیں ۵۰ کی بجائے گھٹ کر دن رات میں صرف چار رکعتیں رہ گئیں۔ دو رکعت صبح دو شام۔ یا دونوں اکٹھی بھی پڑھنے کی اجازت تھی۔

قرامطی[1] احمد بن محمد بن حنفیہ کو اللہ کا رسول سمجھتے تھے۔ انہوں نے بجائے کعبہ کے بیت المقدس اپنا قبلہ قرار دے دیا تھا۔ اس لئے خانہ کعبہ کو بے در کر دیا۔ حمدان حاجیوں کو لوٹتا اور قتل کرتا رہا۔ اس نے سال میں صرف دو روزے فرض کئے۔ شراب کو حلال قرار دے دیا۔ یہ مذدک (پہلا سوشلسٹ) کو بھی پیغمبر مانتے تھے۔ یہ نجی جائیداد کے قائل نہ تھے۔ یہاں تک کہ عورت کو بھی عوامی جائیداد ہی تصور کرتے تھے۔ ۸۶۹ء سے ۸۸۳ء تک غلامی سے بغاوت رہی۔ اس میں حبشی غلام پیش پیش تھے۔ خطرہ تھا کہ قرامطہ اگر ان غلام باغیوں سے مل گئے تو پھر انہیں شکست دینا مشکل ہو گا۔ عباسیوں کی حکمت عملی یہاں کام آئی اور انہیں ملنے نہ دیا۔ اور عباسیوں کیلئے وقتی طور پر ایک خطرہ ٹل گیا۔

۹۰۰ء میں قرامطہ نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ ہمدان قرامطہ کی موت کے بعد "ذکراوع" قرامطہ کا رہنما بنا تو اس نے نہایت بے جگری سے خلیفہ کی افواج کا مقابلہ کیا انہیں شکست دی۔ عراق اور شام کو فتح کیا، اور یہ وقتی طور پر بغداد کیلئے عظیم خطرہ بن گئے۔ ایسا لگتا تھا کہ بغداد بھی ان کے آگے جھک جائے گا۔ کیونکہ انہوں نے دمشق پر قبضہ کر لیا۔ لیکن عباسیوں کی حکمت عملی اور ڈپلومیسی کارگر ثابت ہوئی۔ قرامطہ کو شکست ہوئی اور شام کا علاقہ انہیں خالی کرنا پڑا۔ اس لڑائی میں قرامطہ کا رہنما "ذکراوع" اور اس کا لڑکا گرفتار ہوئے۔ قرامطہ نے "ابو سعید جنابی" کو اپنا رہنما چن لیا، یہ نہایت ہی بہادر اور دلیر شخص تھا۔ لیکن اس کی قسمت اچھی نہیں تھی۔ عراق پر حملے کے دوران جوش میں اس قدر آگے بڑھ گیا۔ کہ دشمن کے نرغے میں آ کر مارا گیا۔ لیکن اس کے بیٹے "ابو طاہر" نے کمان سنبھال لی اور بہادری کے جوہر دکھائے، عراق کو زیر نگیں کیا اور بصرہ پر قبضہ کر لیا حج کے دنوں میں

---

(۱) جان ناس ترجمہ فارسی علی اصغر حکمت - نیویارک ۱۹۴۹ء - ص ۱۳۲

حسب دستور حاجیوں کو لوٹا، اور خانہ کعبہ پر حملہ کیا، اور وہاں بچے کچے لوگوں کو تنبیہ کی کہ آئندہ حج کیلئے خانہ کعبہ کی بجائے بیت المقدس کا رخ کریں۔ وہیں صحیح حج ہوگا۔

ان کی حکومت[1] عباسی حکومت کے ساتھ ساتھ ایک صدی تک چلتی رہی۔ لیکن ابو طاہر کے بعد ان کو کوئی اچھا رہنما نہ ملا۔ نئی نئی طاقتیں انہی علاقوں میں مختلف سرداروں کی زیر نگرانی ابھرنے لگیں۔ قرامطہ پس پردہ جانے لگے۔ گیارہویں صدی عیسوی میں اس عقیدے سے منسلک تمام قوتوں کو چاہے وہ مصر میں تھیں یا افریقہ میں، سپین میں یا ہندوستان میں زوال پذیر ہوئیں۔ مصر میں نور الدین زنگی اور صلاح الدین نے ان کا قلع قمع کیا۔ سندھ اور ملتان، وغیرہ میں سلطان محمود غزنوی اور بعد میں سلطان شہاب الدین غوری نے ان کا خاتمہ کیا۔ لیکن آخری ضرب ۱۲۵۷ء میں ہلاکو خاں نے ان کے شیخ الجبال روحانی پیشوا، بادشاہ قطب الدین اور اس کے ساتھیوں کو قلعہ الموت کو مسمار کر کے لگائی اور ان کی طاقت کو ہمیشہ کیلئے ختم کیا۔ اس کے بعد ان کی کہیں بھی حکومت قائم نہ ہوئی انہوں نے بعض اچھے کام بھی کئے۔ الاظہر یونیورسٹی قائم کی جس کا فیض علم و فضل آج بھی جاری ہے۔ اچھے کتب خانے قائم کئے۔ تعلیم کی طرف خاص توجہ دی۔ ان اسماعیلیوں نے پاکستان کے قیام اور استحکام میں بھی کافی مدد دی۔

---

(۱) جان ناس - تاریخ جامع ایران - ص ۱۴۷

باب چہارم

وسط ایشیا کے صوفی سلسلے اور ان کا اسلام کے فروغ میں کردار

صوفی ازم

سر ولیم[1] جون نے صوفی کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ صوفی فنافی اللہ ہوتا ہے۔ انسان کی روح، کل روح یعنی خدا کا ایک حصہ ہے۔ گرچہ یہ روح مختلف ٹکڑوں حصوں اور جگہوں میں تقسیم ہو کر آخر کار اپنی آسمانی روح یعنی بڑی روح کے ساتھ مل کر ایک ہو جاتی ہے۔ بقول غالب

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

مختصر یہ کہ انسان دریا کا ایک قطرہ ہے اور قطرہ دریا کا دریا میں فنا ہوتا ہے، یعنی جزو کل سے مل جاتا ہے۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا (غالب)

احمد ندیم قاسمی نے کہا ہے۔

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا
میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا

جب جزو کل سے ملتا ہے تو اس سے خوشی وجود میں آتی ہے۔ انسان دنیا میں تو ہوتا ہے۔ لیکن دنیا کا طلبگار نہیں ہوتا۔ یہ اپنا تعلق اوپر جوڑ لیتا ہے۔ دنیا سے تعلق توڑ لیتا ہے۔ اور قلندرانہ منزل میں داخل ہو جاتا ہے۔

صوفی، ابتداء میں شریعت ہی کے ذریعے طریقت تک پہنچتا ہے۔ شروع میں شریعت کا پابند ہوتا ہے، اس میں اتنا محو ہو جاتا ہے کہ پھر کسی چیز کا ہوش نہیں رہتا۔ خدا سے اس قدر رابطہ ہو جاتا ہے کہ بعض سے پانچ وقت کی نماز بظاہر چھوٹ جاتی ہے

---

(1) Sir William John - "The Doctrine of the Sufi" - London 1956 - P. 120-21

کیونکہ وہ کہتا ہے کہ نماز کا مقصد خدا کی اطاعت کرنا ہے اس کا ذکر کرنا ہے۔ سو وہ تو دن رات کرتا رہتا ہوں۔ ورد جاری رہتا ہے۔ لیکن بظاہر رکوع و سجود کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے ان کا روزہ ہمارے روزوں سے مختلف ہو جاتا ہے۔ دن رات میں کسی وقت وہ کچھ کھالیتا اور کہتا ہے روزے کا مقصد تزکیہ نفس ہوتا ہے۔ سو وہ تو ہمارہ ہوتا ہی ہے۔ زکوۃ کا ظاہری سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں بظاہر تو صرف ڈھائی فی صد دینا پڑتا ہے جب کہ صوفی سب کچھ خدا کی راہ میں لٹا چکا ہوتا ہے۔ یہ حج کرنے نہیں جاتا کیونکہ صوفی آنکھ بند کرتا ہے تو طواف شروع ہو جاتا ہے۔

طواف رابعہ بصری کو خود گیا کعبہ
یہ شان رکھتے ہیں دنیا میں مصطفےٰ والے

ان اہل طریقت کی باتیں الہام کی باتیں ہوتی ہیں۔ شریعت و طریقت کا جھگڑا مٹ جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ سے ناطہ جوڑے رھتے ہیں۔ یہ باطن میں سب کچھ کرتے ہیں۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں (اقبال)

یہاں تو بند آنکھوں سے سب کچھ دکھائی دیتا ہے۔ بقول جگر مراد آبادی

اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے
تصویر کے دورخ ہیں۔ ایک رخ رخ جاناں ہے ایک رخ درجاناں ہے۔

تصوف میں عشق لازمی جزو ہے۔ بغیر عشق کے کچھ حاصل نہیں پیر جب کبھی بھی مرید کی بیعت قبول کرتا ہے تو اسے عشق کی تلقین کرتا ہے۔ عشق مجازی سے جب اس کا دل و دماغ موم ہو جاتا ہے تو پھر اسے جدھر چاہے موڑا جاسکتا ہے۔ پھر پیر کامل مرید کا رخ عشق مجازی سے عشق حقیقی کی طرف موڑ دیتا ہے۔

صوفی مسلک کسی نہ کسی شکل میں دنیا کے ہر خطہ میں پایا جاتا ہے، سر جان مالکم کہتا ہے کہ یہ یونان کے شاندار قدیم

مکتبہ فکر کے علاوہ یورپ کے جدید فلسفہ کا بھی حصہ ہے۔ لفظ صوفی فارسی زبان کے لفظ صافی سے ماخذ ہے، جس کا مطلب خاص اور پاک ہوتا ہے۔ اس مسلک کے پیروکار درویش و فقیر پوشاک و خوراک سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ صرف زندہ رہنے کیلئے کچھ مل گیا تو کھالیا۔ لیکن ہمہ وقت انسانیت کی خدمت ان کا شعار رہتا ہے۔ یہ حق کے متلاشی ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک جو چیز نظر آتی ہے وہ نہیں ہے وہ صرف حد نظر ہے۔ جو ہے نہیں جو تھا نہ ہوگا۔ اس قسم کے ان کے نظریات میں ان کے نزدیک عالم تمام حلقہ دام خیال ہے۔

ہاں کھائیو مت فریب ہستی

ہر چند کہیں "ہے" نہیں ہے (غالب)

یہ[1] مادی اشیاء مادی دنیا میں جو نظر آرہی ہیں نظر کا دھوکا ہے۔ اصل اللہ کا نور ہے جو ہر طرف جلوہ گر ہے۔ ہر جا موجود ہے اللہ۔ خدا کا ہر چیز میں ظہور ہے۔ اور ہر طرف اس کا نور ہے۔ سورج کی شعائیں اس کے نور کا پرتو ہیں۔ تمام ذی روح اجسام میں جو روح ہے وہ خدا کی طرف سے نہیں ہے بلکہ خدا کی ہے۔ صوفیا کے نزدیک انسان کو چار منازل سے گزرنا پڑتا ہے۔ عالم ناسوت، عالم جبروت، عالم معرفت اور عالم حقیقت۔ یہ صفات الٰہی ہیں۔

پہلی منزل - عالم ناسوت میں مرید (شاگرد) کو شریعت کا مکمل طور پر پابند ہونا لازمی ہوتا ہے۔ اس سے ایک بے مقصد انسان کو ایک ڈگر پر لا کھڑا کرنا مقصود ہوتا ہے۔

دوسری منزل جس میں مرید قوت حاصل کرتا ہے، اور وہ اس راستے پر چل نکلتا ہے جسے طریقت کہتے ہیں۔ اور اس حالت سے نکل آتا ہے جس میں وہ اس منزل کی طرف بڑھا تھا۔ یہاں وہ اپنے مرشد کی تحسین و آفرین کا اہل ہو جاتا ہے اور یہی راہ تصوف کی راہ ہے۔ یہاں وہ قلندرانہ منزل میں داخل ہو جاتا ہے۔ جس کا ذکر سطور بالا میں ہو چکا ہے۔ وہ تمام ظاہری مذہبی رسوم وعبادات چھوڑ کر روحانی رابطہ کی عبادت میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ منزل صد درجہ پاکیزگی۔ صفات و کمالات کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

تیسری منزل عالم معرفت کی ہے یہاں ہر مرید کو علم حاصل ہو جاتا ہے۔ ماوراالعقل علم و دانش کی منزل پر جب انسان پہنچتا ہے تو اس کا درجہ فرشتوں کے برابر ہو جاتا ہے۔

---

(1) Farid-ud-Din Attar - Tadhkara Tul Auliya - Lahore. 1975 -P-79

(Translated by - Dr. Bankey Bhari)

چوتھی اور آخری منزل عالم حقیقت کی ہے ۔ یہاں صوفی حق کو پالیتا ہے یہاں جزو کل سے مل جاتا ہے ۔ بعض برداشت نہیں کر پاتے اور مست ہو کر نعرہ لگا دیتے ہیں ۔ "انا الحق" اور سولی پر چڑھ جاتے ہیں ۔ یہاں صوفی اپنی ذات سے انکار کر دیتا ہے ۔ اس کا وجود وارادہ ختم ہو جاتا ہے ۔ عبادت کس کی کرے ۔ اپنی ذات کی ۔ کیونکہ یہ تو فنافی اللہ ہو چکا ہوتا ہے ۔

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے (غالب)

خدا نور ہے اور یہ عالم اس نور کا پرتو ہے ، یہ جو کچھ نظر آ رہا ہے نظر کا دھوکا ہے ۔ یہ جو کچھ دکھائی دیتا ہے جسے ہمارے حواس خمسہ محسوس کرتے ہیں دراصل کچھ بھی نہیں ہے ۔

صوفیا کا یہ نعرہ ہے کہ ہم اللہ کی طرف سے آتے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے خدا سے جدائی سب تکالیف و مصائب کا باعث بنی ہے ۔

آدم کو خدا مت کہو آدم خدا نہیں
لیکن خدا کے نور سے آدم جدا نہیں

لیکن صوفیا ۔ پھر بھی ماننے کو تیار نہیں کہ ان کی روح خدا سے جدا ہو کر اس دنیا میں آتی ہے ۔ یہ مانتے ہیں کہ آتی ہے لیکن جدا نہیں رابطہ قائم ہے ۔

لائی حیات آئے ، قضا لے چلی ، چلے
اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے (ذوق)

تصوف کو فلسفہ سے زیادہ گھمبیر بنا دیا گیا ہے ۔ غالب نے اسے خوب اجاگر کیا ہے ۔

اصل شہود وشاہد و مشہود ایک ہے
حیران ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

"جان ھنٹ" اسلامی تصوف پر معترض ہے اور کہتا ہے کہ ایک طرف تو یہ کہا جارہا ہے کہ تمام کائنات اس نے بنائی ہے۔ وہ خالق ہے باقی مخلوق۔ اور دوسری جگہ خدا کی وحدت اور خالقیت کو ایک منور روح تک محدود کیا جاتا ہے؟

جزو کا کل میں دوبارہ جاملنا ہی صوفیاء کا مقصود ہے اور وہ اس منزل کو چار منزلوں سے گزر کر پالیتے ہیں، یعنی (۱) شریعت (۲) طریقت (۳) معرفت (۴) حقیقت

قطرہ میں دجلہ، جزو میں کل دیکھنے کے لئے صرف ظاہری آنکھ ہی کافی نہیں اس کے لئے اللہ سے دل بینا کی طلب ضروری ہے کیونکہ آنکھ کا نور یہ کچھ صحیح نہیں دکھاسکتا۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

صرف خدا ہی خدا ہے، وہ سب میں موجود ہے اور سب اس میں موجود ہیں۔

تصوف کے آغاز وارتقاء کے متعلق مختلف نظریے پیش کیے گئے ہیں یہاں تک کہ خود کلمہ تصوف کے متعلق بھی شدید اختلاف رائے موجود ہے ایک رائے یہ ہے کہ اس کا مادہ صوف ہے۔ صوفی پشمینہ پوش ہوتے ہیں۔ یعنی صوف کا لباس پہنتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تصوف کو ارباب صفہ سے نسبت ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ تصوف، صفا سے مشتق ہے کہ صوفی تزکیہ نفس یعنی صفائے باطن پر بہت زور دیتے ہیں۔ ملک القرا بیگ نے ابوریحان البیرونی کے اس نظریے کی تصدیق کی ہے کہ یونانی زبان میں صوف کے معنی حکمت کے ہیں اور اس کا مادہ فیسوف یعنی حکیم اور علم کا متوالا ہے سعید نفیسی اور رشید یاسمی بھی اس

نظریے کے موید ہیں۔ جو قرین قیاس ہے۔

علامہ شبلی تاریخ ماخذ الفاظ میں کلمہ Sophisticated کے تحت لکھتے ہیں کہ اس کلمہ کا مادہ سوفس ہے۔ جس کے معنی دانشمند کے ہیں۔ سوفیہ، خرد اور دانش کو کہتے ہے، لیکن بحث کرتے ہوئے شبلی آخر میں لکھتے ہیں اس کلمہ کے مادہ کو صوفی کے مادہ صوف سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کہ وہ صوف اور چیز ہے یعنی پشمینہ، صوفی مرد پشمینہ پوش کو کہتے ہیں۔

یہ صرف مفروضے ہیں، اصل بات یوں ہے کہ تصوف حقیقت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم، اصحاب صفہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ سے منسوب ہے اور انہیں کے اعمال کی تقلید، تشریح اور اقوال کی توجیہ ہے اور خود اکابر صوفیہ کا کم و بیش یہی عقیدہ ہے۔ تصوف کے مبداء کے بارے میں مختلف نظریے ہیں۔

۱۔ تصوف یونان کے فلسفے پر مبنی ہے بالخصوص یونانی فلسفے کی وہ شاخ ہے جو فلاطینوس سے منسوب ہے۔ اسے نو فلاطونی اشراقیت بھی کہتے ہیں۔ پروفیسر نکلسن کا میلان کم و بیش اسی طرف تھا۔

۲۔ تصوف ویدانت کے فلسفے اور بدھ مت کی تعلیمات پر مبنی ہے۔

۳۔ تصوف ایران قدیم کے مفکر "مانی" کے ان پیروں کاروں کی تعلیمات کا ثمر ہے جنہیں زندیق قرار دیا گیا تھا۔ اور خلیفہ مہدی کے دور میں ایک محکمہ زندیقہ ان کی سرکوبی اور بیخ کنی کے لئے بنایا گیا تھا۔ وسط ایشیا کے بعض لوگوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اپنے پرانے عقائد اور رسوم ترک نہیں کیں۔ بلکہ انہیں اسلامی لبادہ پہنا دیا۔ مانی، زرتشت مزدک اور بابک خرم کی تعلیمات کو اسلامی رنگ دے کر تصوف کا نام دے دیا۔ علامہ اقبال نے بعض مقامات پر اس نظریے کی تائید کی ہے۔

۴۔ تصوف مسیحیت کے بنیادی عقائد پر استوار ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عجمی تصوف جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ بہت سے عقائد و افکار کے مجموعے کا نام ہے۔ زہد، عبادت فقر اور ترک دنیا یقیناً بدھ کی تعلیمات اور مسیحیت کی یاد دلاتے ہیں۔ ریاضت شاقہ اور تپاک عجمی صوفیوں کے بعض گروہوں کی خصوصیت ہے۔ جو ھندوستان کے جوگیوں کی ریاضت سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یونانی فلسفہ اور

اسماعیلیہ مصر کی تعلیمات نے بھی عجمی تصوف کے عقائد کو متاثر کیا، لیکن ان تمام عناصر کے اختلاط سے جو چیز عالم وجود میں آتی ہے وہ خالص عجمی تصوف ہے کسی ایک عنصر کو عجمی تصوف کا مبداء اور منشاء قرار نہیں دیا جاسکتا۔

وسط ایشیا میں تصوف کا ورود

متصوفانہ عقائد کی تبلیغ بغداد سے شروع ہوئی۔ سری سقطی، حسن بن منصور، جنید بغدادی اور شبلی بغدادی ہی میں پھلے پھولے۔ سامانیوں کے دور میں وسط ایشیا میں متصوفانہ عقائد کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا۔ غزنویوں کے دور میں بھی مسلمان فاتح کے طور پر دنیا کو زیر نگیں کر رہے تھے۔ ترک دنیا کا خیال اتنا اثر انداز نہ تھا۔ سلجوقیوں کے دور میں تصوف کی نشرواشاعت کا بیڑا ابی سعید ابوالخیر نے اٹھایا۔ سنائی نے بات آگے بڑھائی۔ لیکن یہ کوششیں صرف نظریات کی حد تک تھیں۔ اور صوفیا کا ایسا کوئی سلسلہ نہ تھا۔ جیسا کہ بعد میں قادریہ، نقشبندیہ اور چشتیہ وغیرہ کا تھا۔ حسن بن سبا نے تصوف کا ایسا مذاق اڑایا کہ لوگوں کا صوفیا سے اعتقاد اٹھ گیا۔ مگر خود حسن بن سبا نے اسی فلسفہ زندگی سے فائدہ اٹھا کر بڑی طاقت حاصل کر لی۔

دراصل مسلمان جب یورش تاتار کی وجہ سے اقتدار سے محروم ہوئے تب انہیں دنیا کی بے ثباتی کا یقین آگیا۔ اور بعض لوگوں نے ترک دنیا اور رہبانیت قربت الٰہی کے حصول کی خاطر اختیار کی۔ حقیقت کے کشف وادراک کے حصول کی خاطر اختیار کی۔ حقیقت کے کشف وادراک کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ حواس خمسہ ظاہری کے ذریعے جو معلومات حاصل ہوں ان سے مدد لیکر وجود باری تعالیٰ، تخلیق کائنات، غایت انسانیت اور مقصد حیات پر غور کیا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حواس خمسہ ظاہری پر اعتبار نہ کیا جائے۔ بلکہ حس باطن سے کام لیا جائے۔ حس باطن کے ذریعے جو معلومات حاصل ہوں وہ "کشف" ہے۔ اور ایسی تمام معلومات کو مکشوفات کہتے ہیں۔ وحی، القا اور الہام، کشف ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ اور حقیقت کا وسیلہ ہیں حس باطن کا مرکز دل ہے اس لئے جب تک آئینہ دل مجلیٰ (صاف) نہ ہوگا کشف و شہود کی نعمت سے بہرہ مند نہ ہوگا۔

اصل حقیقت صرف وجود باری تعالیٰ ہے۔ کائنات موجودات اضافی اور اعتباری ہے۔ موجودات سے قطع نظر کرنا اور خالق موجودات سے تعلق پیدا کرنا اس سے پیار کرنا صوفی کا فرض اولین ہے۔ اس راہ کو جسے "سلوک" اور "معرفت" بھی کہتے ہیں۔

یہاں صوفی کو نہایت دشوار گزار منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان منزلوں کو "احوال و مقامات" کہتے ہیں۔ جس طرح عشق مجازی میں عاشق اپنے محبوب کا تابع فرمان ہوتا ہے اس کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کرتا اسی طرح صوفی بھی ہر حالت میں محبوب حقیقی کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔ اس لئے تصوف کی اصطلاح میں صوفی کو عاشق، خدا کو محبوب اور معشوق کہتے ہیں۔ جانان اور جان جانان وغیرہ بھی کہتے ہیں۔ منازل تصوف طے کرنے کیلئے رہبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے صوفیانہ اصلاح میں "پیر مغاں" کہتے ہیں۔ اور صوفی رند، میخوار اور خرابات نشین کہلاتے ہیں۔ یہ بنیادی مطالب ہیں۔

ابو سعید ابوالخیر نے تصوف کے مطالب اپنی کتاب "مہمہ" میں نہایت ہی شیریں زبان میں بیان کئے ہیں۔

صوفی سلسلے اور ان کے فروغ اسلام میں کردار

ترکستان جسے زمانہ قدیم میں توران کہا جاتا تھا۔ یہ علاقہ سر دریا کے جنوب میں واقع ہے۔ نویں صدی عیسوی سے آج تک عالم اسلام کے اس سرحدی علاقے نے ہمیشہ کافروں، بدھ متوں، عیسائیوں، منگولوں، چینیوں، اور آخر میں روسیوں کا سامنا کیا ہے۔

صوفی[1] سلسلے بھائی بندی نے اس علاقہ میں ایک عظیم کردار ادا کیا ہے۔ یہ صوفیا کرام ہی کا کمال ہے۔ کہ نت نئے حملوں سے اسلام کو بچانے کیلئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ ان کی اس تحریک نے ترکوں کے دل کی گہرائیوں میں اثر کیا۔ صوفی بھائی چارے نے تاتار، قرغیز، باشکیر اور قازق ترکوں کو بارہویں صدی عیسوی سے ایک لڑی میں پرو دیا اٹھارویں صدی عیسوی سے ترکستانی مسلمان روس اور چین کی وجہ سے باقی عالم اسلام سے کٹ کر رہ گئے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں بشمول مذہب ان کے حالات انحطاط پذیر رہے۔ روس کے دور سے قبل یہاں اسلام کا کوئی بیرونی خطرہ نہیں تھا۔ روسیوں کے ترکستان کو فتح کرنے کے بعد یہاں صوفی بھائی بندی کے سلسلے کو بھی کافی نقصان پہنچا۔

---

(1) Nasr Sayyad Hossein - "Living Sufism" - London 1972 - P.230

یہاں "امام شامل" کی طرح کوئی مرد مجاہد میدان میں نہ تھا۔ جو تحریک شریعت جیسی پرجوش اور ولولہ انگیز تحریک چلاتا جو انہوں نے کاکیشیہ یعنی کوہ قاف میں چلائی۔ ان کی صوفی سلسلے کی نقشبندی تحریک کافی کامیاب ہوئی۔ جو ایک طویل مدت تک روسیوں کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بنی رہی۔ ادھر وسط ایشیا میں ایسی کوئی مذہبی تحریک نہ اٹھی۔ چنانچہ روسیوں کو اسے ہڑپ کرنے میں چنداں وقت پیش نہیں آئی نہ دیر لگی۔ کوہ قاف اور وسط ایشیا کی صوفی تحریک میں جو فرق پایا جاتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جب روس نے مغربی ترکستان یعنی وسط ایشیا کی موجودہ اسلامی ریاستوں کو فتح کیا تو شروع میں ان کی ذاتی زندگی یعنی ان کے مذہب اور رسم ورواج کو نہیں چھیڑا گیا۔ جس طرح انگریزوں نے برصغیر ہندوپاکستان کے لوگوں کو مذہبی اور سماجی آزادی دے رکھی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ روس میں ۱۹۱۷ء کے بعد حالات یکسر بدل گئے اور لوگوں کی کوئی ذاتی زندگی نہ رہی۔ لیکن ہمارا تعلق چھٹی صدی ہجری تک ہے۔ اس دور میں اسلامی حکومت کا زور رہا چنگیز خان نے اٹھ کر اسلامی ریاستوں کو زبردست نقصان پہنچایا۔ یورش تاتار سے اسلامی حکومتیں ختم ہوگئیں۔ اور جو رہ گئیں تھیں وہ اس قدر کمزور تھیں، کہ کسی بڑے طوفان کا مقابلہ نہ کرسکتی تھیں۔ اس بے یقینی اور بے ثباتی کے دور میں صوفی تحریک نے زور پکڑا، لوگ دھڑا دھڑ اس میں شامل ہونے لگے۔ کیونکہ لوگ اپنی آنکھوں سے دنیا کی بے ثباتی دیکھ رہے تھے۔ کہ آج ایک شخص کے اشارے پر سینکڑوں سر قلم ہو رہے ہیں۔ اور دوسرے دن اس آدمی کا سر قلم ہو کر دربار میں پیش ہو رہا ہے۔

آج ایک[1] آدمی کے آنکھ کے اشارہ پر لوگ تن من قربان کرتے تھے۔ کل وہی آنکھیں ان کے سامنے نکالی جانے لگیں۔ بادشاہوں کو فقیر بنتے دیکھا۔ ایسے حالات میں ایک ہی راستہ رہ گیا تھا۔ ایسی جگہ پناہ ڈھونڈو جہاں تک یہ آفات نہ پہنچ سکیں۔ اسلامی تصوف سے بعض مکاروں نے ناجائز فائدہ بھی اٹھایا۔ حسن بن سبا نے اس نظریہ سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس کے مریدوں کے پھر آگے مرید ہوتے تھے۔ جنہیں داعی اور فدائی کہتے تھے اور ان کا سب سے اعلیٰ اور اونچے درجے پر شیخ الجبال یعنی حسن بن سبا خود ہوتا تھا۔ جو مافیا کے چیف کی طرح کسی سے ملاقات نہ کرتا تھا۔ تصوف کے خلاف اس دور کے بعض علماء شعراء وادباء نے زور بیان اور زور قلم سے کام لیا۔ شیخ سعدی ان میں پیش پیش تھے انہوں نے اس مسلک کو علامہ اقبال کی طرح بھیڑ کے لباس میں بھیڑیا کہا سعدی

---

(۱) جان ناس - تاریخ جامع ادیان - ترجمہ علی اصغر حکمت - نیویارک ۱۹۴۹ء - ص ۱۰۹

کا اعتراض یہ تھا، کہ صوفی اپنے آپ کو بچانے کی فکر میں ہوتا ہے۔ اور اس مسلک کا ہر آدمی اپنی ہی خیر مانگتا ہے۔ دوسروں کی بھلائی اور رفاہ عامہ کا نہیں سوچتا۔

بقول امیر مینائی۔

زاہد نداشت تاب جمال پیری رخان
کنجی گرفت ویاد خدا را بہانہ ساخت

سعدی فرماتے ہیں، دوسروں کو بچانا اپنے آپ کو بچانے سے افضل ہے۔ شیخ سعدی کو طریقت کے پورے سلسلے پر اعتراض تھا، وہ عشق مجازی سے عشق حقیقی کی طرف مرید کو لے جانے کے چکر کو بھی ایک فراڈ سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں۔

گروہ نشتند با خوش پسر
کہ ما پاکبازیم واہل نظر
چرا ہوشت پسر یک سالہ نہ برد
کہ در صنائع دیدن چہ بالغ چہ خورد

ایک گروہ (فرقہ) جو خوبصورت لونڈوں کو پاس بٹھا کر (ان پر نظر رکھ کر) کہتے ہیں کہ ہم تو پاکباز ہیں ہماری محبت پاک ہے آلودگی میں ملوث نہیں ہے۔ ہم تو اہل نظر ہیں یعنی ان کے حسن میں اس کے (اللہ کے) جلوے دیکھتے ہیں (اگر یہی بات ہے) تو ہر ایک سال کا بچہ تمہارے ہوش و حواس اڑا کر کیوں نہیں لے جاتا۔ یعنی ایک سالہ بچہ پر تم کیوں عاشق نہیں ہو جاتے، کیوں نہیں مرمٹتے۔ اگر مقصد قدرت کی صنائع کاری ہی دیکھنی ہے۔ یعنی حسن پر فریفتہ ہونے کے لئے یہ بالغ و نابالغ کی پابندی کیوں کرتے ہو۔ یعنی بالغ پر عاشق ہونے کی بجائے ایک سالہ بچہ پر عاشق کیوں نہیں ہو جاتے ہو۔ وہ تو زیادہ خوبصورت اور معصوم ہوتا ہے۔ نوجوان کے عشق کا دم بھرنا دراصل شہوت پرستی ہے۔ قادریہ، نقشبندیہ، کبراوی، یاسیویہ اور چشتیہ سلسلے چھٹی صدی ہجری سے بعد کی پیداوار ہیں۔ صوفیا کے انہی سلسلوں نے وسط ایشیا میں اہم مذہبی خدمات سرانجام دیں۔ کئی خانہ بدوش قبائل کو مشرف بہ اسلام کیا۔

صوفی سلسلہ "خواجگان" بھی بعد کی پیداوار ہے۔ ان کا کام بھی قابل صد تحسین ہے۔ اس تحریک میں ایک لذت، جاذبیت اور لطف تھا۔ جس نے ہر مکتبہ فکر کے لوگوں کو متاثر کیا شہری و دیہاتی، امیر و غریب، خواندہ و ناخواندہ، پرہیزگار اور گنہگار، سبھی اس سلسلہ میں آسانی کے ساتھ داخل ہو سکتے اور فیوض و برکات سے مستفید ہو سکتے تھے۔ یہاں وسعی مشربی کا درس ملتاذات پات اونچ نیچ کا فرق ختم ہو جاتا۔ سب پیر بھائی ہوتے۔

(1) حضرت بہاؤالدین، حضرت جلال الدین رومی کے والد ماجد تھے، ان کے حلقہ ارادت میں عقیدت مندوں کی تعداد بلخ کی آبادی سے زیادہ تھی۔ ان کے دربار کا شان و احترام دربار شاہی سے کئی درجہ بڑھ کر تھا، خلق خدا ہر کام کیلئے، فیض حاصل کرنے کیلئے اس دربار سے ہی رجوع کرتی۔ لوگ مرادیں پاتے، کام ہوتے، مسائل حل ہوتے، جھگڑے مٹتے۔ شخصی حکومتوں کو ہمیشہ ہر دل عزیز شخص سے خطرہ رہتا ہے حاکم وقت نے جب آپ کی شان و شوکت، رعایا پر اثر و رسوخ اور لوگوں کے آپ کے اشارے پر دامے، درمے، قدمے، سخنے، یعنی تن من دھن قربان کرنے کا جذبہ دیکھا تو رات کے وقت خزانے کی کنجیاں اور چند رجسٹر لیکر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور قدم بوسی کے بعد عرض کیا کہ پوری سلطنت میں اب میرے پاس صرف یہ چیزیں رہ گئی ہیں۔ یہ بھی آپ رکھ لیجئے۔ آپ نے اسے تسلی دے کر رخصت کیا آپ اشارہ سمجھ گئے۔ یہ قناعت کہ دوسرے دن بیوی بچوں کو لیکر بے سر و سامانی کی حالت میں بلخ سے نکل گئے۔ اور قونیہ (موجودہ ترکی) میں آباد ہو گئے۔

اس سلسلے کو پھر اس کے فرزند ارجمند مولانا جلال الدین رومی نے آگے بڑھایا۔ لیکن جلال الدین رومی کے پیشرد عطار و سنائی تھے۔

عطار روح بود و سنائی دو چشم او
ما از پی سنائی و عطار آمدیم

---

(1) ڈاکٹر علی پوہنوال - تاریخ تمدن اسلام - کابل ۱۹۵۲ء - ص ۱۲۷

ابراہیم بن ادھم

بین الاقوامی طور پر جسے ایشیا کا عظیم صوفی تصور کیا گیا ہے وہ تھے ابراہیم بن ادھم آپ بلخ کے رہنے والے تھے، آپ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں وسط ایشیا کی تاریخ خاموش ہے، لیکن تاریخی کتب میں اتنا درج ہے کہ آپ ۱۱۲ھ مطابق ۷۳۰ء کو بلخ میں پیدا ہوئے ایک روایت کے مطابق آپ یونانیوں کے خلاف ۷۸۳ء میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے بعض مورخین کہتے ہیں کہ آپ سوقن کے جزیرہ میں جہاں آپ یونانیوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے دفن کئے گئے ہیں۔ آپ حصول علم کیلئے ۷۵۴ء میں شام چلے گئے وہاں ابراہیم بن ادھ اور ان کے شاہی گھرانے کے بارے میں بہت ساری کہانیاں مشہور ہیں۔

وسط ایشیا کے مشہور صوفی کی صوفیانہ زندگی کا آغاز یوں ہوا کہ ایک دن آپ شکار پر نکلے تو آپ کے کان میں غیبی آواز آئی۔ ابراہیم تم معصوم جانوروں کے شکار کیلئے نہیں ہو۔ اس کا آپ پر گہرا اثر ہوا۔ اسی سوچ میں مگن تھے، نیند اور بے قراری میں بھی وہی آواز کانوں میں گونجتی سنائی دیتی تھی۔ اسی اثناء میں انہیں محسوس ہوا کہ جیسے ان کی خوابگاہ میں کوئی داخل ہو گیا ہے۔ انہیں حیرت ہوئی کہ اتنے پہرے کے باوجود یہ آدمی اندر کیسے آیا۔ وہ آدمی ان کی خواب گاہ سے نکل کر اوپر چھت پر چلا گیا آپ تلوار نکال کر آہستہ آہستہ اس کے پیچھے ہو لئے، وہ آدمی چھت پر کچھ ڈھونڈ رہا تھا، آپ نے آواز دی، کہ تم کون ہو اور کیا ڈھونڈ رہے ہو اس نے جواب دیا "میرا اونٹ کھو گیا ہے۔ اسے تلاش کر رہا ہوں" آپ نے حیرت سے کہا، "اے کم عقل اونٹ بھی کبھی محل کی چھت پر ملا ہے۔ جسے تم ڈھونڈ رہے ہو" وہ بولا "تم بھی تو خدا کو محل میں ڈھونڈ رہے ہو" اس واقعہ نے ابن ادھم کی نیند اڑا دی۔ صبح ہوئی تو آپ نے سب دنیاداری کو ترک کر کے صرف اللہ کی یاد کی راہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ امور سلطنت جلد جلد نمٹائے۔ رات[2] کو خوب سکون کی نیند سوئے لیکن ان کے کمرے میں ایک تیز جگا دینے والی روشنی داخل ہوئی جس سے کمرہ بقعہ نور بن گیا آپ کی آنکھ کھلی دیکھا کہ ہر طرف نور ہی نور ہے اور ایک فرشتہ سنہری کتاب لئے کھڑا کچھ لکھ رہا ہے۔ نہایت خاموشی اور سکون تھا، ابراہیم نے نہایت ہی اطمینان سے پوچھا۔ "کیا لکھ رہے ہو" اس نے نہایت ہی محبت سے جواب دیا کہ ان لوگوں کے نام جن کو اللہ پیار کرتا ہے "کیا میرا نام بھی ان میں شامل ہے؟" اس نے کہا "نہیں"، آپ نے عرض کیا کہ میرا نام اس کی مخلوق سے پیار کرنے والوں میں

---

(1) Jalal -ud-Din Khilji - Muslim Celebrities of Central Asia Area Study Central Peshawar 1984

(2) English Poem - Written by Leigh Hunt - 1784 – 1859 - P. 37

لکھ دیجئے۔ فرشتہ غائب ہو گیا، دوسری رات پھر وہ اسی انداز سے آیا اور ابراہیم کو ان لوگوں کے ناموں کی فہرست دکھائی جن سے خدا پیار کرتا ہے اس میں ابراہیم بن ادھم کا نام سر فہرست تھا۔ آپ نے شاہی زندگی چھوڑی اور درویشی اختیار کی۔ اپنا کل اثاثہ ایک بستر اور ایک لوٹا رکھا۔ ایک دن دیکھا کہ ایک آدمی بغیر اس کے گزارہ کر رہا ہے تو آپ نے ان سے بھی بے نیازی حاصل کر لی۔ بادشاہت چھوٹنے کے بعد آپ نے کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کیا، بلکہ مزدوری کرنے لگے۔ خندقیں کھودنے لگے۔ باغبانی وغیرہ کرنے لگے۔ اور کسی پر اپنے آپ کو ظاہر نہ کیا۔ ان کے تصوف کا نچوڑ انسان سے محبت اور خدا کا پیار ہے۔ آپ صوفی با عمل تھے، جس کا درس دیتے اس پر پہلے خود عمل پیرا ہوتے تھے۔ جنت ان کے نزدیک اللہ کا دیدار تھا۔ آپ فضل آیاز ابو علی مروزی کے مرید خاص تھے جن کا سلسلہ تصوف حسن بصری سے جاملتا تھا۔

رابعہ بلخی

رابعہ بلخی کا شمار بھی عبدالرحمٰن جامی نے صوفیا میں کیا ہے۔ ان کے عشق کو عشق حقیقی مانا ہے۔ آپ سامانی دور کی مقبول شاعرہ تھیں۔

حکیم سنائی

ابوالمجد[1] سنائی ابتداء میں شاعری کرتے تھے، ایک دن ایک قصیدہ تیار کر کے بہرام شاہ غزنوی کے دربار کی طرف جارہے تھے۔ کہ راستے میں ایک مے خانے کے سامنے سے گزر ہوا ایک مے خوار (تلچھٹ) جسے فارسی میں درد کش کہتے ہیں۔ ساقی سے کہہ رہا تھا۔ "دے ایک پیالہ بہرام شاہ کے اندھے پن کے صدقے"۔ ساقی نے کہا کیا لغو بکتے ہو، بہرام شاہ تو عادل بادشاہ ہے، اس درد کش نے کہا، "غزنین کے انتظام سے عہدہ بر آ ہوا نہیں اور چلا ہندوستان فتح کرنے۔ اس سے زیادہ اندھا پن کیا ہوگا"۔ ساقی نے پیالہ دیا وہ پی گیا پھر نعرہ لگایا "دے ایک پیالہ سنائی کے اندھے پن کے صدقے" ساقی نے کہا۔ "سنائی تو نہایت خوش فکر و خوش بیان شاعر ہے اسے اندھا پن کیوں کہتے ہو" وہ بولا "جو ایک بیوقوف کے آگے دست بستہ کھڑے ہو کر اس کی جھوٹی تعریف کرتا ہے۔ اس سے زیادہ اس کا اندھا پن کیا ہوگا"۔ سنائی پر اس کا بہت گہرا اثر ہوا۔ قصیدہ پھاڑ کر گھر واپس ہوئے اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اور

---

(1) [illegible]

بجائے بہرام شاہ کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مداح سرائی شروع کر دی۔ وہ رتبہ نصیب ہوا، کہ بادشاہ وقت خود چل کر آپ کے پاس آنے لگا۔

در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے
سب جہاں رکھتے ہیں سر وہ وہاں قدم رکھتے نہیں

حکیم سنائی کا یہ عالم ہوا کہ سب چیزوں سے بے نیاز ہو گئے۔ یہاں تک کہ ننگے پاؤں پھرا کرتے تھے۔

[1] اس زمانے میں شیخ ابو یوسف ہمدانی مشائخ میں سے تھے، ابو یوسف ابو علی فارمدی کے مرید تھے جو امام غزالی کے پیر تھے حکیم سنائی نے ان کی بیعت کی۔ امام غزالی اور حکیم سنائی اس رشتہ سے پیر بھائی ہوئے۔ حکیم سنائی نے "حدیقہ" تصنیف کی تو اس میں ایسی باتیں بھی لکھیں جو عام عقائد کے خلاف تھیں۔ اس لئے علماء نے سخت مخالفت کی، یہاں تک کہ بہرام شاہ سے شکایت کی۔ بہرام شاہ نے بغداد جو دار الحکومت تھا، سے استفسار طلب کیا۔ وہاں کے علماء نے لکھا کہ یہ مسائل قابل اعتراض ہیں۔ حکیم سنائی نے اپنی برات کے متعلق بہرام شاہ کو ایک خط لکھا جسے عبد القادر بدایونی نے پورا نقل کیا ہے، مختصر یہ کہ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس بات پر ناراض تھے۔ کہ آپ نے بنی امیہ کی برائی لکھی اور اہل بیت کی نہایت ہی مداح سرائی کی۔ حکیم سنائی نے تسلیم کیا اور کہا کہ آل مروان[2] کی برائی میں شک نہیں، جو حدیثیں ان کی شان میں مذکور ہیں سب جعلی اور وضع کردہ ہیں۔

آپ نے ۱۱۸۸ء میں وفات پائی۔ اور غزنی ہی میں دفن ہوئے۔ حکیم سنائی پہلے شاعر ہیں جنہوں نے شاعری میں تصوف کو روشناس کرایا۔ اس سے پہلے ابو سعید ابوالخیر کی چند رباعیاں تصوف میں پائی جاتی ہیں۔ ابو سعید بڑے صوفی تھے۔ مگر اشعار میں بقول علامہ شبلی جوش عشق پر زور طریقے سے ادا کیا گیا ہے۔ مسائل تصوف، اسرار و معارف نہیں۔ جب کہ حکیم سنائی کی

---

(۱) مدرس رضوی - دیوان حکیم سنائی - تہران ۱۹۶۲ء - ص ۱۲

(۲) مروان - یزید بن معاویہ کی وفات اور اس کے بیٹے خالد کے مستعفی ہونے پر بنی امیہ نے مروان کو خلیفہ منتخب کیا۔ مروان کچھ عرصہ پہلے عبد اللہ بن زبیر کے حکم سے حجاز سے جلاوطن ہو کر دمشق آئے تھے۔ یہ وہی مروان ہیں جو حضرت عثمان غنیؓ کے چیف سیکرٹری تھے۔ اور بعض مورخین کی رائے میں حضرت عثمانؓ پر لگائے گئے اکثر الزامات کے ذمہ دار یہی مروان تھے۔

تصنیفات تصوف کی مستقل تصانیف ہیں۔ "حدیقہ" میں تصوف کے تمام مقامات کو الگ الگ عنوان سے لکھا گیا ہے۔ اور نہایت خوبی سے ادا کیا گیا ہے۔

شاعری کے ذریعے دین اسلام کو واضح طور پر پیش کرنے، لوگوں کے دلوں میں بٹھانے، نیک و بد میں فرق کرنے کا جو درس آپ نے دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ نے پہلی بار شعر و شاعری کے ذریعے صوفیانہ خیالات پیش کئے۔ کیونکہ ان دنوں سب سے زیادہ موثر ذریعہ یہی تھا۔ جس طرح آج کل ٹیلی ویژن ہے اس دور میں شعر و شاعری اسی طرح مقبول تھی اور ہر محفل میں سنی جاتی تھی۔ آپ اس صنف کے موجد ہیں۔ اس کے بعد صوفیانہ شاعری آپ کے تتبع میں ہوئی۔ اور بعد میں آنے والے صوفیا آپ کی بلند قامتی کو تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ آپ کے دور میں صوفی سلسلے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ یہ بعد کی پیداوار ہیں۔

ابو سعید ابوالخیر

آپ وسط ایشیا کے اکابر صوفیا میں سے ہیں۔ ۹۶۷ء میں قریہ "مھنہ" میں پیدا ہوئے۔ مھنہ سوخس اور ابیورد کے درمیان واقع ہے۔ شیخ کا مزار بھی یہیں پر ہے۔ یہ مقام آج کل ازبکستان میں ہے۔

آپ[1] نے ابتدائی تعلیم اپنے قریہ میں حاصل کی۔ مزید حصول تعلیم کیلئے "مرو" چلے گئے۔ مرو ان دنوں مسلمان حکمرانوں کی عسکری مرکز تھا۔ بخارا سے پہلے یہی دارالحکومت ہوتا تھا۔ سامانیوں نے بخارا کو دارالحکومت بنایا، لیکن بخارا کے ساتھ ساتھ یہ بھی علم و ادب کا مرکز رہا۔ آپ نے یہاں کے عظیم مدرس عبداللہ الحصری کی شاگردی اختیار کی۔ آپ فقہ کے استاد تھے۔ طریقت سے بھی آگاہ تھے اس لئے ابو سعید ابوالخیر جب علوم منقول سے سیر ہو گئے تو شیخ عبداللہ الحصری نے ان کی توجہ کشف و طریقت کی طرف مبذول کرائی اور آپ ابو عبدالرحمٰن (متوفی ۴۱۲ھ) کے باقاعدہ مرید ہو گئے شیخ کے احوال و اقوال کا تفصیلی تذکرہ اس مشہور نثری کارنامے میں ملتا ہے۔ جو "اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کتاب محمد منور بن ابی سعید بن ابی طاہر بن ابو سعید ابوالخیر کی تالیف ہے۔ محمد منور کے قول کے مطابق ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ بو علی سینا اور شیخ ابی سعید تین دن تک مسلسل حجرہ نشین رہے۔ تین دن بعد شیخ ابو علی سینا رخصت ہوئے تو شاگردوں نے ان سے پوچھا "ابو سعید کے متعلق آپ کی کیا رائے

---

(۱) شفق زادہ - تاریخ ایران - تہران ۱۹۴۳ء - ص ۲۱۱

ہے؟" کہا "میں جو جانتا ہوں، ابی سعید وہ دیکھتا ہے"۔ شیخ ابو سعید کے مریدوں نے اپنے مرشد سے پوچھا بو علی سینا کے بارے میں تو کہا "میں جو کچھ دیکھتا ہوں وہ جانتا ہے"۔ ابو سعید نے ۴۴۰ھ میں وفات پائی۔

عام تذکرہ نویس اور نقاد متفق ہو کر لکھتے ہیں کہ شیخ ابو سعید پہلے شخص ہیں جنہوں نے عجمی شاعری میں پہلی بار تصوف کے مطالب و مضامین کو پیش کیا۔ بعد میں تمام صوفی شعراء آپ کی تقلید پر مجبور ہو گئے۔ یہ درست ہے کہ آپ نے وہ تمام صوفیانہ اصطلاحات، رموز و کنایت اور علامتیں جو واردات عشق کے بیان کیلئے مخصوص ہیں استعمال کیں۔ اسی بنیاد پر عطار، سنائی، رومی اور حافظ نے وہ سر بہ فلک عمارت کھڑی کی جس کے بام و در آج تک جگمگ جگمگ کرتے ہیں۔

مولانا جلال الدین رومی

وسط ایشیا میں[1] تصوف کو آگے بڑھانے، اسے قبول عام بنانے اور آسان کرنے میں مولانا جلال الدین رومی کا کردار نہایت ہی اہم ہے۔ آپ کی ولادت ۶۰۴ھ میں بلخ میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام جیسے کہ پہلے اوپر ذکر ہو چکا ہے بہاؤالدین محمد بن حسین خطیبی بکری تھا۔ باپ کی طرف سے آپ کا شجرہ نسب ابو بکر صدیقؓ سے ملتا تھا۔ ماں کی طرف سے علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کے بھانجے تھے۔ علاؤالدین خوارزم شاہ کا والد آپ سے بدگمان رہتا تھا۔ کیونکہ بہاؤالدین کو لوگ احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور ان کی اولاد کو ان کی طرح شاہی خاندان کے افراد اور دوسرے پیر صاحب کی اولاد کی وجہ سے بہت عزت اور مقام حاصل تھا۔

آپ بلخ کے بے تاج بادشاہ تھے۔ جب حاکم بلخ نے خوارزم شاہی کے اشارے پر رجسٹر اور خزانے کی کنجیاں پیش کیں، کہ اب تو صرف یہی میرے پاس رہ گئیں ہیں پیش کرنے آیا ہوں۔ آپ اشارہ سمجھ گئے اور ۶۰۹ھ میں اپنے بیٹے جلال الدین کو لیکر خراسان سے نکل گئے۔ مکہ کی زیارت کے بعد روم پہنچے اور یہیں رہ گئے۔ قونیہ میں وفات پائی۔ یہ ۶۲۸ھ کا واقعہ ہے۔ مولانا جلال الدین رومی نے سب سے پہلے برہان الدین ترمذی کے سامنے زانو تلمذ تہ کیا۔ ۶۴۲ھ میں مولانا روم کی ملاقات ایک پراسرار شخص شمس تبریز سے ہوئی۔ شمس تبریز خوش کلام، شیریں زبان تھے۔ جذب اور سلوک کی تمام منزلیں طے کر چکے تھے۔ ان سے ملاقات کے بعد آپ کی زندگی میں انقلاب برپا ہوا۔

---

(۱) [illegible]

اب وہ علوم معقول و منقول سے ہٹ کر تصوف و سلوک اور عشق و معرفت کے عقائد اور مسائل کی طرف مائل ہو گئے۔ اور اس معاملے میں شمس تبریز نے ان کی ایسی گرم جوشی سے رہنمائی کی کہ رومی نے ان کی مدح میں نہایت دلفریب اور اچھی غزلیں کہہ ڈالیں جن سے جذبہ پھوٹا پڑتا ہے۔ مولانا رومی کی غزلیات کا دیوان اس نسبت سے دیوان شمس تبریز کہلاتا ہے۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ مولانا نے قصداً اس بات کو شہرت دی کہ ان کی غزلیات کا دیوان حقیقت میں شمس تبریز کا دیوان ہے۔ غلط ہے۔ دیوان میں شمس کا نام بار بار اس طرح آتا ہے، کہ صاف واضح ہو جاتا ہے۔ کہ شاعر کے علاوہ اور کوئی شخص مراد ہے۔ مولانا رومی کا عظیم کارنامہ وہ بلند پایہ مثنوی ہے جسے

مثنوی۔ مولوی۔ معنوی

هست قران در زبان پہلوی

کہتے ہیں، اس کی شان نزول یہ ہے کہ مولانا کا ایک شاگرد جو حسام الدین چلپی کے نام سے مشہور ہے۔ جس نے ۶۸۳ھ میں وفات پائی۔ ہمیشہ مولانا روم کو ترغیب دیتا رہتا کہ فرید الدین عطار اور سنائی کے اسلوب میں مثنوی لکھیں۔ رضازادہ شفق کا بیان ہے کہ مثنوی کے دفتر اول کا آغاز ۶۵۷ھ اور ۶۶۰ھ کے درمیان ہوا۔ مثنوی کے اندر بھی مولانا "شمس تبریز" کا ذکر نہایت ہی عقیدت سے کیا گیا ہے۔ عبدالرحمن جامی جیسے عظیم صوفی شخصیت نے رومی کی مثنوی کو پہلوی زبان کا قرآن کہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مثنوی میں شریعت اور طریقت کا ایسا امتزاج ہے گویا یہ دونوں جن میں پہلے تضاد نظر آتا تھا شیر و شکر ہو گئی ہیں۔ معرفت اور سلوک کے تمام مسائل "مہمہ" مثنوی میں سمو دیے گئے ہیں۔ اور حکایات اور امثال کے ذریعے ہر بات کو قاری کے ذہن نشین کرایا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کام کیلئے صرف مولانا جیسی شخصیت ہی موزوں ہو سکتی تھی۔ ایک طرف تو آپ اپنے والد بہاؤالدین سے فیض یافتہ تھے دوسری طرف شمس تبریز کی صحبت سے مستفید ہوئے اس بنا پر ان کی مثنوی میں نہ تو صوفیا کی سطیحات نظر آتی ہیں اور نہ ہی ارباب شریعت کا جمود۔ مثنوی کے شروع ہی میں وہ دلکش، اور بہترین اشعار ہیں جنہیں مستشرقین "نغمہ" کے

نام سے یاد کرتے ہیں۔ یوں تو کوئی ایسا شاعر نہیں جسے رومی نے متاثر نہ کیا ہو۔ لیکن علامہ اقبال کے کلام پر ان کا بہت گہرا اثر ہے۔

پیر رومی را رفیق راہ ساز
تا خدا بخشید ترا سوز و گداز
نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ایران وہی تبریز ہے ساقی

ابولیث سمرقندی (۹۰۰-۹۹۳ء)

ابولیث[1] نصر بن احمد ابراہیم کا شمار خراسان کے فقہ حنفیہ کے ماہرین میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے دور کے جید عالم اور نامور صوفی تھے، آپ کو زندگی ہی میں امام الہدی کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ آپ ۹۰۰ء میں سمرقند میں پیدا ہوئے۔ ابو جعفر بلخی سے فقہ کا درس لیا۔ ابو جعفر اپنے دور کے مانے ہوئے فقیہ تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی حنفی فقہ کی فروغ میں صرف کر دی۔ یہ ابولیث کی خوش قسمتی کہ ان کو ابو جعفر جیسا معلم ملا۔ جس نے ابولیث کو بھی علم فقہ میں یکتا کر دیا۔ "حدیقہ حنفیہ" میں لکھا ہے کہ ابولیث کو ایک لاکھ کے قریب احادیث زبانی یاد تھیں۔

ابولیث سمرقندی کے سوانح نگار فقیر محمد آپ کی ایمانداری، پاکیزگی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ نے استنجے کا ڈھیلا بھی کبھی کسی دوسرے کی زمین کا نہیں لیا۔ احتیاط کا یہ عالم کہ کہیں سفر پر جاتے تو اپنی زمین کے ڈھیلوں کا ایک تھیلا بھرا ہوا لے جاتے۔ پورے سمرقند میں آپ کا نہایت احترام کیا جاتا۔ آپ ظاہر پرستی کے مخالف تھے۔ آپ اپنے آپ کو بزرگ یا پیر کہلانا پسند نہیں کرتے تھے۔ مریدوں سے بیعت لیتے کتراتے تھے۔ جب آپ وفات پاگئے تو تاریخ میں پہلی بار پورے سمرقند کا کاروبار رک گیا۔ پورے ایک ماہ تک سوگ منانے کا اعلان ہوا، حاکم سمرقند کی مداخلت پر دکانداروں اور تاجروں کو تین دن بعد دکانیں

---

(1) A.J.Arberry. "The Doctrine of the Sufi - London 1956 - P. 138

کھولنے پر مجبور کیا گیا۔ بغداد میں آپ کے مریدوں نے ایک مسجد آپ کے نام کر دی۔ جس میں صوفیا اور علماء اکٹھے ہو کر روحانی بالیدگی حاصل کرتے تھے۔ ھندوستان کے سلطان شمس الدین التمش نے ۱۲۳۶ء میں خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، اوحدالدین کرمانی، جلال الدین تبریزی اور امدادالدین کے ساتھ اس مسجد میں نماز پڑھی۔ اور کچھ دیر کے لئے بیٹھے اور ابولیث کی روح کے لئے دعا کی۔

مولانا عبدالحیٔ لکھنوی، اپنی کتاب " فوایدالبجاھیہ[۱] " میں لکھتے ہیں کہ آپ نے قرآن کی تفسیر چار جلدوں میں تحریر فرمائی تھی۔ ابولیث کی یہ تفسیر ۱۸۹۲ء میں قاھرہ (مصر) میں چھپ گئی۔ ابن عرب شاہ نے ۱۹۵۰ء میں اس تفسیر کا استنبولی ترکی میں ترجمہ کیا۔ اور زبانوں میں بھی اس کے تراجم ہو چکے ہیں۔ جو پاکستان میں بھی دستیاب ہیں۔ آپ کی کتاب " بوستان العارفین " اخلاقیات پر بہت قیمتی سرمایہ ہے۔ ۲۷۵ صفحات کی یہ کتاب اخلاقیات کی صف اول کی کتاب ہے۔ آپ صوفی باشرع تھے۔

---

(۱) عبدالحیٔ لکھنوی۔ فوایدالبجاھیہ۔ ۱۸۶۲ء، صفحہ۔ ۲۲۱۔

باب پنجم

وسط ایشیا کی مشہور اسلامی شخصیات، ان کے علمی کارنامے اور ان کا فروغ اسلام میں کردار

وسط ایشیا کو ہمیشہ سے مردم خیز اور تاریخ ساز علاقہ ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ اسلام سے قبل بھی وھاڑہ موجودہ بخارا، تہذیب اور علم وفن کا مرکز رہا ہے۔ وِہاڑہ سنسکرت زبان میں عبادت خانہ کو کہتے ہیں۔ اور بخارا ترکی زبانی میں عبادت خانہ کو کہتے ہیں۔ دونوں زبانوں کے لحاظ سے بخارا کا مطلب عبادت کی جگہ ہے۔ یہ بات ماہرین علم و تعلیم جانتے ہیں کہ علم کی ابتدا (تاریخ کے ماخذ سے ظاہر ہے) عبادت خانوں، خانقاہوں، کلیساؤں اور مساجد سے شروع ہوئی۔ تعلیم شروع میں صرف دینی تعلیم کا ہی نام تھا۔ آہستہ آہستہ یہ تعلیم علم کی منزل طے کرتے کرتے یہاں تک پہنچی کہ اسے یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ علم کو صرف مذہب کا پابند نہیں ہونا چاہیے، بلکہ دیگر دنیاوی مسائل کا حل بھی اس میں تلاش کرنا چاہیے۔ اور آہستہ آہستہ دنیا کے کاروبار میں بھی علم کا عمل دخل شروع ہو گیا۔

اسی طرح ترقی ہوتی گئی اور آخر وہ دن آگیا جب اہل علم کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ علم کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے ایک دنیاوی علم اور دوسرا دینی علم۔ پھر بھی کچھ عرصہ تک یہ علوم ساتھ ساتھ دینی عبادت گاہوں میں چلتے رہے، ترقی ہوتی گئی اور آخر اٹھارویں صدی میں ایک تحریک چلی کہ علم کو صرف انسان اور انسانیت کے ناطے سے حاصل کیا جائے اعلیٰ انسانی اقدار کا دور دورہ ہوا۔ اور علم کو یونیورسل بنانے کے لئے یونیورسٹیوں کا قیام وجود میں آیا، جہاں علم کو بحثیت علم کے پڑھایا جانے لگا اور علم میں وسعت پیدا ہوتی چلی گئی اور آخر سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور آگیا۔

اسلامی شخصیات کا جب وسط ایشیا میں ورود ہوا تو اس وقت یہاں علم تھا مگر دقیانوسی، صرف بخارا میں بدھ مت اور

زر تشتی مذہب کے پیرو کار موجود تھے جو زیادہ تر سورج پرست تھے۔ وسط ایشیا پر[1] یلغار حضرت عمر فاروقؓ کے دور سے شروع ہوئی عبداللہ بن عمرو کی سر کردگی میں اسلامی لشکر یزدگرد سوم کا تعاقب کرتے ہوئے وسط ایشیا پہنچ گیا۔ ان ایام میں وسط ایشیا بھی ایران کے زیر تسلط تھا۔ یزدگرد ایران بھاگ کر یہاں حکمرانی کر تا رہا۔ لیکن عبداللہ بن عمرو نے یکے بعد دیگرے اس کے تسلط سے تمام علاقے آزاد کرا کے اپنے زیر نگین کر لیے۔ یہاں تک کہ کابل قندھار، ہرات اور بلخ بھی فتح کر لیے اور عین ممکن تھا کہ یہ سلسلہ جاری رہتا اور وہ مظبوط بنیادوں پر یہاں حکومت قائم کر لیتا، لیکن ۶۴۴ء میں حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت پر عبداللہ بن عمرو کو واپس جانا پڑا۔ اور وہ یزدگرد کے تعاقب میں ایک دستہ چھوڑ گیا۔ جس نے یزدگرد کو کہیں آرام سے بیٹھنے نہ دیا۔ اور آخر کار ساسانی شہنشاہیت کی آخری نشانی یزدگرد اپنی زندگی کو بچاتے بچاتے تھک گیا۔ یہاں تک کہ حکمرانی اور جہاں بانی کا خیال تک ترک کر دیا آخر چھپتے چھپاتے ۶۵۶ء میں ایک آسیابان کے ہاں پناہ لی اس نے صرف بادشاہ کے قیمتی لباس کے حصول کی خاطر سوتے میں اس کی جان لے لی۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ وسط ایشیا پر اسلامی یلغار عہد فاروقی میں شروع ہو چکی تھی، لیکن یہاں باقاعدہ مسلمان عربوں کی حکومت ۶۶۴ء میں حضرت معاویہ کے دور میں قائم ہوئی۔ اور پہلے امیر خراسان عبیداللہ بن زیاد مقرر ہوتے۔ یہ اپنے باپ زیاد بن ابوسفیان (یہ ابوسفیان کی ناجائز اولاد میں سے تھا) اور اپنے چچا معاویہ کی طرح زیرک، معاملہ فہم اور چالاک تھا۔ اور انہیں کی طرح اقتدار کی راہ میں کسی قسم کی رکاوٹ کو برداشت نہیں کر سکتا تھا کوئی قانون کوئی رواج کبھی اس کی راہ میں حائل نہیں ہوا۔ معاویہ نے پہلے زیاد کو اپنے مفاد میں خوب استعمال کیا۔ لیکن وہ عین اس وقت اچانک مر گیا۔ جب اس کے اقتدار میں مزید اضافہ ہونے والا تھا۔ جب زیاد ۶۷۵ء میں ۵۶ سال کی عمر میں پراسرار طریقہ سے فوت ہوا، تو عبیداللہ بن زیاد کو وسط ایشیا سے دمشق آنا پڑا۔ اور اس کی جگہ سعد بن عثمان امیر خراسان مقرر ہوا لیکن سعد بن عثمان شریف اور رحم دل انسان تھا وہ بنوامیہ کے لئے اتنی رقم بطور خراج پیش نہیں کر سکتا تھا جتنی رقم عبداللہ دیتا تھا۔ کیونکہ یہاں رعایا بہت برے حال میں تھی۔

۱۔ احمد علی کوھزاد   افغانستان   کراچی ۱۹۷۵ء

آخر عبیداللہ[1] کو پھر وسط ایشیا میں امیر بنا کر بھیجا گیا۔ اس نے آتے ہی مرکزی حکومت کی خوشنودی کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقے سے رقم اکھٹی کرنی شروع کی لیکن ۶۸۱ء میں کربلا کا سانحہ پیش آیا۔ جس کے لئے عبیداللہ کو ایشیا سے بلایا گیا۔ اس نے شمر وغیرہ کی مدد سے اہل بیت کو شکست دی اور امام حسینؓ کا سر جب اس کے سامنے پیش ہوا تو اس نے پاؤں تلے اسے روندا۔ (لیکن قدرت کا تماشہ دیکھیئے چند سال بعد اسی جگہ عبید اللہ کا سر مختار ثقفی کے سامنے پیش ہوا اور اس نے اسے اپنے پاؤں تلے روندا) عبید اللہ کے بعد اس کا بھائی سالم بن زیاد ۶۸۱ سے ۶۸۵ء تک گورنر رہا۔ اس کے بعد مہلب بن صفرہ ۶۸۵ میں امیر خراسان مقرر ہوا۔ یہ بہت اچھا جرنیل تھا اس کے سات جوان بیٹے تھے، ہر ایک اپنی جگہ اچھا کماندار تھا باپ کی طرح ماہر رزم و بزم تھے۔ لیکن باپ کے قد کا کوئی بھی ثابت نہ ہوا ۷۰۳ء میں مہلب نے وفات پائی۔ اس کا بڑا بیٹا یزید بن مہلب امیر خراسان بنا۔ لیکن ایک شکایت پر اسے ۷۰۴ء میں معزول کر کے اس کی جگہ مشہور جرنل قتیبہ بن مسلم کو امیر خراسان بنا کر بھیجا گیا قتیبہ بن مسلم نے ۷۱۵ء تک حکومت کی مرکز کو خوش رکھا اور خود بھی خوش رہا، اس کا وطیرہ تھا، کہ سردی میں اپنے ہیڈ کوارٹر "مرو" میں لوٹ آتا، اور موسم گرما میں میدان جنگ گرم کر دیتا تھا[2] قتیبہ نے پورے وسط ایشیا کے باقی ماندہ علاقوں کو فتح کیا اور ۷۱۴ء میں تو شہنشاہ چین نے بھی کاشغر کی فتح کے بعد اس کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ لیکن بارتھ ھویلڈ اور ولیم موسسن، طبری اور مسعودی کی اس بات سے متفق نہیں ہیں۔ بقول ان کے صرف کاشغر[3] کو پورا چین سمجھ لینا درست نہیں ۷۱۵ میں خلیفہ ولید وفات پا گیا اور اسکی جگہ اس کے بھائی سلیمان نے لی۔ سلیمان نے ولید کے تمام گورنروں کو معزول کر کے واپس دمشق بلا لیا سندھ سے محمد بن قاسم سپین سے موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد واپس ہوتے اور دمشق میں رسوا ہوئے اور بری موت مرے قتیبہ بن مسلم نے بغاوت کر دی لیکن فوج نے اس کا ساتھ نہ دیا اور وہ شکست کھا کر قتل ہو گیا اور یزید بن مہلب ایک بار پھر امیر خراسان مقرر ہوا۔

(۱)۔ بنو امیہ کے حکمرانوں کو تبلیغ اسلام سے کم ہی سروکار رہا۔

(۲)۔ وسط ایشیا کے بعض علاقے موسم سرما میں برف باری اور سرد ہواؤں کی وجہ سے لڑائی کیا کسی کام کے لئے بھی موزوں نہیں

(۳) موجودہ سنکیانگ جس کا رقبہ ۶۰۶۰۰۰ مربع میل ہے اور اس علاقے کے زیادہ تر لوگ ترک نسل کے مسلمان ہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ[1] ہے کہ خراسان کی فتح یعنی وسط ایشیا کا کم و بیش علاقہ عبدالرحمٰن بن امر نے ۶۴۱ء سے ۶۴۴ء تک فتح کیا لیکن باقاعدہ حکومت قائم کرنے کی نہ تو عمر فاروقؓ کی طرف سے اجازت تھی اور نہ انہوں نے ضرورت محسوس کی لیکن اس مردم خیز اور زرخیز علاقے کو چھوڑا بھی تو نہیں جا سکتا تھا، اس لئے ہر سال یلغار ہوتی رہی حتیٰ کہ یہاں کے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں میں دم خم نہ رہا اور کسی نے مزاحمت کرنے کی کوشش نہ کی سالانہ باج یا خراج وصول کرنے کا سلسلہ تو ۶۴۴ء سے جاری رہا۔ لیکن ۶۶۴ء میں معاویہ نے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے عبیداللہ ابن زیاد کو (گورنر) امیر خراسان بنا کر بھیجا۔ یاد رہے کہ مرو ۶۴۴ء سے عربوں کا فوجی ہیڈ کوارٹر چلا آ رہا تھا۔

زیاد ابوسفیان کی[2] ناجائز اولاد میں سے تھا جسے معاویہ اپنا بھائی نہیں مانتے تھے لیکن زیاد نہایت ذہین اور فطین تھا، مسلمان ہونے کے بعد جنگ قادسیہ اور جنگ نہاوند میں شریک ہوا، میدان جنگ میں مال غنیمت لیکر مدینہ پہنچا، اور بھرے دربار میں عمر فاروقؓ کے حضور جنگ میں مسلمانوں کے کارہائے نمایاں کا جس انداز میں اور جن الفاظ میں ذکر کیا اس سے عمر فاروقؓ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، عمر فاروقؓ کے بعد حضرت عثمان غنیؓ (جو خود بھی بنو امیہ میں سے تھے) نے بنو امیہ کے اس باثمر فرزند کو اعلیٰ عہدے پر فائز کیا۔ عمر فاروقؓ زیاد سے متاثر ضرور تھے، لیکن اسے اعلیٰ عہدے پر فائز کرنا مناسب نہ سمجھا۔ زیاد انتہائی محنتی اور ہوشیار تھا، ہر معاملے سے بخوبی عہدہ براہ ہوتا تھا، جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے زیاد کو فارس کا گورنر مقرر کیا، اور زیاد حضرت علیؓ کی شہادت اور حضرت امام حسن کے خلافت سے دستبردار ہونے کے بعد بھی ان کا طرفدار رہا۔

امیر معاویہ کسی طرح زیاد کی ذہانت اور دیگر صلاحیتوں کو اپنے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے کوفہ کے گورنر مغیرہ (جو زیاد کا دوست تھا) کو زیاد کے پاس بھیجا اور اسے راغب کیا کہ معاویہ سے صلح کی جائے اور اس کے آگے سر تسلیم خم کیا جائے اور یقین دلایا کہ معاویہ اسے اپنا بھائی تسلیم کرنے کا برملا اعلان کر دے گا اور اسی قسم کی دیگر مراعات اور اقتدار میں اضافے کی ترغیب بھی دی۔ زیاد مغیرہ کی ضمانت پر دمشق پہنچا۔ معاویہ نے بہت شاندار طریقے سے اس کا استقبال کیا اور اعلانیہ طور پر اسے اپنا بھائی تسلیم کر لیا اسے صرف فارس کا ہی نہیں اصطخر کا گورنر بھی بنا دیا۔ اور مغیرہ کی موت کے بعد کوفہ کو بھی اس کے حلقہ اقتدار میں دے دیا۔

---

(1) N.G.L. Hammond - Editor - The Cambrige Histray (Anceint) - London 1971

(۲) حمیدالدین - تاریخ اسلام - لاہور ۱۹۶۶ء - ص ۱۳۹

اور ساتھ ہی ساتھ اموی حکومت کے مشرقی علاقوں کا وائسرائے بھی زیاد ہی مقرر ہوا۔ زیاد نے ۶۷۴ء میں اپنے بیٹے عبید اللہ کو خراسان کا باقاعدہ گورنر بنا کر بھیجا۔

اس طرح عبید اللہ ابن زیاد ۶۷۴ء سے[1] لیکر ۶۷۵ء تک گورنر رہا۔ یاد رہے کہ بنو امیہ کے کم و بیش سبھی حکمران سیکولر تھے، وہ مذہب اور حکومت کو الگ الگ تصور کرتے تھے، ابن زیاد نے وسط ایشیا میں جس پالیسی کی داغ بیل ڈالی وہ استبدادی تھی اس نے ہر قیمت پر دمشق میں بیٹھے حکمران (خلیفہ) کو زیادہ سے زیادہ مالیہ بھیج کر خوش کرتا تھا۔ غلاموں اور کنیزوں سے دمشق کے امراء کے گھروں کو مزین کرتا تھا، عبید اللہ ابن زیاد وسط ایشیا کی کسی چھوٹی سی ریاست کی صلح کی درخواست بھی اس شرط پر قبول کرتا تھا کہ وہ چار سو کنیزیں اور چار سو غلام لڑکے پیش کرے۔

عبید اللہ کے بعد سعد بن عثمان امیر خراسان مقرر ہوا اس نے ۶۸۱ء تک حکومت کی انداز وہی تھا لیکن اس معیار کا نہ تھا اس لئے برطرف ہوا اور ۶۸۵ء میں سالم بن زیاد آیا، لیکن لوگ تنگ آچکے تھے اور اس کے خلاف بغاوتیں شروع ہو گئیں اور وسط ایشیا کا کافی علاقہ آزاد ہو گیا اس لئے اسے برطرف کر کے مہلب بن صفرا کو ۶۸۵ء میں گورنر بنا کر بھیجا گیا یہ نہ صرف اچھا جرنیل تھا بلکہ علم دوست، سخی اور رحم دل بھی تھا۔ اس نے بغاوتوں کو فرو کیا، اور نئی فتوحات کیں۔ اس کے سات بیٹے تھے۔ سارے کے سارے اچھے سپاہی تھے۔ فن سپاہ گیری میں یکتا تھے۔ اور ہر وقت مشق کرتے رہتے تھے۔ اور اکثر محاذ جنگ پر انہیں کی کمان میں لشکر لڑتا تھا۔ مہلب بن صفرا نے کامیاب حکمرانی کر کے ۸۰ سال کی عمر میں ۷۰۳ء میں وفات پائی اور اس کا بڑا لڑکا یزید بن مہلب اس کی جگہ امیر مقرر ہوا۔ لیکن یزید اچھا حکمران ثابت نہ ہو سکا مرد میدان تھا، لیکن امور حکمرانی سے ناآشنا تھا، بغاوت ہوئی ناکامی پر برطرفی ہوئی اور مشہور جنرل قتیبہ بن مسلم کو ۷۰۴ء میں گورنر بنا کر بھیجا گیا قتیبہ نے نہ صرف بغاوت کو فرو کیا بلکہ بہت سی نئی فتوحات کیں۔ مرو اس کا فوجی ہیڈ کوارٹر تھا۔

قتیبہ کا طریقہ کار کچھ اس طرح تھا کہ سردیوں میں یعنی موسم سرما میں وہ اپنے ہیڈ کوارٹر میں رہتا اور امور سلطنت اور مفتوحہ علاقوں کے نظم و نسق اور ان علاقوں پر اپنے تسلط کو مضبوط کرنے کی تدابیر کرتا رہتا۔ اور موسم گرما میں مزید فتوحات حاصل کرنے

---

(1) N G.L Hammond - Editor - Cambrige History (Anceint) London - 1971

نکل جاتا۔ اس نے یکے بعد دیگرے وسط ایشیا کی تمام ریاستوں کو فتح کر کے خراسان کا حصہ بنایا، ۷۱۴ء میں چینی ترکستان یعنی مشرقی ترکستان جو چین کے زیر تسلط تھا کو فتح کیا۔ مسعودی اور طبری کے مطابق شہنشاہ چین نے بھی قتیبہ کے آگے سر تسلیم خم کیا لیکن جیسا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ بارتھ ہویڈ اور دیگر مغربی تاریخ نویس اس کو غلط قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صرف کاشغر اور ختن کو فتح کرنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ شہنشاہ چین نے اسے تسلیم کیا۔

۷۱۵ء[1] میں قتیبہ بن مسلم کو خلیفہ ولید بن عبدالمالک کی موت پر اس کے بھائی سلیمان نے واپس بلا لیا، قتیبہ بن مسلم کو گمان تھا کہ وہ وسط ایشیا میں بہت مقبول ہے اور افواج اس کے تابع ہیں، لیکن جونہی خلیفہ کے دربار سے اس کی معزولی اور واپسی کا حکم آیا کسی نے اس کا ساتھ نہ دیا اور وہ اپنے چند ساتھیوں سمیت خلیفہ کی بھیجی ہوئی فوج کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا، ۷۱۵ء میں یزید بن مہلب دوبارہ گورنر خراسان مقرر ہو کر آیا اور قتیبہ کی فتوحات کو آگے بڑھایا۔ اور خلیفہ سلیمان کو ایک رپورٹ میں اپنے آپ کو قتیبہ سے بڑا فاتح اور زیادہ مال غنیمت اور مالیہ اکٹھا کرنے والا قرار دیا لیکن اس کی بدقسمتی کہ ۷۱۷ء میں سلیمان فوت ہوا، اور اس کی جگہ عمر ثانی (عمر بن عبدالعزیز) جن کا درجہ بلاشبہ فرشتوں سے بہت بلند ہے۔ جسے تاریخ نے پانچواں خلیفہ راشد تسلیم کیا ہے خلیفہ مقرر ہوئے۔ عمر بن عبدالعزیز نے تمام غیر شرعی قوانین منسوخ کئے اور خلیفہ راشدین جیسی زہد و تقویٰ اور پرہیزگاری کی مثال قائم کی۔ وسط ایشیا کے نو مسلم جو ہمیشہ بغاوت پر آمادہ ہوتے تھے اور خارجی جنہوں نے تمام اموی حکمرانوں کو ناکوں چنے چبوائے۔ عمر بن عبدالعزیز کے دور میں بالکل مطیع ہو گئے۔ اور انہیں خلیفہ راشد تسلیم کیا۔

یزید بن مہلب جیسے عیاش حکمرانوں کی یہاں کیسے چل سکتی تھی۔ جب اس کا محاسبہ کیا گیا اور مال غنیمت اور وصول شدہ مالیہ کا حساب مانگا گیا تو یزید بن مہلب کی سیٹھی گم ہو گئی اور وہ گرفتار ہو کر جیل کی ہوا کھانے لگا۔ بنو امیہ کو عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحات پسند نہ آئیں، کیونکہ ان سے ناجائز حاصل شدہ زمینیں واپس لی جانے لگیں۔ انہوں نے اس نیک اور فرشتہ خصلت انسان کو زہر دیکر شہید کر دیا۔ آپ کی شہادت کے بعد سلطنت کے طول و عرض میں ایک خلفشار کا سا سماں پیدا ہو گیا۔ مرکز میں حکومت متزلزل تھی اس لئے یہاں وسط ایشیا میں بھی حالات خراب ہو گئے۔ ۷۲۰ء سے ۷۳۵ء تک کئی گورنر آئے اور گئے۔

---

(1) Barthold - Turkistan down to the Mangol invastion - London 1968 - P 203

آخر ۷۳۵ میں نصر بن سیار کو گورنر بنا کر بھیجا گیا یہ نہایت ہی سمجھدار، بردبار اور لائق گورنر تھا، اس نے بغاوتوں کو اپنی حکمت عملی سے فرو کیا اور اقتدار کی بحالی کو یقینی بنایا لیکن نصر بن سیار کی بدقسمتی کہ بنوامیہ کے خلاف ہر سطح پر درپردہ کام ہو رہا تھا، بظاہر خاموشی تھی، مگر یہ خاموشی ایک بڑے طوفان کا پیش خیمہ تھی۔

بنو عباس کے داعی (Propagandists) فقیروں، درویشوں، تاجروں اور مبلغوں کے روپ میں ملک کے طول و عرض اور خصوصی طور پر وسط ایشیا میں بنوامیہ کے خلاف اور اہل بیت کے حق میں پروپیگنڈہ کرتے تھے حضرت عباس رسول کریمؐ کے چچا تھے، کربلا کے معرکہ میں شہید ہوئے۔ ان کے بیٹے عبداللہ نے گوشہ نشینی کی زندگی گذاری۔ عبداللہ کے بیٹے علی کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ امام علی نے فلسطین کے ایک گاؤں حامیہ میں خفیہ تحریک کا آغاز کیا۔ امام محمد بن علی نے اس تحریک کو آگے بڑھایا محمد بن علی کی وفات پر اس کا بڑا بیٹا ابراہیم جانشین مقرر ہوا اس کے دور میں عباسی تحریک زور پکڑ گئی۔ بنوامیہ کی حکومت بظاہر نہایت ہی مضبوط تھی لیکن اندر ہی اندر سے ملک کے طول و عرض میں امویوں کے خلاف نفرت پروان چڑھ رہی تھی۔

اور لوگ موقع کی تلاش میں تھے۔ ابراہیم بن محمد نے از سرنو اس تحریک کی تنظیم کی۔ اس کے اصول و قواعد بنائے، اور ایک تجربہ کار داعی (Propagandist) بکیر بن ماہان کو ان قواعد کے اجرا کے لئے خراسان بھیجا۔ اس نے تمام عباسی داعیوں کو جمع کر کے امام کے احکام و نصائح سنائے، ان سے امام کی بیعت لی۔ اور نذرانہ عقیدت لے کر امام کی خدمت میں حامیہ واپس آیا۔ ابراہیم کے دور میں عباسی تحریک کو بڑا فروغ ہوا، تاریخ میں اس کی بڑی تفصیل موجود ہے[1] عباسی تحریک میں ابومسلم خراسانی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

۱۔ شاہ معین الدین احمد ندوی تاریخ اسلام حصہ دوم کراچی ۱۹۷۳ء ص ۳۱۸

ابو مسلم خراسانی

یہ عجمی النسل اور پارسی نژاد نومسلم تھا کوفہ میں عباسی داعیوں کے دامن میں اس کی نشوونما ہوئی عباسی داعی عیسیٰ بن موسیٰ سراج نے اس کی تربیت کی اور اسی وسیلہ سے وہ عباسی تحریک میں شامل ہوا۔ معقل بن ادریس عباسی داعی نے اس کی ہونہاری اور ہوشیاری دیکھ کر عیسیٰ سے اسے خرید لیا معقل کے پاس ابو مسلم کے جواہر اور بھی کھلے۔ لیکن عباسیوں کی اس تحریک کا اموی حکام کو علم ہوگیا، انہوں نے بغاوت کے جرم میں عیسیٰ معقل اور ابو مسلم کو گرفتار کرلیا، کیونکہ ان کے خلاف اموی خلافت کے خلاف لوگوں کو اکسانے کا الزام تھا، لیکن اموی حکام یہ معلوم کرنے میں ناکام رہے۔ کہ ان کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے۔ کیونکہ عباسی تحریک کا امام بظاہر شہری آبادی سے دور فلسطین کے ایک گاؤں میں گوشہ نشینی کی زندگی گذار رہا تھا ان کے داعی گرفتار ہونے پر بیعت کے مطابق موت کو گلے لگا لیتے لیکن راز نہ دیتے اور ان کے جرم کو ان کا ذاتی جرم سمجھ کر سزا دی جاتی۔ سرکاری عہدوں پر بھی بعض عباسی داعی کام کر رہے تھے اور بعض دل و جان سے (بحثیت مسلمان کے) امویوں کو غاصب اور اہل بیت کو خلافت کا حق دار سمجھتے تھے اس لئے ان داعیوں کے کام کو فروغ ملتا رہا۔

خواجہ تاش عیسیٰ خفیہ طور پر قید خانے آتے، اور ابو مسلم کے چہرے پر ذہانت اور ہوشمندی کے آثار کے علاوہ اس کی خوبصورت جوانی اور سلیقہ کو دیکھ کر بہت متاثر ہوتے اور امام محمد بن علی سے ابو مسلم کے اوصاف بیان کئے۔ انہیں اپنی تحریک کی کامیابی کے لئے ایسے ہی ہونہار اور ذہین آدمیوں کی ضرورت تھی اس لئے انہوں نے اسے اپنے اثر ورسوخ سے آزاد کرالیا اور اپنے پاس حامیہ بلالیا۔

ابو مسلم نہایت دانشمند اور زیرک تھا اس نے بہت جلد محمد بن علی کا اعتماد حاصل کرلیا اور ان کا معتمد اعلیٰ اور راز دار بن گیا اور دوسرے داعیوں کے پاس خفیہ پیغام لے جانے کا کام سنبھال لیا۔ اس نے اپنی خدمت گزاری۔ بہترین کارکردگی اور معاملہ فہمی سے اتنا اعتماد حاصل کرلیا کہ ابراہیم نے اس کو رئیس الدعاۃ (Chief Propagandist) بنا کر خراسان بھیجا اور خود اپنے ہاتھ سے عباسی نشان جس کا نام "سحاب" رکھا تھا بنا کر روانہ کیا خراسان میں ابو مسلم نے ہوشیاری سے عباسی تحریک کو پروان چڑھایا،

اور وسط ایشیا کے طول و عرض میں اسے بڑی تیزی سے پھیلایا۔

اس[1] نے بڑی دانشمندی سے کام لیا اور خراسان (موجودہ وسط ایشیا) کے چپہ چپہ میں جہاں اموی حکومت تھی عباسیوں کی تحریک کو وہاں مقبول بنایا اور بنو امیہ کے خلاف لوگوں کے دلوں میں زہر بھر دیا چند ہی دنوں میں تحریک نے اتنی طاقت پکڑ لی اور اتنے لوگ اس میں شامل ہو گئے اور ابو مسلم اس قدر بااختیار ہو گیا کہ وہ جب چاہتا لوگ بنی امیہ کے خلاف اعلانیہ مقابلے کیلئے اٹھ سکتے تھے۔ ابو مسلم نے اپنے پیروکاروں کو فیصلہ کن جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا اور اس کے انتظام کو آخری شکل دی اور ہر علاقے کا امیر مقرر کیا ابو مسلم یا عباسیوں کی خوش قسمتی کہ انہی دنوں میں مصر، یمن اور ربیعہ میں خارجیوں نے علم بغاوت بلند کیا اور مروان ثانی جو بنو امیہ کے قابل ترین حکمرانوں اور اچھے فوجی جرنیلوں میں سے تھا، نے انہیں کچلنے کیلئے لشکر کشی کی۔

وسط ایشیا میں نصر بن سیار بظاہر بڑی کامیابی اور کامرانی سے حکمرانی کر تارہا بظاہر ہر طرف امن و امان تھا، لیکن اندر ہی اندر لاوا ایک رہا تھا عربوں کے خلاف نفرت عوام کے دلوں میں پہلے سے موجزن تھی، کیونکہ عربوں نے یہاں کی نو مسلم رعایا کے ساتھ کبھی بھی (سوائے عمر بن عبدالعزیز کے دور کے) مساویانہ برتاؤ نہیں کیا تھا حالانکہ مسلمان ہونے کے بعد وسط ایشیا کے لوگ عربوں کے مقابلے میں دینی علوم پر زیادہ عبور رکھتے تھے، بہترین مجاہد تھے لیکن ان کو اچھے عہدے نہ دیئے گئے، عرب گھوڑوں پر اور وہ پیدل جہاد کرتے تھے، عربوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو اعلیٰ نسل اور اونچے درجے کے انسان سمجھا۔ جبکہ عجمیوں کو دوسرے درجہ کا شہری سمجھا۔ اور بعض گورنروں نے تو نو مسلموں سے بھی جزیہ وصول کیا۔ جس سے وہ ان سے متنفر ہو گئے تھے۔ جب مسلم خراسانی نے عباسیوں کے کالے جھنڈے کو ۷۴۷ء میں لیکر علم بغاوت بلند کیا، تو ایسا لگتا تھا کہ پوری رعایا میں امویوں کا کوئی طرفدار ہی نہیں۔ نصر بن سیار نے خلیفہ مروان ثانی کو لکھا کہ اگر اس بغاوت کو یہیں نہ کچلا گیا تو یاد رکھیں یہ آپ کی خلافت کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گی۔ عوام کے سیلاب کا مٹھی بھر عربی فوج مقابلہ نہ کر سکی۔ اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے یکے بعد دیگرے وسط ایشیا کے علاقے ابو مسلم خراسانی کے زیر تسلط آتے چلے گئے اور نصر بن سیار کو ایران کی طرف بھاگنا پڑا۔ ابو مسلم کی کامیاب افواج اس کا تعاقب کرتی رہیں اور آخر کار وہ مارا گیا اور فاتح افواج ایران سے ہوتی ہوئی کوفہ میں داخل ہو گئیں۔

---

(۱) شاہ معین الدین ندوی - تاریخ اسلام حصہ دوئم - کراچی ۱۹۷۳ء - ص ۲۲۵

ادھر مروان ثانی کو جب علم ہوا کہ فساد کی اصل جڑ تو امام ابراہیم ہے جو بظاہر گوشہ نشین ہو کر حمامیہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ تو اس نے اسے دمشق بلا کر قتل کر دیا۔ اس کا بھائی عبداللہ ابو عباس روپوش ہو گیا۔ اور جب ابو مسلم کی کامیاب افواج کوفہ میں داخل ہوئیں تو ابو عباس اپنی پناہ گاہ سے باہر نکل آیا اور ۷۴۹ء میں عباسیوں کا پہلا خلیفہ تسلیم کیا گیا ابو مسلم کی افواج نے پیش قدمی جاری رکھی آخر ۷۵۰ء میں دریا ژاب کے کنارے مروان ثانی نے بڑی بے جگری سے لڑتے ہوئے اور داد شجاعت دیتے ہوئے جان کی بازی کے ساتھ ساتھ سلطنت بھی گنوادی ابو عباس کے حکم سے بنو امیہ کے بچے بچے کو تہ تیغ کیا گیا۔ صرف ایک شہزادہ عبدالرحمٰن بچ کر ہسپانیہ بھاگ جانے میں کامیاب ہوا۔

اس طرح وسط ایشیا میں(۱) عربوں کا اقتدار ختم ہوا اور عجمی اقتدار کا دور شروع ہوا اور مسلم خراسانی خراسان کا حکمران یعنی امیر خراسان مقرر ہوا۔ پورے خراسان میں مسلم خراسانی کو لوگ دیوتا مانتے تھے۔ اور اس کا پرستش کی حد تک احترام کرتے تھے اور اسے اپنا نجات دہندہ تصور کرتے تھے، پہلی بات تو یہ تھی کہ ابو مسلم انہی میں سے تھا، دوسری بات یہ کہ وہ غریب تھا اور غریب پرور بن گیا۔ اس نے اصلاحات کیں اور یہاں کا سرمایہ یہیں پر خرچ کرنا شروع کیا۔ عباسی خلیفہ جس کا تاج و تخت اسی کا مرہون منت تھا۔ بھلا کیا کہہ سکتا تھا۔ اس نے (ابو عباس) خود وہ ظلم کا بازار گرم کیا ہوا تھا کہ الامان پہلے بنو امیہ کے بچے بچے کو چن چن کر قتل کیا اور پھر اہل بیت کی سرزنی کیلئے کمربستہ ہوا، لیکن موت نے آگھیرا۔ کیونکہ خود اس نے امویوں کے کسی فرد کو زندہ نہ چھوڑا تھا بلکہ ان کی قبروں کو بھی مسمار کیا، ان کی ہڈیاں تک جلا ڈالیں، صرف ہشام کی لاش ثابت ملی اسے سولی پر چڑھا دیا اس لئے خود اس نے مرنے سے پہلے وصیت کی کہ میری سو قبریں بنائی جائیں اور ان میں سے کسی ایک میں مجھے دفن کریں، تاکہ میری لاش کی بے حرمتی نہ ہو۔ جس طرح اس نے دوسروں کی لاشوں کی بے حرمتی کی تھی۔

اس کی موت کے بعد اس کا بھائی جعفر "منصور" کے لقب سے خلیفہ بنا اس کے خلاف اس کے چچا عبداللہ فاتح کوفہ و عراق نے بغاوت کر دی۔ جس کی سرکوبی کیلئے مسلم خراسانی کی خدمات پھر سے حاصل کی گئیں۔ مسلم خراسانی نے عبداللہ کو شکست دے کر بیٹوں سمیت گرفتار کیا۔ جسے خلیفہ منصور نے بعد میں ایک ایسے گھر میں بیٹوں سمیت نظر بند کیا جس کی بنیادیں نمک پر

---

(۱) میر اشرف علی - تاریخ افغانستان - کراچی - ۱۹۸۲ء - ص ۱۲۸

رکھی گئیں تھیں۔جب برسات کا موسم آیا، بارشیں ہوئیں تو عبداللہ اپنے بیٹوں سمیت اسی گھر میں دفن ہو گیا۔

اب منصور صرف بادشاہ گر (King Maker) مسلم خراسانی سے ڈر رہا تھا۔ کیونکہ دوسری دفعہ بھی انہیں[1] تاج و تخت دلوانے میں اس نے ان کی مدد کی تھی مسلم خراسانی کو ۷۵۵ء میں بڑا اعزاز دینے کیلئے دمشق طلب کیا گیا۔ جب وہ دربار میں پہنچا تو بڑا شاندار استقبال کیا گیا دعوت کے بعد جب منصور نے ملاقات کیلئے اسے محل کے اندر بلایا۔ تو وہاں چھپے ہوئے جلادوں نے مسلم خراسانی کا کام تمام کر دیا۔ اور راتوں رات مسلم خراسانی کے ساتھیوں کا بھی صفایا کر دیا گیا۔ اس طرح وسط ایشیا کا یہ نامور سپوت عربوں کے ہاتھوں مارا گیا جس سے خراسان کے لوگوں کے دلوں میں نفرت مزید تقویت پکڑ گئی کیونکہ وہ ابو مسلم کو دیوتا سمجھتے تھے اور مافوق الفطرت قوت کا مالک سمجھتے تھے۔ اس کی موت کے بعد اس کے مشن کو آگے بڑھانے اور زندہ رکھنے کیلئے ہاشم بن حاکم المعروف المقنہ (یعنی پردہ پوش) کیونکہ یہ ہمہ وقت نقاب میں رہتا تھا اور کسی نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا تھا، آیا۔ (Almuqqana) المقنہ مسلم خراسانی کے دربان میں سیکرٹری (کاتب) تھا اور مسلم کے معتمدین میں سے تھا۔ سبناد کی بغاوت کی ناکامی کے بعد اس نے علم بغاوت بلند کیا۔ سبناد شروع میں بہت کامیاب رہا پورے خراسان پر آسانی سے قبضہ کر لیا، کیونکہ عوام اس کے ساتھ تھے۔ لیکن منصور نے جمہور بن مرار عجمی جیسے جرنیل کو دس ہزار سوار دے کر بھیجا جس نے اپنی حکمت علمی سے اس بغاوت کو فرو کیا ہمدان اور رے میں سبناد کے حامیوں اور خلیفہ منصور کی افواج میں گھمسان کا رن پڑا لیکن جمہور عجمی کا پلڑا بھاری رہا۔ اور کم و بیش ساٹھ ہزار افراد قتل ہوئے اور سبناد لڑتا ہوا مارا گیا لیکن یہاں جب جمہور نے خراسان کے لوگوں کی عربوں سے نفرت دیکھی تو اس کی نیت بدل گئی۔ جمہور خود بھی عجمی النسل تھا۔ جب اس نے اپنے عجمی النسل ہونے کا راز خراسان کے لوگوں پر فاش کیا تو وہ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے لیکن اس کے ساتھ آئی فوج جس میں زیادہ تعداد عربوں کی تھی وہ خلیفہ کے وفادار تھے لیکن جمہور نے حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہوئے خراسان میں اپنی بادشاہیت کا اعلان کر دیا۔ حالانکہ اس کی افواج مال غنیمت لے کر دمشق (ہاشمیہ) جانے کیلئے تیار بیٹھی تھی۔ ایک سال اسی طرح گزر گیا۔ جس طرح منصور نے مسلم خراسانی کو دھوکے سے دربار میں بلا کر اس کو قتل کرا دیا تھا اسی طرح اس نے جمہور کو بھی اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کی۔

---

(۱) ابن کثیر - تاریخ مسعودی - جلد ۴ - لاہور - ص ۲۴۵

جمہور منصور کی چالوں سے واقف تھا۔ اس لئے اس کی چالیں اس پر نہ چل سکیں اور جمہور مطلق العنان بن بیٹھا۔ خلیفہ منصور نے عبدالجبار بن عبدالرحمن کو گورنر بنا کر بھیجا اور محمد بن اشعث کو ایک بڑی فوج دے کر جمہور کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا جمہور کے ساتھیوں میں پھوٹ پڑ گئی اور جمہور کا سر خود انہوں نے قلم کر کے منصور کے پاس بھیج دیا۔ اور جمہور کی افواج کا ابن اشعث نے صفایا کر دیا اور کچھ روپوش ہو گئے۔ اب لوگ ہاشم بن حاکم المقنع کے گرد جمع ہو گئے اس نے ۷۵۸ء میں اقتدار سنبھالا اور ۷۸۵ء تک اسی کا راج رہا۔

ہاشم بن حاکم المقنع

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے، ہاشم بن حاکم المقنع مسلم خراسانی کا داعی اور پیرو کار تھا یہ بلا کا ذہین اور سائنس دان تھا اس نے مرو میں ایک کنوئیں میں سے ایک چاند کا ظہور کیا۔ اس چاند کی روشنی چالیس میل تک جاتی تھی۔ یہ چاند شام کو کنوئیں سے نکلتا اور آسمان کی طرف اٹھتا جاتا تھا۔ اور پورے علاقے کو منور کرتا تھا۔ المقنع کہتا کہ یہ اس کا معجزہ ہے۔ یہ چاند آسمانی چاند کے طلوع ہوتے ہی واپس کنوئیں میں چلا جاتا۔ اندھیری راتوں میں یہ ساری رات آسمان پر رہتا اور صبح کنوئیں میں واپس اتر جاتا تھا۔ المقنع کی موت یا روپوشی کے بعد اس کے مخالفین نے اس چاند کو روکنے کے لئے کنوئیں پر تختے لگا دیئے مگر چاند انہیں چیر کر باہر نکل آتا اور واپسی پر تختوں کو چیر کر اندر اتر جاتا، آخر خلیفہ مہدی کے حکم سے اس چاند کو توڑا گیا۔ تاکہ لوگوں کے دماغ سے المقنع کا طلسم نکل جائے۔

وسط ایشیا کی مشہور اسلامی شخصیات میں سے بھی اکثر بنو امیہ، بنو عباس، علوی اور خارجیوں کے نظریات کی زد سے نہ بچ سکے، اگر حالات و واقعات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک صدی کے اندر مسلمانوں کی سوچ میں کتنا انقلاب پیدا ہو چکا تھا مفاخر نسبی جس کو اسلام نے سختی سے منع کیا اور ابتداء میں ہی کافی حد تک اسے مٹا دیا تھا کس بری طرح ابھر آیا۔ عوام کا تو ذکر ہی کیا؟ خواص اور ائمہ دین تک جن کو مسلمانوں کے لئے نمونہ ہونا چاہئے تھا، ان مہلک خیالات میں مبتلا تھے جس کے نتیجہ میں المقنع اور اس طرح کی دیگر شخصیات معرض وجود میں آئیں، جنہوں نے دین اسلام کا خوب مذاق اڑایا اور کافی تعداد میں لوگوں کو مرتد کرنے

میں کامیاب ہوتے ۔ ہاشم بن حاکم المقنہ کی تعلیمات دو عجیب نظریات پر مبنی تھیں ایک تو ہندوؤں کا مسلہ۔ آوٗ گان یعنی تنسخ کا مسلہ (Transmigration of soul) یعنی روح کا ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہونا۔ دوسرا خدا بندہ کی شکل اختیار کر کے زمین پر آتا ہے ۔ جیسے ابومسلم اور میں خود وغیرہ وغیرہ

ابو عبداللہ یعقوب

یعقوب[1] کا باپ داود اور اس کے دوسرے بھائی آخری اموی امیر خراسان (۱۲۰ھ۔۔ ۱۳۰ھ) نصر بن سیار کے کاتب تھے ابتدا میں یعقوب[2] تشیع عقیدے کا حامل تھا اور عبداللہ بن حسن کی طرف مائل تھا چنانچہ منصور کے زمانے میں اس کا سارا گھرانہ امام ابراہیم بن عبداللہ کے ساتھ ہوگیا تھا ۔ ابراہیم کے مارے جانے کے بعد ان کے حامیوں کے ساتھ یعقوب بھی گرفتار ہو کر قید ہوگیا تھا منصور کے بعد مہدی نے اپنے زمانے میں سیاسی قیدیوں کو رہا کیا تو ان میں یعقوب بھی رہا ہوگیا مہدی علویوں اور سادات کی مخالفت سے گھبراتا تھا ۔ اس لئے اس کو ایسے اشخاص کی تلاش تھی جو علویوں کے ساتھ رہ چکے ہوں اور ان کے رازوں سے واقف ہوں ۔ جن پر علوی بھروسہ کرتے ہوں ، ایسے لوگوں کو اعتماد میں لیکر علویوں کے خلاف استعمال کیا جائے ، یعقوب ان لوگوں میں سے تھا ۔ اس لئے مہدی[3] نے یعقوب کو موزوں شخص سمجھ کر ربیع کی سفارش پر دربار میں بلایا ۔ پہلی ہی ملاقات میں یعقوب کی دانشمندی اور ذہانت کا مہدی پر بہت گہرا اثر پڑا ۔ اور اس نے اسے اپنے خواص میں شامل کرلیا ، اور وسط ایشیا کا یہ نامور سپوت ترقی کرتے کرتے منصب وزارت تک پہنچ گیا ، اور خلیفہ مہدی کے مزاج تک اتنا رسوخ حاصل کر لیا کہ مکمل امور مملکت پر حاوی ہوگیا ۔ ظاہر ہے اس قدر وسیع اقتدار نے اس کے بہت سے حاسد پیدا کر دیئے ، جنہوں نے اس کو مہدی کی نظروں سے گرانے کی کوششیں شروع کر دیں اور مہدی کے کان بھرنے لگے ۔ یعقوب کے دل میں آل حسن کی محبت برابر قائم تھی اور وہ اعلانیہ ان کی حمایت بھی کرتا

۱۔ جہشیاری کتاب الوزراء والکتاب ص ۷۶

۲۔ ابن طقطقہ طباطائی الفخری ص ۱۴۵

۳۔ ابن اثیر تاریخ ابن اثیر جلد ۷ لاہور ۱۹۶۵ء ص ۲۳

تھا۔ اپنے عہد وزارت[1] میں اس نے بہت سے اہل زید یعنی زیدیوں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ خود بھی ان عہدوں کے اہل تھے، لیکن حاسدوں کو موقع مل گیا اور انہوں نے مہدی سے کہا کہ اب تو سلطنت پر یعقوب اور اسکی جماعت کا مکمل قبضہ ہے اور وہ جب چاہے اسے زیر وزبر کر سکتا ہے۔ مہدی علویوں کے بارے میں یعقوب کے جذبات سے آگاہ تھا اس لئے اس کے دل میں یہ بات اتر گئی۔ ویسے بھی شخصی حکومت میں کسی بھی منصب دار یا امیر کا زیادہ بااثر ہونا حکمران کے لئے خطرے کا باعث ہوتا ہے مہدی نے یعقوب کو آزمانے کے لئے ایک علوی کو یعقوب کے حوالہ کیا تاکہ اسے قتل کر دے۔ یعقوب نے علوی کو قتل کرنے کا قصد کیا۔ علوی نے یعقوب سے کہا میں علی بن ابی طالب اور فاطمہ کی اولاد ہوں تم میرے خون کا بار اپنی گردن پر لے کر خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ یعقوب نے کہا خدا کی قسم یہ بار میں اپنی گردن پر نہ لونگا تم یہ مال لو اور اپنی جان بچا کر نکل جاؤ ایک جاسوس لونڈی جو اس کام پر مامور تھی نے یہ گفتگو سن کر فوراً مہدی کو مطلع کر دیا۔ مہدی نے بھاگتے ہوئے علوی کو گرفتار کروا لیا اور یعقوب کو بلا کر پوچھا کہ تم نے علوی کو کیا کیا؟ یعقوب نے کہا خدا نے امیر المومنین کو مطمئن کر دیا مہدی نے کہا کیا وہ مر گیا؟ یعقوب نے اثبات میں جواب دیا، مہدی نے یعقوب سے قسم لی اور قسم لینے کے بعد علوی کو بلا کر سامنے کھڑا کر دیا۔ یعقوب اسے دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا اور کسی حیلہ کی گنجائش باقی نہ تھی۔

مہدی نے اسی وقت یعقوب کو قید کرنے کا حکم دے دیا وہ کئی سال تک قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرتا رہا اور ہارون الرشید کے زمانے میں رہائی پائی۔ کافی بوڑھا ہو چکا تھا، حج کا قصد کیا اور وہیں مکہ میں وفات پائی۔ اکثر مسلمان بادشاہ جب کسی بااثر شخص سے بغیر قتل کئے جان چھڑانا چاہتے تو اسے حج پر بھیج دیا جاتا تھا۔ اور پھر وہ کبھی بھی حج سے لوٹ کر نہ آتا تھا۔ وسط ایشیا اور ہندوستان کی اسلامی دور کی تاریخ اس قسم کے لاتعداد واقعات سے بھری پڑی ہے۔

یعقوب نے اپنے عہد وزارت میں وسط ایشیا کے لوگوں پر بہت سی عنایات کیں۔ علم وہنر کو یہاں فروغ دینے

۱۔ ابن طقطقہ طبا طبائی الفخری ص ۱۶۷-۱۶۹
ابن اثیر اور طبری میں بھی اس کی تصدیق کی گئی ہے۔

کے لئے وہ وقتاً فوقتاً امیر خراسان کو خلیفہ کی طرف سے ہدایات بھیجتا رہتا تھا اسی کی کوشش سے بخارا، ہرات، ملتان اور سندھ تک مسجد و مدارس قائم ہوئے۔ جہاں کئی جید علماء کو بغداد سے درس دینے کے لئے مالی امداد کے ساتھ بھیجا۔ یعقوب خود عربی زبان کا جید عالم اور شاعر تھا، لیکن وہ اپنی مادری زبان فارسی کو بھی نہیں بھولا۔ وسط ایشیا اور ایران کا مزاج شناس ہونے کی وجہ سے مہدی کا وسط ایشیا میں اقتدار قائم کرنے یہاں کے لوگوں کو پر امن رکھنے اور حکومت کا وفادار بنانے کا کام سرانجام دیتا رہا۔

فیض ابن صالح

فیض کا باپ عیسائی تھا لیکن فیض نے اسلام قبول کیا، اس نے بلخ میں آنکھ کھولی لیکن تعلیم و تربیت نیشاپور میں پائی۔ بغداد پہنچنے پر اس کے تمام گھرانے نے اسلام قبول کیا، اور عباسیوں کے زیر سایہ فیض عباسیوں کی فیاضیوں سے مستفید ہوتے ہوتے منصب وزات تک پہنچ گیا یہ جود و کرم میں عدیم النظیر تھا، یحییٰ بن خالد برمکی جس کی فیاضیوں کی داستانیں مشہور عالم ہیں وہ خود کہا کرتا تھا کہ اگر تم فیض ابن صالح کی فیاضیاں دیکھتے تو میری فیاضیاں تمہیں حقیر معلوم ہوتیں۔ فیض ایران اور توران (وسط ایشیا) کے لوگوں پر خاص مہربان تھا، ان کی ہر درخواست کو بار قبولیت دیتا، بغداد میں بیٹھے وسط ایشیا کے لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتا تھا۔ مہدی کے بعد جب ہادی خلیفہ ہوا تو اس نے وزارت سے علیحدگی اختیار کی۔ ہارون الرشید کے زمانے تک زندہ رہا اور بہت احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی نماز جنازہ خود ہارون الرشید (۱) نے پڑھائی۔

فیض خود بھی عالم تھا اس نے چند کتابیں لکھیں جو دست برد زمانہ سے باقی نہ رہیں۔ علم پرور تھا، اس کی محفل میں اہل ادب و علم اپنے علمی مسائل پر بحث کرتے اور اس طرح کی محفلوں میں علم و فضل کے اعلیٰ نکات کو فیض کے حکم سے ضبط تحریر میں لایا جاتا۔ جو بعد میں جواہر فیض (۲) کے نام سے کتابی صورت میں عامر بن سالم نے تحریر کی صاحب علم و کمال خصوصی طور پر وسط ایشیا سے فیض بن صالح کے دربار کا رخ کرتے اور فیض یاب ہوتے جس کی بدولت وسط ایشیا میں علم و ادب اور فن کا ذوق و شوق لوگوں میں زیادہ ہوتا رہا کیونکہ قدردان موجود تھا۔

۱۔ ابن طقطقہ طباطائی الفخری ص ۱۷۰-۱۶۹

۲۔ ازرقی تاریخ مکہ جلد نمبر ۱ ص ۱۷۶-۱۷۵

مامون رشید

ہارون رشید کی متعدد اولادیں تھیں ان میں وہ امین رشید اور مامون رشید کو زیادہ اہمیت دیتا تھا۔ امین سب سے بڑا تھا اور شہزادی زبیدہ کے بطن سے تھا۔ اس کی تربیت فضل برکی نے کی جب کہ مامون جو ایک تاجیک ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا، نہایت زیرک اور ہونہار تھا، اس کی پرورش اور تربیت جعفر برکی کے زیر سایہ ہوئی مامون کی مادری زبان فارسی تھی اور جعفر برکی بھی فارسی دان تھا۔ اس نے اس کی تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ویسے بھی مامون میں امین سے بڑھ کر صلاحیتیں تھیں، مختصر یہ کہ وہ ہر حیثیت سے امین سے ممتاز تھا۔ ہارون رشید بھی اس کی ذہانت اور علم کی وجہ سے اس کی بہت قدر کرتا تھا، اور فخر سے اس کا ذکر کرتا، لیکن امین شہزادی زبیدہ جو ہارون کی چہیتی بیوی کے بطن سے ہونے کے سبب ولی عہد بن گیا۔ مامون کی اشک شوئی کے لئے اسے خراسان کا گورنر مقرر کر دیا گیا (موجودہ وسط ایشیا کا زیادہ تر علاقہ اسی صوبہ خراسان کے تحت آتا تھا) ۷۹۵ سے لیکر ۸۱۳ عیسوی تک مامون خراسان یعنی وسط ایشیا کا صوبیدار رہا جسے عربی میں امیر خراسان کہتے تھے

، نوجوان مامون جس کی ماں اسی سرزمین کی پیداوار تھی نے دل وجان سے اس علاقہ کی ترقی اور خوشحالی کے لئے۔ کوشش کی۔ یہاں کے لوگ بھی زبان اور نسل کی وجہ سے مامون کے بہت قریب تھے۔ عربوں کے خلاف وسط ایشیا کے لوگوں کی جو نفرت تھی، عہد مامون میں نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ مامون کا دربار بالکل ایرانی طرز کا تھا، سرکاری زبان فارسی اور عربی تھی فارسی زبان کو اس دور میں بہت ترقی ہوئی مسجد سکول اور مدرسے وجود میں آتے چلے گئے اور وسط ایشیا میں تعلیم و تعلم کا دور دورہ ہو گیا اس نے فوج کو شہری علاقوں سے دور اور ہمیشہ زیر مشق اور مصروف جنگ رکھا مامون انیس سال تک وسط ایشیا کا مطلق العنان بادشاہ رہا اس کی افواج ہند و سندھ پر بھی حملہ آور ہوتیں رہیں۔ اس کی فوج میں تاجک اور ترک سپاہ کی بہتات تھی۔ عرب برائے نام تھے۔

رعایا کی سہولت کے لئے رفاعامہ کے کاموں کا الگ محکمہ قائم کیا گیا، رعایا کے جان ومال کی حفاظت کے لئے۔ یہاں عسکری (پولیس) کا محکمہ بالکل عہد فاروقی کے طرز پر قائم کیا گیا۔ مامون کے دور میں وسط ایشیا میں جو خوشحالی کا دور تھا، اس کی مثال اس سے قبل کے مسلمان حکمرانوں کے عہد میں نہیں ملتی، حد تو یہ تھی کہ ترکوں کے اس سرکش علاقہ میں۔ جہاں ہر حکمران کے خلاف علم

بغاوت بلند ہوا، لیکن مامون کے عہد حکومت میں کسی قسم کی بغاوت کا ثبوت نہیں ملتا۔ جس سے ظاہر ہے کہ انصاف کا دور دورہ تھا۔ جب انصاف میسر ہو اور عوام کے مال و جان کی حفاظت ہو تو بغاوت کرنے کی جرات کون کر سکتا ہے۔ کوئی اگر ایسا کر بھی گزرے تو اس کا ساتھ دینے والے کہاں ہوتے ہیں؟ اور کون ہوتے ہیں؟

بارہا یونانیوں کو شکست دینے اور ایشیا کو چک کو مکمل تسخیر کرنے کے بعد آخری بار ۸۰۸ء میں ایک لاکھ ۳۵ ہزار کی فوج لیکر عہد شکن یونانی بادشاہ نوفیرس کو شکست دینے اور ایشیا کو چک کو خلافت کا ایک صوبہ بنالینے کے بعد خلیفہ ہارون وسط ایشیا کے فوجی ہیڈ کوارٹر "رے" آگیا۔ ہارون بہت تھک چکا تھا، عمر رسیدہ ہونے کے علاوہ بیمار بھی تھا، لیکن اس نے اپنی بیماری پوشیدہ رکھی یہاں تک کہ رے سے طوس پہنچا۔ یہاں بیماری نے زور دکھایا اور ۸۰۹ء میں ہارون اس دار فانی کو چھوڑ گیا اور دار البقاء میں جاگزین ہوا مامون رشید ان دنوں مرو میں تھا اور امین بغداد میں تھا، اکثر روایات کے مطابق ہارون نے افواج، مال غنیمت اور خزانہ کے مرو لے جانے کا حکم دیا تھا لیکن برامکہ کے بعد ہارون کے مشیر اعلیٰ فضل بن ابی نے افواج و امرا کو بغداد امین کے پاس جانے پر راضی کر لیا۔ کیونکہ فضل ابی جانتا تھا کہ امین ایک کمزور کردار کا مالک ہے۔ اسے قابو میں کرنا آسان ہے اور دوسری بات یہ کہ امین طرفین سے عرب تھا اور مامون ماں کی وجہ سے اور پھر زیادہ عرصہ وسط ایشیا میں گزارنے کی وجہ سے ہر لحاظ سے وسط ایشیائی کردار کا حامل تھا۔ فضل بن ابی مامون کے مضبوط کردار، اس کے ارادوں کی پختگی اور اس کی ذہانت سے خائف تھا۔ اس لئے وہ ہارون کی وصیت کے خلاف خزانہ لیکر بغداد پہنچا۔

جسے امین نے اپنی عیاشیوں کی نذر کیا۔ ادھر مامون اپنی فوجی حیثیت کے علاوہ عوام کے دلوں کا مالک تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تخت نشینی کی جنگ میں ایک بار پھر وسط ایشیا کے لوگوں نے عربوں کو شکست دی اور ۸۱۳ء میں مامون رشید خلیفہ بننے میں کامیاب ہوا۔ لیکن وسط ایشیا ایک بیدار مغز اور قابل حکمران سے محروم ہو گیا۔ اس جنگ میں وسط ایشیا کے ایک نامور سپوت طاہر بن حسین جو مامون کا ایک بڑا فوجی جرنیل تھا، نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ جس کے صلے میں چند سال بعد مامون نے طاہر بن حسین کو ۸۱۵ء میں وسط ایشیا کا صوبیدار مقرر کیا۔ لیکن چند سال بعد ۸۲۰ء میں طاہر بن حسین بالکل مطلق العنان بادشاہ بن گیا اور خاندان

طاہر یہ کی بنیاد رکھی۔اور ۸۲۰ء سے ۸۷۲ء تک اس خاندان نے حکومت کی۔

طاہر بن حسین

طاہر بن حسین(1) مامون رشید کا سب سے مشہور و لائق فوجی جنرل تھا جیسے کہ ذکر ہو چکا ہے کہ طاہر کو دوبارہ سلطنت کی بھرپور معاونت و جانبازی کے صلے میں تمام مشرقی ممالک یعنی وسط ایشیا جسے ان دنوں خراسان کہتے تھے جس میں سندھ تک کا علاقہ شامل تھا، کا گورنر جنرل مقرر کر کے بھیجا گیا طاہر بن حسین مامون کا اس قدر تابعدار اور فرمانبردار تھا، کہ بعض عرب امراء کی بدخواہی اور مامون کے کانوں میں طاہر کے خلاف زہر بھرنے کے باوجود بھی مامون اس سے بددل نہ ہوا۔ایک دن جب مامون شراب پی رہا تھا طاہر آیا، مامون نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔طاہر نے دست بستہ عرض کی کہ خادم کی کیا مجال کہ آقا کے سامنے بیٹھنے کی جرأت کرے۔مامون نے کہا یہ آداب درباری ہیں نجی صحبتوں میں ان کے برتنے کی ضرورت نہیں۔اثنائے گفتگو میں طاہر کی نظریں مامون کی آنکھوں پر پڑیں۔دیکھا ڈبڈبائی ہوئی تھیں عرض کی کہ ایسے وقت میں جب کہ پورا عالم اسلام حضور کے زیر فرمان ہے رعایا مطیع اور ان کے دلوں میں حضور کی محبت ہے رونے کا کیا موقع ہے؟ مامون نے کہا اس راز کو افشا کرنا ذلت اور چھپانا تکلیف دہ ہے۔اس وقت طاہر چپ رہا اور چلا گیا لیکن اس کے دل میں تجسس رہا۔

کہ یہ معمہ کیا ہے آخر مامون کے ساقی خاص کو دو لاکھ درہم دیئے کہ وہ کسی موقع پر راز معلوم کرے یہ معمہ جلد ہی حل ہو گیا۔دوسرے ہی دن مامون جب شراب پی کر خوب سرور میں آیا تو ندیم خاص حسین نے ایک اور جام پیش کرتے ہوئے پوچھا، حضور گزشتہ شب طاہر کے آنے پر آپ کی آنکھیں کیوں ڈبڈبا گئیں تھیں؟ مامون نے کہا تم اس راز کو کیوں پوچھتے ہو؟ اس نے کہا حضور مجھے اس واقعہ نے پریشان کر رکھا ہے مامون نے کہا اچھا بتائے دیتا ہوں۔لیکن اگر تم نے اس کو اپنی زبان سے نکالا تو سر قلم کر دوں گا بات یہ ہے کہ طاہر کو دیکھتا ہوں تو اس کی ذلت اور بے بسی کی موت کا منظر آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔مجھے خدشہ ہے کہ کسی نہ کسی دن طاہر کو میرے ہاتھوں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔طاہر کو جب یہ راز معلوم ہوا تو بہت گھبرایا۔

اس نے وزیر اعظم احمد بن ابی خالد سے درخواست کی کہ وہ اسے کسی طرح کسی دور مقام پر بھجوا دے۔اس نے وعدہ کیا۔چنانچہ

---

(1) Shamsud Din Siddiqi - The Ruling dynastis of Central Asia - Peshawar - 1984 - P. 30

دوسرے دن جب وزیر اعظم نے دربار میں مامون سے کہا کہ مجھے رات بھر نیند نہیں آتی۔ اس نے پوچھا کیوں؟ احمد نے کہا کہ آپ نے غسان کو خراسان کا والی بنایا ہے وہ ایک نسل پرست عرب ہے مجھے ڈر ہے کہ اگر ترک کسی دن اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے تو اس کا خاتمہ کردیں گے اور خراسان ہاتھوں سے نکل جاتے گا۔ ماموں نے کہا میں بھی اس پر غور کر رہا ہوں۔ لیکن تمہاری نظر میں کوئی ایسا اہل شخص ہے، جسے یہ ذمہ داری سونپی جاتے اس نے طاہر کا نام لیا، مامون نے کہا اس کی طرف سے مجھے بغاوت کا خطرہ ہے۔ احمد بن ابی خالد نے کہا کہ اس کا ذمہ دار میں ہوں۔

احمد کی سفارش پر مامون نے اسے ۸۲۰ء میں کل مشرقی صوبہ جات کا والئ مقرر کر دیا۔ مامون کا خدشہ صحیح ثابت ہوا، دو سال بعد ہی طاہر بن حسین نے اپنی قوت کو مضبوط کیا، اور خطبہ سے مامون کا نام مٹا دیا۔ اور مطلق العنان بادشاہ بن گیا۔ مامون نے احمد کو بلا کر کہا کہ تمہاری ذمہ داری پر اس کا تقرر ہوا تھا۔ احمد نے ماموں سے کہا کہ حضور چند دنوں میں اطاعت کی خبر سن لیں گے۔ احمد بن ابی خالد پہلے سے اسی کا انتظام کر رکھا تھا ابن طقیقہ طباطبائی کی کتاب الفخری کے مطابق احمد نے طاہر بن حسین کے ساتھ ایک ایسا باورچی بھیجا تھا، جو طاہر بن حسین کے مزاج کے کھانے پکاتا تھا، اور ایک زمانہ سے اس کا معتمد تھا لیکن دراصل وہ احمد بن ابی خالد کا آدمی تھا، اسے یہ ہدایت تھی کہ جب طاہر بن حسین بغاوت کا اعلان کرے فوراً اسے کھانے میں زہر دے دینا ہی ہوا، طاہر نے جیسے ہی آزادی کا اعلان کیا اور خلیفہ مامون کا نام خطبہ سے حذف کرایا تو اسے زہر دے دیا گیا۔ اس طرح احمد بن ابی خالد مامون کے عذاب سے بچ گیا، کیونکہ مامون نے اسے بصورت دیگر سر قلم کرنے کی دھمکی دی تھی، بغاوت کے دوسرے دن ہی طاہر کی موت کی خبر بھی پہنچ گئی۔ لیکن یہاں وسط ایشیا میں حالات یکسر بدل چکے تھے، یہاں لوگ طاہر بن حسین کو پسند کرتے تھے، ان کے خاندان کے معتقد تھے۔

یہاں امرا نے طاہر کے بیٹے طلحہ کو طاہر کا جانشین مقرر کیا جس نے ۸۲۲ء سے ۸۲۸ء تک حکومت کی۔ مامون نے طلحہ کو امیر خراسان تسلیم کیا۔ طلحہ صرف خطبہ میں مامون کا نام لیتا تھا، لیکن کسی قسم کا خراج ادا نہ کرتا۔ یہاں تک کہ چند سال بعد تحفہ تحائف کا سلسلہ بھی بند کر دیا۔

جونہی خلیفہ کا نام خطبہ سے مٹایا گیا، دوسرے ہی دن باپ کی طرح طلحہ بھی موت سے ہم آغوش ہو گیا۔ اور عباداللہ حکمران مقرر ہوا۔

ادھر مامون کا جانشین معتصم باللہ عباداللہ کو پسند نہیں کرتا تھا، عبدالحی گردیزی کے زین الاخبار کے مطابق خلیفہ نے ایک خوبصورت کنیز بطور تحفہ عباداللہ کے پاس بھیجی اس لڑکی کو ایک دستارچہ (تولیہ) دیا جو زہر آلود تھا، اسے کہا گیا کہ تولیہ عباداللہ کو استعمال کرا دے جس سے عباداللہ کا کام تمام ہو جائے گا۔

عباداللہ ایک نیک دل انسان تھا، یہ کنیز اس سے ملتے ہی اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی اور راز اگل دیا باوجود اس مشکوک فضا اور حالات کے جو عباسیوں اور طاہریوں کے درمیاں رونما ہو چکے تھے، طاہریوں کا طوطی نہ صرف وسط ایشیا میں بول رہا تھا بلکہ بغداد میں بھی فوج کی سربراہی کا سہرا اسی خاندان کے سر چلا آ رہا تھا طاہری خاندان نے وسط ایشیا میں اپنے آپ کو کافی مضبوط بنا لیا تھا۔ اگرچہ عباسیوں کی طرف سے ہر وقت کسی نئی سازش کا دھڑکا ہمیشہ رہتا تھا کیونکہ عباسیوں کا طریقہ واردات عجیب تھا، جس طرح خفیہ داعیوں کے پروپیگنڈے کے ذریعے یہ منصب خلافت تک پہنچے تھے اسی طرح کی خفیہ سازشوں سے یہ اپنے ماتحت حکمرانوں سے باخبر رہتے اور بصورت بغاوت ہلاک کروا دیتے تھے، ایک بار عباداللہ نے حج پر جانے کا قصد کیا، تو ایک وفادار وزیر نے کہا کہ حضور ایسا کام کرنے کیوں جا رہے ہیں جس کا عقل و دانش سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ عباداللہ نے کہا، میں بھلا یہ خطرہ کیوں مول لوں، میں تو صرف تمہیں آزما رہا تھا۔ وسط ایشیا میں اس مقامی خاندان نے عوام کی فلاح و بہبود کے کام کیئے۔ عباداللہ کے دور حکومت میں ہر طرح سے امن و امان تھا، مال و عزت محفوظ تھی، اس لئے صنعت و حرفت اور زراعت میں ترقی ہوئی۔ یعقوبی کے مطابق پانی کی منصفانہ تقسیم اسلامی فقہ کے مطابق ہوئی ان کاوشوں کو کتاب کی صورت دی گئی اور یہ کتاب اقنیٔ یعنی نہروں کی کتاب کے نام سے ایک گائیڈ کے طور پر دو صدیوں تک لوگوں کے کام آتی رہی تاریخ دان عبدالحی گردیزی کے مطابق بارتھولڈ نے اس سے یہ اخذ کیا کہ عباداللہ نے ہدایت کی تھی کہ کسانوں کے مفاد کا ہر طرح سے خیال رکھا جائے ان کو ہر قسم کا تحفظ دیا جائے کیونکہ انہی لوگوں کے ہاتھوں خدا ہمیں رزق مہیا کرتا ہے۔ تعلیم ہر کس و ناکس کو دی جاتی اس وجہ سے اس کے دور میں غریب سے غریب کسان کا بیٹا بھی زیور تعلیم سے آراستہ ہوا۔ فارغ البالی کا یہ عالم تھا کہ اکثر مائیں اپنے بچوں کو حصول تعلیم کے لئے بخارا اور سمرقند کے شہروں کو بھجوا دیتی تھیں، یہ قومی احیا کا دور تھا، بقول بارتھولڈ[1] عباداللہ کا مقصد ہرگز صرف اسلامی تعلیمات نہ ہو گا جو کہ اس وقت

۱۔ ترکستان سے منگولوں کی یلغار چوتھا ایڈیشن لندن ۱۹۷۷ء ص ۱۳

خراسان اور ماوراالنہر میں مروج تھیں ۔ بلکہ بحیثیت مجموعی حصول علم ہو گا ۔ عباد اللہ خود اپنے والد کی طرح اچھے شعری ذوق کا مالک تھا اور خود بھی شعر کہتا ۔ بقول نرشخی، اس کے بھتیجے منصور بن طلحہ نے بھی جو خوارزم اور مرو کا حکمران (عامل) تھا نے فلسفہ پر ایک مقالہ کتابی صورت میں لکھا اور بقول ابن ندیم عباد اللہ فخریہ طور پر اپنے آپ کو طاہری خاندان کا دانش کہتا تھا ۔ حنظلہ بادغیسی فارسی کے شعرا میں ممتاز مقام رکھتا ہے جس کا ذکر محمد عوفی نے اپنے "لباب الباب" میں اور نظامی عروضی سمرقندی نے اپنے "چہار مقالہ" میں کیا عباد اللہ سے کسی نے پوچھا کہ تم تو خربندہ (یعنی گدھے والا) تھا امیر خراسان کیسے بن گیا ۔ اس نے کہا کہ ایک دن میں قہستان کے علاقہ بادغیس کے حنظلہ بادغیسی کا دیوان پڑھ رہا تھا ۔ جب اس قطعہ کو پڑھا ۔

مہتری گر بکام شیر دراست

شو خطر کن ز کام شیر بجوئی

یا بزرگی و عز و نعمت وجاہ

یا چو مر دانت مرگ رویا روئی

ترجمہ اگر عظمت شیر کے حلق میں ہے تو خطرہ مول لے کر شیر کے حلق میں سے ڈھونڈ نکال یا تو تمہیں عظمت، عزت، نعمتیں اور رتبہ مل جائے یا بڑی جوانمردی کے ساتھ موت سے ہمکنار ہو جاؤ گے

اس قطعہ کو پڑھنے کے بعد میں کسی طور پر اسی حالت میں جہاں میں تھا رہنا مناسب نہ سمجھا ۔ گدھوں کو فروخت کیا اور گھوڑا لے کر سیدھا علی بن لیث جو یعقوب بن لیث کا چھوٹا بھائی تھا کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ملازمت اختیار کر لی (خوف طوالت سے مختصر لکھتا ہوں) اور مجھے مالیہ وصول کرنے پر مقرر کیا گیا میں نے خوب دولت اکھٹی کی ۔ اپنے سوار بڑھائے اور رفتہ رفتہ سوار اور طاقت یہاں تک

بڑھائی کہ موجودہ مقام تک پہنچ گیا ۔ افسوس کہ زمانے کی دست و برد سے حنظلہ بادغیسی کا دیوان تلف ہو گیا صرف چند اشعار جو "لباب الباب" اور "چہار مقالہ" میں ملتے ہیں جن سے اس دور کی تعلیم اور ادب کا اندازہ ہوتا ہے ۔

خاندان طاہریہ کا زوال عباد اللہ کے بیٹے محمد طاہر کے دور سے شروع ہوا، لیکن بظاہر یہ دور نہایت ہی پر امن اور تہذیب و تمدن کی ترقی کا دور تھا، عوام فارغ البال، زمیندار خوشحال اور لوگ علمی اور ادبی کاموں میں مشغول تھے لیکن دوسری طرف سیستان کا عیار حکمران یعقوب بن لیث قوت پکڑ رہا تھا، اور ساتھ ہی ساتھ اپنی سلطنت کی حدود بڑھا رہا تھا ۔ یہاں تک کہ اس نے ۸۶۷ء میں طاہر بن حسین (موسس خاندان طاہریہ) کی جائے پیدائش بوشنگ پر قبضہ کر لیا اور آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے ۸۷۳ء میں محمد طاہر کو اس کے مفروروں کو پناہ دینے کے بہانے طاہریوں کے دارالحکومت پر قبضہ کر لیا ۔ ان واقعات کی تفصیل تواریخ میں موجود ہیں وسط ایشیا میں علمی کارنامے جنگ و جدل کے ساتھ ساتھ علم و ادب میں بھی ترقی ہوتی رہی

مسلمان شعرا و ادبا کے کارنامے

اس دور کے مسلمان شعرا و ادبا کے کارناموں میں تذکرۃ الشعر، قزوینی، چہار مقالہ نظامی عروضی، لباب الباب اور محمد عوفی قابل ذکر ہیں اس کے علاوہ اسحاق موصلی نے علم موسیقی کو کمال تک پہنچایا، ابو معشر بلخی (۲۷۲ھ) نے علم ہندسہ اور نجوم و ستارہ شناسی پر چالیس کتابیں تصنیف کیں ۔ ابوبکر بن زکریا (۲۷۵ھ) نے کتاب الطب المنصوری لکھ کر علم طب میں گراں قدر اضافہ کیا اور ابن قتیبہ نے کتاب الشعر والشعرا، عیون الخبار اور ادب الکتاب لکھیں ۔ دیناوری (۲۹۰ھ) نے علم تاریخ پر کتاب الطوال لکھی ابن فقیہ نے علم جغرافیہ پر کتاب البلدان جیسی شہرہ آفاق کتاب لکھی ۔ محمد جریر بن طبری (۳۱۰ھ) نے اسی دور میں مشہور عالم تاریخ طبری اور تفسیر طبری لکھ کر وہ علمی کارنامہ سرانجام دیا جسے تا قیامت یاد رکھا جائے گا ۔ آج بھی مسلمانوں کے کارناموں سے بخوبی آگاہی تاریخ طبری کے بغیر ممکن نہیں محمد بن قلینی (۳۲۹ھ) نے "کافی الحدیث" لکھ کر اپنے علم کا لوہا منوایا ۔ اسی دور میں حمزہ اصفہانی (۳۵۰ھ) نے اور محمد بن علی ابن بابویہ (۳۸۱ھ) نے حدیث مرتب کر کے علم کی دنیا میں بہترین تحقیق کا درجہ پایا ۔ وسط ایشیا میں وہاں کے مقامی لوگوں کی حکومت شروع ہوئی تو اس کے ساتھ ہی تمام شعبہ زندگی میں ترقی ہوئی ساتھ

ساتھ عوام کے علمی کارناموں میں بھی اضافہ ہوا، یہ تو صرف طاہری اور سامانی دور کی چند علمی کاوشوں کا ذکر ہوا ہے آگے غزنوی اور سلجوقی ادوار میں علم وادب نے جس قدر ترقی کی تاریخ میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

طاہری خاندان کے بعد صفاری اور ساتھ ہی ساتھ سامانی خاندان کا وسط ایشیا کے وسیع علاقہ پر عمل دخل شروع ہوا۔ صفاری خاندان اگرچہ تاریخ میں اچھے الفاظ سے یاد نہیں کیا جاتا، کیونکہ اس خاندان کے موسس اعلیٰ یعقوب بن لیث کی ابتدائی عیارانہ زندگی اور اسی طرح اس کے بھائیوں کا کردار اور حکومت کا حصول عجیب سا سانحہ لگتا ہے۔ لیکن اگر فیاضانہ طور پر دیکھا جائے تو اکثر بادشاہ جو کسی اعلیٰ شاہی خاندان کے موسس بننے کا شرف حاصل کرتے ہیں غاصب ہی ہوتے ہیں پہلے چھوٹے پیانے پر پھر بڑے پیانے پر غصب زنی کر کے، گھروں سے بڑھ کر شہروں اور پھر شہروں سے آگے بڑھ کر ملکوں کو لوٹ کر قبضہ کر لیتے ہیں اور پھر اسی غاصب کی اولاد اپنی نسل پر فخر کرتی ہے اور اعلیٰ نسب کی کہلاتی ہے اور شاہی خاندان اور شاہی خون کی بات ہونے لگتی ہے۔ آہستہ آہستہ پھر یہی خاندان اقتدار کے آخری حصہ میں بالکل ہی نجیب الطرفین ہو جاتا ہے۔

اور پھر کوئی دوسرا غاصب آ کر اس نجیب الطرفین کو ختم کر کے ایک نئے شاہی خاندان کی بنیاد رکھتا ہے اور تاریخ کا سلسلہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ آیا اب غاصب کی جگہ سمگلروں، منشیات فروشوں، اور کمزوروں کی جائیداد ہڑپ کرنے والے جاگیر داروں نے لے لی ہے، یہ لوگ انتخابات میں دولت اور دھاندلی کے بل بوتے پر اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں اور اپنی طرح کے دوسرے منتخب ممبران کو ساتھ ملا کر حکومت بنا لیتے ہیں اور یعقوب بن لیث سے بڑھ کر اپنے مفاد کا خیال رکھتے ہیں۔ یعقوب بن لیث جیسے تو جان کی بازی بھی لگا لیتے تھے، لیکن یہ تو بغیر کسی جانی خطرے کے وہ کارنامہ سرانجام دیتے ہیں کہ یعقوب بن لیث جیسے بادشاہوں پر رحم آنے لگتا ہے۔

یعقوب[1] بن لیث اگرچہ خود اتنا پڑھا لکھا نہیں تھا، لیکن علم کا قدردان تھا، جو سیستان کا بادشاہ بنا اور آہستہ آہستہ وسط ایشیا کا کافی علاقہ اپنے زیر نگیں کر لیا یہاں تک کہ بغداد میں بیٹھے خلیفہ پر اس کا لرزہ طاری تھا۔ اسی طرح عباسیوں کا کردار بھی عجیب رہا۔ انہوں نے اپنے اقتدار کو بچانے اور طول دینے کیلئے تمام اصول پامال کر دیئے تھے اقتدار کی راہ میں انہوں نے کسی اخلاقی،

---

(۱) محمد عثمان - یعقوب بن لیث صفاری - کابل - ۱۹۴۲ء

مذہبی اور اصولی قدر کو آڑے آنے نہیں دیا۔ انہیں اگر کسی مسلمان حاکم کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے خوف محسوس ہوتا تو بلاجھجک وہ کسی کو اس پر حملہ کرنے کی ترغیب دیتے دوسری طرف مسلمان حاکم کی کمر بھی ٹھونکتے رہتے، اور نتیجے کا انتظار کرتے اس کھیل میں شروع میں تاتاریوں سے مسلمان حکمرانوں کو پٹواتے رہے آخر خود بھی ان سے پٹ گئے اور مٹ گئے۔ وسط ایشیا کی اکثر حکومتیں بغداد میں بیٹھے خلفیہ کی سازشوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتیں تھیں، اور ہر دو فریق اپنے آپ کو خلیفہ سے تسلیم کروانے کے چکر میں تحائف اور کنیزیں بھیجتے رہتے تھے

ان حالات کے باوجود یہاں وسط ایشیا میں علم و داب ترقی کرتا رہا۔[1] صفاری خاندان کا فارسی شاعری پر بڑا احسان ہے رباعی کی ایجاد اسی زمانے میں ہوئی۔ یعقوب لیث کا کمسن بیٹا ایک دن اخروٹوں سے کھیل رہا تھا۔ ایک آخروٹ لڑھکتے لڑھکتے گڑھے[2] میں جا گرا۔ بچہ کی زبان سے بیساختہ یہ مصرع نکلا

غلطان غلطان ہمی رود تالب گو

یعقوب صفاری کو بہت خوشی ہوئی کہ اس کے بیٹے کے منہ سے موزوں کلام نکلا۔ فوراً درباری شعرا کو بلایا، کہ دیکھو میرا بیٹا شعر کہتا ہے۔ یہ کیا بحر ہے انہوں نے کہا ہزج ہے پھر تین مصرعے اور لگا کر رباعی کر دیا اور دوبیتی نام رکھا۔ مدت تک یہی نام رہا پھر دوبیتی کی جگہ اسے رباعی یعنی چار کہا جانے لگا۔ عربی زبان میں آج بھی رباعی کو دوبیتی کہتے ہیں جو فارسی لفظ ہے اس میں شک نہیں کہ اسلام عرب سے رونما ہوا لیکن اس کی پرورش وسط ایشیا میں ہوئی اور یہیں سے پروان چڑھ کے باقی دنیا کو منور کرتا رہا

ہارون رشید اور مامون رشید کی علم دوستی کے قصے مشہور ہیں، ان کے دارالحکمت کا سربراہ کرتا دھرتا کون تھا۔ وسط ایشیا کا ایک نامور سپوت موسیٰ الخوارزمی جو دارالحکمتہ کا سربراہ ہونے کے علاوہ معروف سائنس دان بھی تھا، علم ریاضی میں اس کی ایجادات آج

---

(۱) شبلی نعمانی شعر العجم حصہ اول لاہور ص ۱۶

(۲) آج کل بھی دیہاتوں اور قصبوں میں بچے جب آخروٹ اور بنٹے کھیلتے ہیں، تو ایک گڑھا بنا لیتے ہیں، آخروٹ یا بنٹے اس کی طرف پھینکتے ہیں۔ جو اس میں اخروٹ یا بنٹا گرا لے جیت جاتا ہے۔

تک دنیا تسلیم کرتی ہے۔

محمد بن موسیٰ الخوارزمی

یہ ایک نابغہ روزگار شخص تھا علم[1] ہندسہ و حساب میں لافانی اضافے کئے، علم ستارہ شناسی سے تقویم کا ماہر تھا اور جغرافیہ و تاریخ کے ماہرین میں سے تھا ۷۸۰ء میں خوارزم سے بغداد گیا، اور وہاں سائنس دانوں اور علماء میں اعلیٰ درجہ پایا اور خلیفہ کی طرف سے بیت الحکمۃ (House of wisdom) کا سربراہ مقرر ہوا یہ نابغہ روزگار ۸۵۰ء میں فوت ہو گیا۔

مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی بار موسیٰ خوارزمی نے تجزیاتی الجبرہ پر ایک رسالہ "حساب الجبر والقابلہ" لکھا سائنس کی دنیا میں پہلی بار لفظ الجبرہ کو متعارف کرایا اس نے نظام ہندسہ کو دریافت کیا جو سولہویں صدی تک یورپ نے اپنائے رکھا۔ موسیٰ کی زیچ زیچ جسے انگریزی میں "ٹیبل" کہتے ہیں پر بہت تحقیقی کام ہوا۔ قرون وسطیٰ کی علمی دنیا پر خوارزمی کے نظریات کی گہری چھاپ تھی اس کی کتابیں لاطینی اور انگریزی میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔

ابوریحان البیرونی

یہ لاثانی حکیم و دانشور، یکتائے زمانہ سائنسدان[2] تھا، علم ہندسہ و حساب، علم ہیت اور ستارہ شناسی میں یگانہ روزگار ہونے کے علاوہ عظیم تاریخ دان تھا۔ خوارزم میں ۹۷۳ء میں پیدا ہوا ابتدائی تعلیم خوارزم میں پائی۔ اور جلد ہی ایک دانا اور حکیم کے طور پر مشہور ہوا۔ ابوریحان محمد غزنوی اور اس کے بیٹے مسعود کا درباری تاریخ نویس تھا۔ علم کی تلاش میں اس نے چالیس سال تک سفر کیا سنسکرت زبان پر عبور حاصل کیا اور ہندی رسم و رواج کا عمیق مطالعہ کیا۔ اور ۱۰۴۸ء میں وفات پائی۔ یہ نابغہ روزگار شخص عظیم موجد تھا اور یہ نظریہ پیش کیا کہ زمین اپنے محور کے اردگرد گھومتی ہے عرض بلد اور طول بلد کی صحیح پیائش کی اس نے تقویم بنائی۔ کیلنڈر درست کیا اور نودھاتوں کی پیائش کا طریقہ کار دریافت کیا۔ اس نے رطوبت کے دباؤ اور سمندر سے نمک حاصل کرنے کے طریقوں کو بھی دریافت کیا۔ اس کا شہرہ آفاق کام "قانون المسعودی" علم ستارہ شناسی و ہیت پر ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس کی کتاب "تحقیق الہند" میں برصغیر ہندوپاک کی سماجی، اقتصادی اور علمی حالات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے جو مفید معلومات کا مجموعہ ہے۔ ابوریحان

---

(1) Jalal-ud-Din Khilji - Muslim Celebtities of Central Asia - Peshawar 1984.

(2) Jalal-ud-Din Khilji - Muslim Celebtities of Central Asia - Peshawar 1984. - P.75

نے جغرافیہ، تاریخ، ہیت، ہندسہ اور فارسی پر ایک سو کتابیں لکھیں جس پر نہ صرف وسط ایشیا کے مسلمان بلکہ ساری دنیا کے مسلمان فخر کرتے ہیں

ابو علی الحسین ابن عبداللہ ابن سینا

الشیخ الرئیس یعنی سربرآوردہ دانشور کا خطاب پانے والے بو علی سینا یورپ میں سب مسلمان فلاسفروں میں سے زیادہ معروف اور موثر سائنس دان مانا جاتا ہے۔ جہاں لوگ اسے "آواسینا" کے نام سے یاد کرتے ہیں اسلامی دنیا کا یہ حکیم الحکما ۹۸۰ء میں بخارا میں پیدا ہوا بخارا قبل از اسلام بھی علم وادب کا گہوارہ رہا تھا اسلام نے اسے اور بھی جلا بخشی بو علی سینا یہاں علم کے زیور سے آراستہ ہوا۔ ایک نمایاں طبیب کے طور پر اپنی زندگی ہی میں خوب شہرت پائی۔ اس کے علاوہ یہ نفسیاتی علاج کا بھی ماہر تھا۔ ۱۰۳۷ء میں ایران میں فوت ہوا اس کی دو کتابیں عالمی شہرت کی حامل رہی ہیں، کتاب الشفا (کتاب تندرستی)، اور کتاب القانون فی الطب (ادویات کا قانون) پہلی کتاب تو ایک فلسفیانہ اور سائنسی انسائیکلو پیڈیا ہے، غالباً کسی ایک آدمی کے ہاتھوں پہلی بار اس قدر ضخیم کام ہوا ہو۔ دوسری کتاب القانون فی الطب تو کئی صدیوں تک علم طب پر ایک مستند کتاب سمجھی جاتی رہی اور علم طب کے طلبگاروں کو درسی کتاب کے طور پر صدیوں تک مغربی ممالک میں بھی پڑھائی جاتی رہی۔

اس کتاب میں پندرہ قسم کی بیماریوں اور ۷۶۰ طریقہ علاج تجویز کئے گئے ہیں۔ ابن سینا نے تپ دق (ٹی بی) اور دیگر بیماریوں کی نشان دہی کی ہے۔ بو علی سینا پہلا شخص ہے جس نے اقتصادیات کو بذات خود ایک سائنس گردانا۔ یورپ کے احیاء العلوم میں آپ نے ایک اہم اور بنیادی کردار ادا کیا۔

ابو نصر فارابی

وسط ایشیا کے یہ نامور فرزند ماوراء النہر کے اطراف میں فاراب میں ۸۷۰ء میں پیدا ہوئے آپ اپنا پورا نام محمد بن ترخان ابو نصر فارابی لکھتے تھے۔ نسلاً ترک تھے باپ فوجی جرنیل تھا، ابتدائی تعلیم قرآن، حدیث، ہندسہ، حساب اور فلسفہ میں حاصل کی۔ علم کی تلاش میں عراق اور شام گئے۔ جہاں بڑے بڑے فلاسفروں اور حکماء سے علم حاصل کیا۔ منطق، فزکس، حساب اور موسیقی کے علاوہ دیگر

سائنسی علوم میں دسترس حاصل کی۔ جب تک ذہنی طور پر بالغ نہیں ہوئے لکھنا شروع نہیں کیا پچاس سال کی عمر میں لکھنا شروع کیا، تو سبحان اللہ آپ کی ہر سطر میں ذہانت پختگی، گہرائی، اختصار اور دلالت ملتی ہے ۹۵۰ء میں وفات پائی۔
آپ کی تصنیفات - المقالات، التفسیر، الابرا، القیاس البرہان، الجدال، الخالیت الخطابہ اور الشعر ایک قیمتی اثاثہ ہیں الفارابی بہت ہی مذہبی آدمی تھا، اس نے حکومت چلانے اہل حکمران بننے اور سیاسی مسائل کے حل کیلئے "خلافت" میں جو اصول متعین کئے ہیں وہ قابل صد ستائش ہیں۔ فارابی نے اموی اور عباسی خلفاء کی زندگیوں اور کرداروں کا بخوبی مطالعہ کر کے کچھ فلسفیانہ اصول مرتب کئے۔

سامانی دور کے علمی کارنامے

وسط ایشیا کے مقامی حاکم[1] انتہائی علم پرور اور حکمت و دانش کے قدر دان تھے۔ طاہری اور صفاری خاندان کے بعد سامانی برسر اقتدار آیا سامانی خاندان کا پہلا فرمانروا اسماعیل تھا، یہ خاندان ایک سو تیس برس تک حکومت کرتا رہا۔ اسماعیل کی وفات پر اس کے بیٹے احمد نے حکومت کی باگ دوڑ سنبھالی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا نصر بن احمد ۸ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا ابھی وہ تاجدار ہے جس کے دربار میں جدید فارسی کا بانی جسے پہلا غزل گو کہا جاتا ہے یعنی رودکی، ملک الشعراء تھا نصر بن احمد نہایت فیاض، عادل قدر دان علم و فن تھا اس کا بیٹا نوح بھی علم دوست تھا، حکیم رازی اور ابو علی سینا اسی کے دور میں ہوئے۔ اسی علم دوست بادشاہ کے کتب خانے کے بارے میں ابن خلکان نے لکھا ہے کہ یہ کتب خانہ بے نظیر ہے۔ اس میں مشہور کتابوں کے علاوہ وہ نایاب کتابیں بھی تھیں جو اس کتاب خانہ کے سوا اور کسی کتاب خانہ کو نصیب نہ ہو سکیں اور جن کا جاننا تو درکنار کسی نے ان کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ اس کتب خانہ کا حال خود بو علی سینا کی زبانی طبقات الاطباء میں نقل ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ یہ بہت بڑا کتب خانہ تھا ہر علم و فن کیلئے الگ الگ مکان تھے اور اس میں صرف اسی فن کی کتابیں تھیں، کتابیں اوپر تلے ترتیب سے صندوقوں میں رکھی گئی تھیں۔ میں نے کتابوں کی فہرست دیکھی اپنی پسند کے مطابق کتابیں نکلوا کر دیکھیں ان میں اکثر ایسی کتابیں تھیں جن کے نام کسی کو معلوم نہ تھے اور خود میں نے بھی کبھی ان کو نہ دیکھا تھا۔
فلسفہ یونان کی بیشمار کتابیں خلفائے عباسیہ کی بدولت عربی میں ترجمہ ہو چکی تھیں، لیکن اکثر تراجم مشتبہ تھے اور جن کتابوں کے

---

(۱) عبدالکریم - سامانیان - کابل ۱۹۴۵ء

متعدد تراجم ہوتے تھے وہ باہم مختلف تھے نوح بن نصر نے حکیم ابونصر فارابی کو بلا کر فرمائش کی کہ ان تمام تراجم کو سامنے رکھ کر ایک صحیح اور جامع ترجمہ تیار کر دیں۔ چنانچہ فارابی نے اس فرمائش کی تعمیل کی اور اس کتاب کا نام تعلیم الثانی رکھا اسی کتاب کی بدولت حکمائے اسلام میں فارابی نے معلم ثانی کا لقب حاصل کیا یہ بے نظیر کتاب آج کل ناپید[1] ہے منصور بن نوح سامانی کے وزیر ابو علی بن محمد نے تاریخ طبری کا فارسی ترجمہ کیا، نوح بن منصور کے دربار کا شاعر دقیقی تھا۔ جس کے ایک ہزار اشعار کو بنیاد بنا کر فردوسی نے اپنا شاہنامہ لکھا شاہنامہ کی ابتدا دقیقی کر چکا تھا لیکن عین جوانی میں ۳۰ سال کی عمر میں اپنے ترک غلام کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اور اس کام کو فردوسی نے آگے بڑھایا۔

دقیقی بلخی

منصور محمد بن احمد دقیقی کی ابتدائی زندگی کے بارے میں مختلف آرا ملتی ہیں۔ محمد عوفی صاحب لباب الباب کا خیال ہے دقیقی نے خود اپنا تخلص دقیقی نہیں رکھا تھا، بلکہ اس کے معاصرین نے اس کی دقت معانی اور دقت الفاظ کو دیکھ کر اسے دقیقی کے نام سے پکارا اور شاید محمد بن احمد دقیقی کو خود بھی یہ خطاب پسند آیا۔ اور انہوں نے پھر اسے تخلص کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔

بقول محمد عوفی، دقیقی بچپن ہی سے شاعری کرتا تھا۔ اور جوانی ہی میں شہرت پائی۔ فردوسی نے اس کے بارے میں یوں کہا

جوانی بیامد کشادہ زبان
سخن گفتن خوب طبع روان

دقیقی کی جائے پیدائش پر بھی اختلاف رائے پایا جاتا ہے، بعض نے اسے سمرقندی، بعض نے بخارا اور بعض نے اسے طوسی کہا لیکن احمد علی کہزاد[2] مولف۔ سامانیان انجمن تاریخ افغانستان کی تحقیق کے مطابق دقیقی کی جائے ولادت بلخ ہے۔ دقیقی نے قصائد، قطعات اور غزلیات میں طبع آزمائی کی ہے آپ نے بڑی لطیف طبیعت پائی۔ آپ کے اسلوب میں شیرینی اور متانت نمایاں ہے۔ آپ کے

۱۔ مولانا شبلی نعمانی شعر العجم جلد اوّل ص ۱۸
۲۔ احمد علی کہزاد تاریخ افغانستان کابل ۱۹۴۵ء ص ۱۰۶

شعری کمال کا اعتراف بڑے بڑے قد آور شعرا نے کیا ہے

دقیقی فصیح و بلیغ مضامین کو نئے اور اچھوتے اور یکسر سادہ اور طبیعی اوصاف کے ساتھ نہایت مہارت سے خصوصیت کے ساتھ پیش کرتا تھا۔ دقیقی نے نہ صرف سامانی بادشاہوں کے قصائد لکھے بلکہ چغانی جو سامانیوں کے ماتحت حکمران تھے کی بھی مدح سرائی کی ہے منصور بن نوح سامانی کے کافی قصائد ملتے ہیں۔ ابو صالح جو امیر سریر تھا کی شان میں بھی قصائد لکھے ابو مظفر احمد بن محمد چغانی کی مدح میں جو قصائد لکھے ان کا ذکر اس کے ہم عصر شعرا کے کلام میں ملتا ہے، لیکن خود یہ قصائد نہیں ملتے ہو سکتا ہے کہ کوئی محقق تلاش کر لے۔

بقول مولانا شبلی نصر بن احمد سامانی نے دقیقی کو تاریخ عجم لکھنے پر مامور کیا۔ دقیقی نے ایک ہزار اشعار لکھ کر اس شاہنامہ کی ابتدا کر دی اور یہی ایک ہزار اشعار شاہنامہ فردوسی کی سنگ بنیاد ثابت ہوئے۔ سلسلۂ سامانیہ کے ہر فرمانروا کا عہد گرچہ بام ترقی کا ایک نیا باب تھا مگر نوح بن منصور کا زمانہ اس سلسلے میں آخری تھا۔ اور یہ فخر اسی دور کو حاصل ہوا اور عجم کا سرمایہ فخر و ناز یعنی شاہنامہ جس کو ابن الاثیر نے قرآن العجم کہا ہے اگر دقیقی اس عظیم کام کو ہاتھ میں نہ لیتا تو آج سلطان محمود غزنوی کے کارناموں کی فہرست میں شاہنامہ کی جگہ خالی رہ جاتی

وسط ایشیا کا یہ عظیم خاندان سامانیہ شروع ہی سے اپنے اسلاف کے کارناموں کو نظم و نثر میں عوام الناس تک پہنچانے کا خواہشمند تھا، پائے تخت سامانیہ یعنی بخارا شعرا و ادبا کا مرکز تھا۔ بقول مولانا شبلی جس نے تذکرہ ہفت اقلیم و مجمع الفصحا سے روایت کی ہے کہ دقیقی ابتدا میں امیر ابو مظفر چغانی کے دربار سے منسلک ہوا پھر نوح بن منصور کے دربار میں بلایا گیا اور وہاں تصنیف شاہنامہ کی خدمت اس کے سپرد ہوئی۔ دقیقی اپنے زور بازو کا اندازہ کر چکا تھا اس لئے اس نے یہ خدمت قبول کی اور کم و بیش بیس ہزار شعر لکھے علامہ شبلی عقیدۃ مسلمان مشاہیر کے کارنامے بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں ورنہ مصدقہ بات یہ ہے کہ دقیقی صرف ایک ہزار اشعار شاہنامہ لکھ پایا تھا کہ اپنے ترک غلام کے ہاتھوں قتل ہوا۔ یہی ایک ہزار اشعار آج شاہنامہ فردوسی میں شامل ہیں فردوسی نے شاہنامہ کی تاریخ کے بیان میں ان واقعات کو اس طرح لکھا ہے۔

جوانی بیا مد کشادہ زبان
سخن گوئی و خوش طبع روان
بہ شعر آرم ایں نامہ گفت من
از و شادمان شد دل انجمن
زگشتا سپ وار جاسپ بیتے ہزار
بگفت و سر آمد ورا روز گار

تاریخ ادبیات فارسی دقیقی کے فن اور تفصیلی حالات سے بھری پڑی ہے زیادہ تفصیل شعرالعجم علامہ شبلی میں موجود ہے

شہید بلخی

شہید بلخی بھی اس دور کا مشہور شاعر تھا۔ فلسفہ یونان کا ماہر، عربی و فارسی میں یکتائے زمانہ شہید بلخی کا کلام جدید شاعری کی جان ہے۔ کلام میں پختگی متانت اور وسع المشربی کے علاوہ فصاحت وبلاغت سے ان کے وسیع مطالعہ کا علم ہوتا ہے ان کے اشعار ضرب المثل کے طور پر استعمال کئے جاسکتے ہیں

دانش و خواستہ است نرگس و گل
کہ بہ یک جائی نہ شگفتند بہم
ہر کرا دانش است خواستہ نیست
ہر کرا خواستہ است دانش کم

ترجمہ عقل اور دولت اکھٹے نہیں ہوتے جس طرح نرگس اور گلاب یکجا نہیں ہوتے۔ جس کے پاس عقل ہے۔ دولت نہیں جس کے پاس دولت ہے عقل نہیں

یہ اشعار چھوٹی بحر میں ہیں اور بہت سادہ زبان ہے روانی اور بلاغت بلا کی ہے، فرماتے ہیں کہ دنیا میں خوشی کم اور غم زیادہ ہوتے ہیں۔

ایسے میں عقل مند آدمی تو کبھی خوش رہ ہی نہیں سکتا

اگر غم را چوں آتش دود بودی
جہان تاریک بودی جاو دانہ
درین گیتی سراسر گر بگروں
خرد مندی نہ یابی شادمانہ

ابو شکور بلخی

ابو شکور اس دور کے بخاری شعرا میں اونچا نام رکھتا تھا تذکرہ نگاروں اور تاریخ ادبیات فارسی لکھنے والوں نے ابو شکور کی طرف کم توجہ دی اور اس کا ذکر صرف چند سطروں تک محدود رکھا۔ ایک تو اس دور میں بہت سے نامور شعرا ہو گزرے ہیں اس لئے فردوسی اور ہم عصر دیگر شعرا کے ہوتے ان کا ذکر کم کیا گیا۔ دوسری بات ان کی شاعری کسی مغربی محقق کے ہاتھ نہیں لگی ابو شکور کا کلام جس قسم کے تذکروں میں ملتا ہے، (کیونکہ اس کی کوئی کتاب یا دیوان تا حال نہیں ملا) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابو شکور فلسفہ یونان اور عربی زبان کا ماہر تھا سقراط کے اس قول کو کہ "تحقیقات کے بعد مجھے یہ معلوم ہوا کہ کچھ معلوم نہیں ہوا" اس کو ابو شکور شعر میں یوں پیش کرتے ہیں

تابہ آنجا رسید دانش من
کہ بدانم ہمی نہ نادانم

ترجمہ:۔ میری دانش اس مقام تک پہنچ گئی، جہاں مجھے معلوم ہوا کہ کچھ معلوم نہ ہوا۔ نادان کا نادان ہی رہا اسی طرح ابو شکور کے اشعار پر بالکل شاہنامہ فردوسی کا گمان ہوتا ہے۔ مثنوی اشعار میں پند و نصائح قابل توجہ ہیں سامانی دور کے دیگر شعرا و علماء کی مختصر فہرست ذیل میں ہے۔

سامانی دور کے وزرا و سرداران

ابوالفضل بلعمی

امیر اسماعیل کے دور میں منصب وزارت[1] پر فائز تھااس کے علم وادب کے چرچے دور دور تک تھے، خود عالم فاضل تھا اس لئے علم وفضل کا قدر دان تھا، رودکی کے قصائد اس کی شان میں موجود ہیں۔

ابو علی محمد بلعمی

آپ صرف سپہ سالار ہی نہیں وزیر بھی تھے اور سامانی آپ کی حکمت اور عقل دانش پر نازاں تھے۔ سیاسی مسائل کی عقدہ کشائی کے علاوہ علم کے میدان میں بھی آگے تھے۔ ابو علی نے تاریخ الامم والملوک جو جریر طبری نے عربی میں لکھی اسے مع حاشیہ (فٹ نوٹ) ودیباچہ فارسی میں ترجمہ کیااور نام تاریخ الامم وملوک ہی رہنے دیا آدم سے لیکر اپنے عہد تک حالات کو بڑی خوبی سے بیان کیااور مطالب جدید کو اس میں شامل کیااور اسے اتنی خوبصورت فارسی نثر میں پیش کیا جس پر جدید فارسی ادب فخر کر سکتا ہے۔ ابو علی محمد نے طبری کی تفسیر کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ اس دور کی ایک دوسری عظیم کتاب جو علم ودانش کا خزانہ ہے، جس کا نام توقیعات (فرمان) بلعمی ہے معلوم نہیں کہ یہ کتاب ابوالفضل بلعمی نے لکھی یا ابو علی محمد بلعمی نے لکھی۔ لیکن انشاء پردازی میں اس کتاب کی مثال عربی اور فارسی میں نہیں ملتی۔

ابو عبداللہ محمد جیہانی

ابو عبداللہ محمد بن احمد نصر جیہانی، امیر بن اسماعیل کے عہد میں کاتب (سیکرٹری) تھا، اور ترقی کر کے نصر بن احمد کے دور میں وزارت کے منصب تک پہنچ گیا۔ دانشمندی میں اس کا کوئی ہم سر نہ تھا۔ اپنے دور کی اصلاحات، قواعد امور مملکت اور مختلف رسم روج کو خود اس نے تالیف کیااور **چالیس سال تک وزیر رہااس کی** تالیفات دیگر علماء کیلئے مشعل راہ تھیں۔ جسے پڑھ کر سب اسے جیہانی بزرگ کے نام سے یاد کرتے رہے ہیں۔

عبیداللہ جیہانی

آپ جیہانی بزرگ کے چھوٹے بھائی تھے آپ ایک مفکر اور اعلیٰ درجہ کے حاکم تھے، اچھے سپہ سالار تھے، اچھے منصف تھے، جہانداری

---

(۱) شاہ معین الدین ندوی - تاریخ اسلام حصہ سوئم - کراچی - ۱۹۷۳ء - ص ۱۹۸

کے طور طریقوں سے بخوبی واقف تھے سامانیوں کی طرف سے نست اور رخج (قندھار) کے حکمران رہے .بہت سی جنگوں میں حصہ لیا ہرات، فوشنج اور بادغیس کے حکمران بھی رہے ۔ اپنے بھائی کی طرح علم دوست تھے اور اپنے دور کے دانشور تصور کیئے جاتے تھے ۔

ابو علی جیہانی

آپ جیہانی بزرگ کے فرزند ارجمند تھے والد کی وفات کے بعد آپ نصر بن احمد کے وزیر بنے لیکن مخالفین کی سازشوں کے سبب قتل ہو گئے آپ بھی اپنے خاندان کی طرح علم وادب میں یکتا تھے ۔ اور علماء کی قدر کرتے تھے ۔

ابو عبد اللہ جیہانی

آپ ابو علی محمد جیہانی بزرگ کے نواسے تھے ۔ آپ اپنی ذہانت اور علم کے زور پر نوح بن منصور کے وزیر مقرر ہوتے آپ کا شمار بھی اپنے عصر کے دانشوروں میں ہوتا تھا آپ کی تالیفات میں المالک والمالک، آئین مقالات کتاب عمود للخلفاء والامراء، کتاب الزیادات فی کتاب اور کتاب ارسایل قابل ذکر ہیں ۔

ابوالفضل جیہانی

آپ محمد بن ابو عبد اللہ احمد نبیرہ جیہانی بزرگ کی اولاد میں سے تھے ۔ سامانیوں کے آخری دور میں منصب وزارت پر فائز ہوتے ۔ آپ کی علمی خدمات بھی تاریخ عالم میں درج ہیں ۔

حمویہ بن علی

آپ ایک نامور سردار اور حکومت سامانیہ کے وفادار تھے ۔ آپ نے کفار اور دشمنان آل سامان کے خلاف چالیس جنگیں لڑیں اور سبھی میں کامیابی سے ہم کنار ہوتے ۔ آخر کار آپ سپہ سالاری کے منصب اعلیٰ پر فائز ہوتے آپ کی حکمت عملی کی وجہ سے وسط ایشیا میں سامانیوں کا سکہ بیٹھا رہا۔

ابوالعباس احمد بن حمویہ

آپ کا شمار بھی علماء وامراء سامانی میں ہوتا ہے آپ علم دوست اور علم پرور انسان تھے ، درباری سازشوں سے دور رہتے لیکن بد قسمتی نے

ساتھ نہ چھوڑا۔ آپ ولی عہد اسماعیل کے اتالیق تھے۔ اسماعیل ولی عہدی میں اپنے بھائی نوح سے دور رہتے، ان میں کشیدگی بڑھتی گئی۔ اسماعیل وفات پا گئے اور نوح امیر بخارا بن گئے۔ ابن حمویہ نوح سے چھپتا پھرتا تھا۔ لیکن ایک دفعہ مرو میں اچانک ابن حمویہ کا نوح سے سامنا ہوا اور بدخواہوں کی سازش کی وجہ سے نوح کے ہاتھوں قتل ہوا۔

ابو عمران سیمجور دوانی

یہ سامانی دور کے لائق، بہادر اور فنون سپاہگری میں ماہر فرزند تھے۔ اور آج کل کی اصطلاح میں ایک بہترین سیاست دان تھے آپ مذاکرات کے ماہر اور سفارتی امور میں یکتا و یگانہ تھے آپ کی حکمت عملی اور ذہانت بے مثال تھی۔ آپ نے تمام عمر سامانی خاندان کی خیر خواہی میں گزار دی۔ اور ہر آڑے وقت میں ہر قسم کے حالات کے آگے سینہ سپر کھڑے رہے۔ آپ کے کارنامے سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔

ابراہیم بن سیمجور

ابراہیم سیمجور کا نام پہلی بار نصر بن احمد کے دور میں جرجان کے حکمران کے طور پر سامنے آیا۔ لیکن نوح کے عہد میں نایل کی سپہ سالاری اس کو راس نہ آئی۔ نوح کے مخالفین سے جاملا اور اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

ابوالحسن ناصرالدولہ سیمجوری

آپ ابراہیم بن سیمجور کے بیٹے تھے اور عبدالملک بن نوح کے عہد میں عہدہ سپہ سالاری تک پہنچے آپ نے کئی بغاوتوں کو فرو کیا۔ علم وادب کی پرورش کی، اسلام کی ترویج میں اپنی بساط کے مطابق خدمت کی۔ مخالفین کی سازشوں سے ایک بار معزول ہوئے اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کی، لیکن چند ماہ بعد ہی آپ کی قدر کو پہچانا گیا، کیونکہ سیستان کی بغاوت کو کچلنے میں سامانی حکومت ناکام رہی۔ پھر سے آپ کی خدمات بطور سپہ سالار حکومت نے تسلیم کیں اور یہ بغاوت آپ کے ہاتھوں تمام ہوئی اور جب تک زندہ رہے اسی عہدہ پر فائز رہے۔

ابو علی سیمجور

آپ ابوالحسن ناصر الدولہ کے فرزند ارجمند تھے، آپ کی اعلیٰ تربیت والد کے زیر نگرانی ہوئی آپ نہایت جری اور جانباز تھے، لیکن سامانی حکومت زوال پذیر ہو چکی تھی ایک مرد بیمار کی طرح حکومت آخری سانسوں پر تھی۔ تخت نشینی کی جنگ میں نوح ثانی کا ساتھ دیا، لیکن اس کے حریف کو سلطان سبکتگین کی مدد حاصل تھی۔ گرفتار ہو کر قلعہ گردیز میں مقید ہوئے اور وہیں جان جان آفرین کے سپرد کی۔

ابو صالح منصور

منصور بن اسحاق سامانی خاندان کا شہزادہ تھا، اور اسماعیل کا چچازاد تھا، حکومت سیستان کے بعد "رستے" کا گورنر مقرر ہوا۔ یہ وہی شخص ہے جس کے نام حکیم رازی نے اپنی کتاب منصوری منسوب و تالیف کی ہے۔ نصر کے دور حکومت میں ناراض ہو کر بغاوت کر دی اور جان گنوادی اس کی علم دوستی اور علم پروری کا ثبوت یہ ہے کہ حکیم رازی جیسے دانشور اس کے دربار کی زینت تھے،

احمد بن سہل

احمد بن سہل بن ہاشم بن کامکاد کے آبا "مرو" کے امراءمیں سے تھے لیکن عمرو لیث کی اطاعت قبول نہ کر کے شکست کھائی۔ گرفتار ہوئے اور سیستان کے زاندان میں قید کیئے گئے۔ آپ کسی طرح اس قید خانے سے بھاگ کر اسماعیل سامانی کے پاس پہنچ گئے۔ آپ کے علم و فضل کی وجہ سے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور اچھے عہدہ پر فائز کیئے گئے، اور آہستہ آہستہ بادشاہ کے قریب ہوتے گئے اور نائب الحکومت بنے اور حسین مروروی کے فتنہ کو فرو کرنے کے بعد خراسان کی حکومت آپ کے حوالے ہوئی مرکز کی دوری نے اور مصاحب کی جی حضوری نے آپ کو بغاوت پر آمادہ کر دیا، سپہ سالار حمویہ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور قید میں ہی جان دے دی۔

آپ علم پرور اور علم دوست انسان تھے، خود بھی دانشور تھے اور علماءو فضلاءکے قدر دان بھی تھے۔ آپ کے دربار میں بڑے بڑے بلیغ علماء تھے، ابوزید بلخی جسے چھٹی صدی ہجری کا فخر خراسان کہتے تھے، آپ ہی کا پروردہ تھا اور آپ کی ہی عنایتوں سے اپنے علم کو کمال تک پہنچانے میں کامیاب ہوا تھا۔

ابوبکر چغانی

ابوبکر بن مظفر بن محتاج چغانی ایک صاحب حشمت اور صاحب ثروت شخص تھے۔ آپ سامانی خاندان کی ان نامور شخصیتوں میں شمار ہوتے جن کا علم دوستی، علم پروری اور دانشوری میں اونچا مقام تھا۔ نصر بن احمد کے دور حکومت میں حمویہ کے بعد سپہ سالاری آپ ہی کے ہاتھ آئی آپ نے شورشوں کو دبایا، نئی فتوحات کیں اور حکومت کو اپنا اتنا گرویدہ بنایا کہ آپ کے بعد آپ کے بیٹے کو اسی منصب سے سرفراز کیا گیا۔

ابو علی چغانی

ابو علی بن احمد بن محمد سامانیوں کے ایک نامور جرنیل تھے، آپ نے اپنی سپہ سالاری میں زنجان، قزوین، قم، کرج، ہمدان اور دنیور کو فتح کیا اور چند سالوں تک سامانی پرچم ان علاقوں پر لہراتا رہا۔ نوح بن نصر کے دور حکومت میں بعض شکایات کے سبب معزول ہوتے اور نوح کی مخالفت پر اتر آئے اور ابراہیم بن اسماعیل سے جا ملے اور اسے نوح پر حملہ کرنے پر اکسایا جنگ ہوئی مگر معاملہ مذاکرات پر ختم ہوا اور صلح ہوئی چغانیوں میں اسے دوبارہ سپہ سالاری کا عہدہ دیا گیا، لیکن اختلافات در پردہ رہے اور کچھ عرصہ بعد پھر معزول کر دیئے گئے اس دفعہ آپ نے رکن الدولہ دیلمی جو بہت ہی با اثر امیر تھے کے ذریعے کوشش کی اسی اثنا ابو سعید کی فوج سے جھڑپ ہوئی کافی آدمی کام آئے۔ اس واقعہ سے بد دل ہو گئے اور اس کے بعد جلدی ہی وفات پا گئے۔

ابو منصور محمد

محمد بن عبدالرزاق سامانی خاندان کا ایک نامور جرنیل تھا شروع میں تو نیشا پور کا حاکم رہا لیکن بعد میں سارے خراسان کی سپہ سالاری دو مرتبہ نصیب ہوئی۔ لیکن یہ ماہر حرب آخر ایک جنگ میں قراتکین کے غلاموں کے ہاتھوں مارا گیا۔ ابو منصور نے محمد بن رزاق کے تعاون اور حکم سے شاہنامہ ایران کو ترتیب دیا اور اس کا نام شاہنامہ ابو منصوری قرار دیا۔

سامانی دور کے دانشور اور شعرا

ابوزید بلخی

ابوزید احمد بن سہل کا باپ سیستان کے ایک گاؤں شامتیان کا رہنے والا تھا، لیکن بعد میں بلخ میں سکونت اختیار کی اور یہیں پر ابوزید

پیدا ہوا۔ باپ نے احمد سہل نام رکھا۔ جوانی کے اوائل ہی میں علم کی تلاش میں کئی سفر اختیار کئے۔ ابی یوسف یعقوب بن اسحق کندی جیسے عظیم استاد سے فلسفہ، نجوم اور ہیت کا علم حاصل کیا۔ طب اور دینی علوم میں بھی دسترس کامل نصیب ہوئی اور عین جوانی میں ہی اس کے علم و فضل اور دانشوری کے چرچے پورے خراسان میں ہونے لگے۔ بقول "ابن الندیم" یہ شخص جو البلخی کے نام سے مشہور تھا حکیم رازی نے فلسفہ کا درس اسی سے لیا لیکن ابوزید بلخی کہیں ٹھہر تا نہ تھا، شہر شہر اور قریہ قریہ گھومتا تھا، آخیر عمر میں بلخ لوٹا تو امرا اور بزرگان نے اس کا استقبال کیا بقول قیس[1] زید بلخی کو سامانی امرا (ان امرا اور سپہ سالاروں کے نام کا ذکر ہو چکا ہے) سے جو مال وزر بطور انعام و وظیفہ وصول ہوتا اپنے علاقے کی فلاح و بہود پر خرچ کرتے، اور علم فلسفہ اور دیگر علوم کو فروغ دینے میں مصروف رہتے۔ اس مرد علم و حکمت کی تحریر میں بلا کا ادبی رنگ جھلکتا ہے۔ بہت سی کتابیں اور رسائل لکھے۔

جن کی مختصر فہرست درج ذیل ہے۔

(۱)۔ کتاب اقسام العلوم

(۲)۔ کتاب الشرائع والادیان

(۳)۔ کتاب کمال الدین

(۴)۔ کتاب فضل صناعتہ الکتابہ

(۵)۔ کتاب مصالح البدان والانفس

(۶)۔ کتاب اسماء اللہ و صفاتہ

(۷)۔ کتاب صناعہ الشعر

(۸)۔ کتاب فضیلہ علم الاخیار

---

(۱) معجم الادبا   مصر ۱۹۴۵   صفحہ نمبر ۱۴۱

(۹) ۔ کتاب الاسماء والکنی والالقاب

(۱۰) ۔ کتاب اسامی الاشیار

(۱۱) ۔ کتاب النحو والتصرف

(۱۲) ۔ کتاب صورۃ والمصدر

(۱۳) ۔ کتاب رسالہ حدود الفلسفہ

(۱۴) ۔ کتاب مالیصح من احکام النجوم

(۱۵) ۔ کتاب الرد علی عبدۃ الاوثان

(۱۶) ۔ کتاب فضیلۃ علوم الریاضیات

(۱۷) ۔ کتاب فی اقسام علوم الفلسفہ

(۱۸) ۔ کتاب قرابین والذبائح

(۱۹) ۔ کتاب عصمۃ الانبیاء

(۲۰) ۔ کتاب نظم القران

(۲۱) ۔ کتاب قوارع القران

(۲۲) ۔ کتاب النساک وافساک

(۲۳) ۔ کتاب النوادر فی فنون شتی

(۲۴) ۔ کتاب اجوبۃ ابی علی بن محتاج

(۲۵) ۔ کتاب صفات الاہم

(۲۶) ۔ کتاب صورہ الاقالیم کہ در جغرافیات

ابو سعید احمد السنجری

احمد بن محمد بن عبد الجلیل المعروف ابو سعید موسوم سنجزی[1] سیستان میں پیدا ہوئے۔ وہاں کے امیر آبا جعفر احمد سے قرب ہوا اور اپنی چند کتابیں اسی امیر کے نام منسوب کیں جن میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں

(۱) القام خط مستقیم ذی نہایۃ بنصفین

(۲) کتاب المدحل

آبا جعفر کی دانش پروری رائیگاں نہیں گئی۔ کیونکہ ابو سعید سنجزی نے جو کتابیں اور رسائل لکھے ہیں ابھی تک صحیح حالت میں موجود ہیں جو آبا جعفر احمد کا نام زندہ رکھے ہوتے ہیں، ابو سعید کی مندرجہ ذیل کتب اہل علم اور محققین کے لئے اب بھی مشعل راہ ہیں

(۱)۔ رسالہ فی اخراج الخطوط فی الدوایر الموضوعۃ من النعط النقط

(۲)۔ فی عمل مثلث حادی الزوایا من خطین مستقیسین مختلفین

(۳)۔ خواص لشکل المجسم الحارث من ادارۃ القطع الزاید والمکافی

(۴)۔ کتاب فی مساحتہ الاکبر

(۵)۔ تحصیل القوانین الہندسیتہ المحدود

(۶)۔ رسالہ فی المجواب عن المسایل التی مسئل فی حل اشکال الماء خوذۃ من کتاب الماخوذات ارشمیدس

(۷)۔ تحصیل القوانین

(۸)۔ منتخب کتاب الموالید

---

(۱) سیستان کے لوگ اپنے ساتھ سیستان کی نسبت سے سجزی لکھتے ہیں۔ بعض لوگ غلط فہمی کی وجہ سے سنجری کا تعلق سلطان سنجر سے جوڑ لیتے ہیں

(۹)۔ کتاب الاختیار (منتخب من کتاب الالرف)

(۱۰)۔ کتاب الدلایل فی احکام النجوم

(۱۱)۔ کتاب المعانی فی احکام النجوم

(۱۲)۔ زائچہات الکواکب

(۱۳) الجامع الشاھی۔ وغیرہ

یہ کتابیں آج بھی وسط ایشیا ایران اور ہندو پاکستان میں دستیاب ہیں۔

ابو سلیمان المنطقی

ابو سلیمان محمد بن طاہر بن. بہرام السجستانی چوتھی صدی ہجری کے نامور اور بڑے حکمامیں سے تھے آپ ابو بشر المنطقی النصرفی اور ابوذکریا یحیٰی بن عدی المنطقی النصرانی کے شاگرد تھے ان دو نامور اساتذہ کرام سے فیض حاصل کیا۔ منطق اور ریاضی میں آپ نے بہت شہرت پائی آخر آپ کی منزل بغداد ٹھہری اور وہیں منطقیوں اور ریاضی دانوں کی صف اول میں آپ کا شمار ہونے لگا علم و فضل اور حکمت میں آپ کو فارابی اور بو علی سینا کا ہم پلہ قرار دیا جانے لگا۔ معروف کتاب "صوان الحکمۃ" میں ابو سلیمان کو ان الفاظ کے ساتھ یاد کیا گیا ہے۔

"حکیم ابو سلیمان محمد بن طاہر بن. بہرام سیستانی کہ کتاب صوان الحکمۃ را تصنیف کردہ مردی حکیم بود، و تصنیف ہازیادی در معقولات دارد۔ از جملہ رسالہ در اقتصاص طرق الفضایل و رسالہ دیگر بنام المحرک الاول نوشتہ"[1] ابن اصیبعۃ[2] نے اپنی کتاب طبقاۃ الاطباء میں چند اشعار کو ان سے منسوب کیا جن سے معلوم ہوتا ہے آپ اعلیٰ پائے کے شاعر بھی تھے انہوں نے آپ کی تصنیف و تالیف کردہ کتابوں اور رسائل کا ذکر بھی کیا ہے۔ خاص طور پر

۱۔ علامہ قزوینی — بیست مقالہ جلد ۲ — ص ۱۰۲
تتمہ صوان الحکمت — ص ۴۵-۴۴
۲۔ ابن اصیبعۃ — طبقات الاطباء جلد ۱ — ص ۳۲۲

(۱) ۔ مقالتہ فی مراتب قوی الانسان

(۲) کلام فی منطق

(۳) تعالیق حکمیہ

ابو سلیمان بستی

احمد بن محمد براہیم بن خطاب الخطابی بستی کا شمار عظیم فقہاء و محدثین میں ہوتا ہے اور آپ کی تالیفات سند کا درجہ رکھتی ہیں (۱) وسط ایشیا کا یہ فرزند بخارا کی مردم خیز سرزمین کا پروردہ تھا، لیکن آبائی وطن بست تھا، اسی وجہ سے بستی کہلاتے۔

آپ کی تالیفات میں سے مندرجہ قابل ذکر ہیں

(۱) از قبیل اعلام السنن۔ (یہ بخاری شریف کی شرح ہے)

(۲) غریب الحدیث و معالم السنن (یہ ابی داود کی شرح ہے)

(۳) کتاب شان الدعا

(۴) کتاب اصلاح غلط المحدثین

آپ کی تبحر علمی، مطالعہ اور حافظہ کا علم آپ کی تحریروں سے ہوتا ہے، آپ اپنے دور کے بہترین نقاد تھے آپ کی تنقید موجودہ دور کی تنقید کے ہم پلہ معلوم ہوتی ہے

ابو محمد المروزی

عبد اللہ بن مسلم بزرگ لغت دان تھا، لاتعداد کتابیں تالیف کیں۔ ان کی تالیف کردہ مشہور کتب یہ ہیں

(۱) ۔ المعارف

(۲) ۔ آدب الکاتب

(۳) ۔ غریب لقرآن

(۴)۔ غریب الحدیث

(۵)۔ عیون الاخبار

(۶)۔ مشکل القرآن

(۷)۔ مشکل الحدیث

(۸)۔ طبقات اشعرا

(۹)۔ الاشربہ

ابو عبداللہ محمد المرزبانی

مرجان خراسانی کا بیٹا عمران جسے بغداد میں ابو عبداللہ المرزبانی کے نام سے شہرت ملی۔ مرجان خراسانی ایک عالم شخص تھا، بہتر مستقبل کے لئے بغداد گیا۔ بغداد پہنچتے ہی عمران پیدا ہو گیا۔ عمران اپنی ذہانت اور استعداد سے، بہت جلد عالم و فاضل بن گیا۔ کئی تالیفات اور تصنیفات چھوڑیں۔ لیکن ان کی شہرت کی سب سے بڑی وجہ یزید بن معاویہ کے دیوان کو ترتیب دینا ہے۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے یزید بن معاویہ کے کلام کو اکھٹا کیا اور اسے دیوان کی صورت میں محفوظ کر لیا ورنہ یزید صرف اپنے سیاہ کارناموں کی وجہ سے یاد کیا جاتا اور اس کی یہ صلاحیت دنیا کی نظر سے پوشیدہ رہتی۔ ۹۴۶ء میں وفات پائی۔ وصیت کے مطابق خوارزم کے ایک قصبہ جو شہر سے باہر ہونے کی وجہ سے بیرون کہلاتا تھا میں دفن کیا گیا۔

ابو جعفر الخازن الخراسانی

خراسان کے عظیم عالم تھے خراسان سے بغداد پہنچے تو ان کی شہرت ان کی ریاضی اور نجوم کی کتابوں کی وجہ پہلے ہی پہنچ چکی تھی ہاتھوں ہاتھوں لئے گئے۔ عالم فاضل اور ماہر ریاضی ہونے کے سبب سرکاری ملازمت ملی اور محکمہ مال میں ملازم ہوئے۔ ترقی کرتے کرتے عباسی خزانہ کے خازن ہو گئے۔ ان کی تالیفات پر جو پہلے لکھی گئیں تھیں صرف ابو جعفر الخراسانی لکھا ہوا ہے لیکن بعد کی تالیفات پر الخازن الخراسانی کا اضافہ ہوا ہے۔

آپ نے ۹۸۰ء میں وفات پائی (۱) اور بغداد ہی میں دفن ہوئے۔ آپ کی قابل ذکر تصنیفات درج ذیل ہیں

(۱) کتاب آلات العجیبۃ

(۲) الرصدیہ

(۳) تفسیر مقالہ دہم از کتاب الاصول اقلیدس

ابوالعباس الرخسی

عباسیوں کے دور میں علم وادب اور سائنس نے جتنی ترقی کی زیادہ تر وسط ایشیا کے فرزندان کی مرہون منت ہے۔ ابوالعباس بن محمد الرخسی جو دسویں صدی عیسوی کے نامور اطباء میں سے تھے کا خمیر بھی بخارا ہی سے اٹھا۔ ان کی کتاب احمد خل الی علم النجوم علم ستارہ شناسی میں خاص مقام رکھتی ہے ماہرین علم نے ہمیشہ ان کی اس کتاب سے استفادہ کیا آپ نے ۹۶۸ء میں وفات پائی۔ اور بخارا کے نواح میں دفن ہوئے۔

ابوالوفا جوزجانی

جوزجانی نے بخارا میں تعلیم و تربیت پائی آپ کا نام یحیٰ بن اسماعیل تھا آپ علم حساب و ھندسہ کے پیشواؤں میں سے تھے۔ نت نئے طریقے اختراعات سے علم حساب اور ہندسہ میں اضافہ کیا۔ آپ کا پورا خاندان علم و فضل کی وجہ سے مشہور تھا۔ آپ نے اس فن عالی کو آگے بڑھاتے ھوئے "جبر و مقابلہ"۔ بہت قیمتی تالیف پیش کی یہ تالیف انہوں نے قبیل اقابتہ البرھان علی الدوائر من الفلک کو سامنے رکھ کر کی۔ آپ کی تفسیر کتاب ابرخس، تفسیر کتاب خوارزمی، تفسیر کتاب دیوفنطس مایحتاج الیہ العمال والکتاب من صناعہ الحساب، قابل ذکر ہیں

ابو حاتم بستی

ابو حاتم بستی محمد بن حیان بن احمد کا شمار بڑے دینی علماء میں ہوتا تھا۔ تنقید پر بھی بڑی عرق ریزی سے کام کیا۔ ابو حاتم نے

---

(۱) ریحانۃ الادب صفحہ ۲۲۹

دوہزار ایسے مشائخ کو تلاش کیا[1] جن کے فیض سے کئی کتابیں تالیف کیں۔

جن میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں

(۱) اتباع التابعین

(۲) کتاب التابعین

(۳) کتاب تباع التبع

(۴) کتاب تبع الاتباع

(۵) کتاب تبع الشفاء

(۶) کتاب الجرح والتعدیل

(۷) کتاب روضتہ العقلا۔ نزھتہ الفضلا

(۸) کتاب الصحابہ

(۹) کتاب المجم علی الدن

ابو حاتم نے ۲۷۶ء میں وفات پائی اور سمرقند میں دفن ہوئے

محمد بن عبدالرزاق البھیقی

البھیقی عربی زبان کا نامور شاعر تھا اس کی ادبیات کو پانچ جلدوں میں اکھٹا کر کے طبع کیا گیا لیکن خود اس نے اپنی زندگی میں "کتاب الدارت" ناصر الدولہ ابوالحسن سیجوری کے نام لکھی۔

محمد بن علی الکاتب

آپ اپنے دور کے جید علماء دین اور دانشوروں میں شمار ہوتے تھے مسجد سے لیکر شاہی دربار تک آپ کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھا

---

(۱) ریحانتہ الادب صفحہ ۲۲۹

جاتا تھا۔ وسط ایشیا میں عربی کے شاعر ابوالفتح بستی نے محمد بن علی الکاتب کی تعریف میں یہ قطعہ لکھا

معاشر	الناس	ارعوانا	ابوح	بہ
اسماعکم	انہ	من	خیر	اقوالی
محمد	وعلی	ثم	بعد	حما
محمد	بن	علی	رکن	آمالی

ابوبکر خوارزمی جو محمد بن علی کاتب کے قریبی دوست تھے نے ان کی دفات کے بعد ان کے افعال واقوال کے بارے میں ایک کتاب تالیف کی۔

ابو عبداللہ محمد المروزی

محمد احمد مروزی شافعی مذہب کے فقہامیں سے تھے مرو[1] میں فقہ شافعی کی ترویج و فروغ میں دن رات مصروف رہتے۔ بڑے قوی حافظہ کے مالک تھے ان کے حافظہ کے بارے میں کافی داستانیں مشہور ہیں

ابو عمر واحمد

آپ علم حدیث میں لاثانی تھے سیرت اور مورخین نے آپ کی فصاحت وبلاغت کی تعریف کی ہے اور آپ کو معقل الرحی قرار دیا ہے آپ نے ۹۷۴ ء میں وفات پائی اور سمرقند میں دفن ہوئے۔

ابوالقاسم الکعبی

الکعبی کا نام اکثر تذکرہ نگاروں نے احمد بن محمود لکھا ہے۔ آپ کی کتاب " مفاخر خراسان " اکثر مورخین اور تذکرہ نگاروں کے لئے ماخذ رہی ہے جو اسی سے اپنے مطالب کو نقل کر کے بات آگے بڑھاتے رہے ہیں

---

(۱) " مرد " وسط ایشیا کا وہ خوش نصیب خطہ ہے جس پر سب سے پہلے مسلمانوں کے قدم جمے سب سے پہلے فوجی ہیڈ کوارٹر قائم ہوا۔ پہلی مسجد بنی اور بنی امیہ کے فتوحات کے دور میں آخر تک یہی وسط ایشیا کا دارالحکومت رہا۔ آپ ۹۴۰ ء میں وفات پاگئے اور مرد ہی میں دفن ہوئے۔ آپ کا مزار موجود ہے

امام ابوالحسن

شعیب بن ابراہیم المعروف امام ابوالحسن شافعی مذہب کے مفتی اور محدث تھے آپ کو سامانی وزیر اعظم ابوالفضل بلعمی کی قربت حاصل تھی آپ کو کئی بار قاضی شہر کا منصب پیش کیا گیا لیکن آپ نے ہربار معذوری ظاہر کی اور معذرت کے ساتھ پیش کش کو رد کر دیا۔ آپ نے جب ۹۳۲ء میں وفات پائی تو آپ کے بیٹے حسن بن شعیب آپ کے گدی نشین بنے آپ بھی بہت بڑے عالم تھے اور ابواسحاق ثعلبی جیسے عظیم فلاسفر و عالم آپ کے حلقہ درس میں شامل تھے آپ دربار سے دور ہی رہے۔

ابن ابی الازہر

آپ کا نام ابو بکر بن مزید النحوی الاخباری خوشنجی الاصل تھا۔ آپ مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں

(۱) کتاب اخبار قدما البلغاء

(۲) کتاب اخبار المجانین

(۳) اخبار الہرج والمرج۔ یہ کتاب آپ نے المستعین باللہ و معتز عباسی کے بارے میں لکھی۔

ابو عبداللہ خوارزمی

یوسف بن محمد کاتب المروف "خوارزمی" "کتاب مفاتیح العلوم کے مولف ہیں۔ یہ کتاب دو مقالات پر مشتمل ہے۔ پہلا مقالہ چھ ابواب پر محیط ہے (۱) فقہ (۲) کلام (۳) نحو (۴) کتاب (۵) عروض (۶) اخبار

دوسرا مقالہ آٹھ موضوعات پر مشتمل ہے یعنی ۸ ابواب ہیں

(۱) منطق (۲) فلسفہ (۳) طب (۴) اعداد (۵) ہندسہ (۶) نجوم (۷) موسیقی (۸) خیال کیمیا۔ آپ کا انتقال ۱۰۱۹ء میں ہوا اور خوارزم کے قصبہ ہزار اسپ میں دفن ہوئے۔

ابوبکر خوارزمی

محمد عباس نام تھا سامانی دربار میں کاتب[1] تھے آپ شاعر اور ادیب تھے، نعت پر عبور تھا، معروف مفسر اور مورخ محمد بن جریر طبری

۱. کاتب آج کل کے سٹینو گرافر نہیں بلکہ موجودہ دور کے سیکرٹری کے برابر یہ عہدہ ہوتا تھا

آپ کے ماموں تھے ۔ آپ نحو ولغت اور فنون و ادبیات میں یگانہ و نابغہ روزگار تھے آپ اپنے دور کے ہر دربار میں اپنے علم و فضل کی وجہ سے یاد کئے جاتے تھے آپ کے اشعار لوگوں کی زبان پر ہوتے تھے ۔ آپ کے والد خوارزم اور ماں طبرستان سے تھیں آپ نے گرانقدر تالیفات کیں۔

جن میں رسائل، دیوان شعر اور سب سے مفید کتاب "مفید العلوم و مبید الہوم" ہے آپ نے ۱۰۰۵ ۔ میں وفات پائی اور طبرستان میں مدفون ہوئے ۔

ابو صالح بن منصور

آپ نے جامع البیان تفسیر القرآن تالیف محمد بن جریر الطبری کا فارسی میں ترجمہ کیا ترجمے کے مقدمے میں مندرجہ ذیل اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے

بخارا سے مشہور فقیہہ ابو بکر بن احمد بن حامد، جب کہ سیستان سے خلیل احمد السجستانی بلخ سے ابو جعفر بن علی اور باب الہند سے فقیہہ الحسن بن علی مندوسی اور ابوالجہم خالد بن ہانی کا نام درج ہے مقدمہ کچھ یوں ہے[1] ۔

ایں کتاب تفسیر بزرگست از روایت محمد بن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ کردہ بزبان پارسی دری راہ راست وایں کتاب ما بیاوردند از بغداد چہل مصحف بود بنشتہ بزبان تازی[2] واسنادھای دراز بود و بیاوردند سہوی امیر سید مظفر ابو صالح منصور بن نوح بن نصر بن احمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ۔ پس دشوار آمد بروی خواندن ایں کتاب و عبارت کردن آن بزبان تازی دخیان خواست کہ مر ایں را ترجمہ کنند بزبان پارسی پس علماء ماوراء النہر را گرد کرد وایں از ایشان فتوی کرد کی روا باشد کی ایں کتاب را بزبان پارسی مر آن کسی را کہ او تازی نداند از قول خدای عزوجل گفت ما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ ترجمہ ۔ یہ کتاب محمد بن جریر الطبری کی عظیم تفسیر کا

۱۔ قزوینی بیست المقالہ بمبئی ص ۵۰

(۲) تازی ۔ عربی زبان اور عرب کو بھی تازی کہتے ہیں لیکن بعض متعصب لوگ جن پر عربوں نے حکومت کی اور انہیں غلام بنایا اور ان سے بہت کچھ چھینا وہ کتے کو بھی تازی کہتے ہیں ۔ اکثر فارسی کے اسباق تازی کتے کو کہتے ہیں

فارسی ترجمہ ہے ۔ جب اس کتاب کو بغداد سے وسط ایشیا میں لایا گیا تو اس کی چالیس جلدیں تھیں جو عربی زبان میں لکھی گئی تھیں اور بڑی طویل اسناد کا سہارا لیا گیا تھا ۔ اس کتاب کو امیر بخارا سید مظفر ابو صالح منصور بن نوح بن نصر بن احمد بن اسماعیل کے حضور لایا گیا ۔ بادشاہ کے سامنے اس کو پڑھنے میں وقت پیش آئی ۔ پس انہوں نے حکم دیا کہ اس کا فارسی میں ترجمہ کیا جائے ، تب انہوں نے ماورالنہر کے علما کو اکھٹا کیا اور ان سے فتویٰ حاصل کیا کہ کیا اس کا فارسی میں ترجمہ کرنا صحیح ہے یا نہیں ؟ سب نے یک زبان ہو کر فتویٰ دیا کہ بالکل صحیح ہے ۔ کیونکہ خداوند عزوجل کے اس حکم کے مطابق کہ میں نے ہر قوم کے لئے رسول انہی کی زبان میں بھیجا ہے اور ہر انسان عربی پر عبور حاصل کرنے کا مکلف نہیں ہے ۔

ابو منصور هروی

محمد بن احمد[1] الازہری هروی جو "کتاب التہذیب" کا مصنف ہے اور جو عربی لغت کا مولف ہے کو اس لغت کو تالیف کرنے کے لئے عراق وجزیرۃ العرب کی کافی خاک چھاننا پڑی ، سفر کی صعوبتیں ، لوگوں سے ملنے کی تکالیف جھیلنا پڑیں مدتوں عربستان کے قرامطہ[2] کے پاس گذار دی ۔ انہیں چوتھی صدی ہجری کے عظیم ترین علماء میں شمار کیا جاتا ہے ۔

(۱) اتفاق کہیئے یا تذکرہ نگاروں اور مورخین کی ذہنی اختراع کہیئے کہ تقریباً تمام ان مشاہیر کے نام جو ان کے دور میں کسی وجہ سے ضبط تحریر میں نہ آسکے صرف کارنامے رہ گئے ایسے ناموروں کو محمد بن احمد کا نام دیا گیا ۔

(۲) قرامطہ ۔ اسماعیلیوں کا ایک فرقہ تھا ، جس کا بانی قرامط تھا اس کے پیروکاروں کو قرامطہ یا قرامطین کہتے تھے ۔ قرامط کا نام ہمدان تھا یہ ایران سے کوفہ آیا اس کو قرامط اس لئے کہتے تھے کہ یہ نہایت ہی پست قد تھا ۸۹۰ سے ۹۹۰ ء تک قرامطہ نے جزیرۃ العرب ، عراق ، ایران اور وسط ایشیا میں خوف و ہراس اور تہلکہ مچایا ہوا تھا ۔ قرامطہ ایک زرعی قسم کے اشتراکی نظام کی تبلیغ کرتے تھے جاگیرداروں ، سرداروں اور دیگر امرا کے ہاتھوں ذلت اور مفلسی کی زندگی گزارنے والے لوگوں کو جب قرامطہ ایک باطنی (مخفیہ) امام کے بارے میں کہتے کہ وہ نمودار ہو گا اور انہیں تمام مصائب سے نجات دلائے گا اور زمین بے زمین ہاریوں میں تقسیم کرے گا ۔ اس طرح لوگ جوق در جوق ان کے طرف دار ہو گئے جب کوفہ کے گورنر کو علم ہوا تو اس نے قرامطہ کو گرفتار کر لیا ۔ لیکن یہ جیل سے کسی طرح بھاگنے میں کامیاب ہو گیا ، عراق اور شام میں بڑی تعداد میں اپنے پیروکار جمع کر لئے ۔ یہ خلیفہ معتمد باللہ کا دور تھا ۔ غلاموں کی بغاوت جو ۸۶۹ ء تا ۸۸۳ ء رہی ، قرامطہ نے زنجی (غلاموں) کو ساتھ ملانے اور عباسی خلافت پر بھرپور وار کرنے کے لئے ہاتھ پیر مارے ۔ لیکن اس کا منصوبہ قبل از وقت طشت از بام ہو چکا تھا اور خلیفہ کے آدمیوں نے زنجیوں اور قرامطہ کے درمیان کوئی معاہدہ نہ ہونے دیا بلکہ رابطہ تک نہ ہونے دیا ۔ قرامطہ کی موت کے بعد ذکرویہ قرامطہ کا لیڈر مقرر ہوا ۔ اور ۹۰۰ ء میں اس نے خلیفہ کی افواج کو عبرت ناک شکست دی ، عراق اور شام کو روندتا ہو آگے بڑھا ۔ یہاں تک کہ کچھ عرصہ تک بغداد بھی ان کے دباؤ میں رہا بلکہ یہ دمشق پر بھی قبضہ کر چکے تھے ۔ آخر کار انہیں شکست ہوئی اور یکے بعد دیگرے انہیں شام اور عراق سے باہر نکالا گیا ۔ ہزاروں قرامطہ جن میں ذکرویہ کا بیٹا بھی شامل تھا گرفتار ہوئے ، جنہیں شدید اذیتیں دی گئیں اور پھر انہیں زندہ جلا دیا گیا ۔ اب ابوسعید جنابی ان کا رہنما بن گیا اسے بھی شکست ہوگی اور یہ ۹۰۱ ء میں مارا گیا تو اس کا بیٹا طاہر برسر اقتدار آیا اس نے انتقاماً عراق کو تہ و بالا کیا اور بصرہ پر قبضہ کر لیا ۔ مکہ جانے والے حاجیوں کو لوٹا اور کعبہ پر بھی حملہ کیا ۔ ایک صدی تک یعنی ۸۹۰ سے ۹۹۰ تک ان کا زور رہا

اسماعیل فارابی

ابو منصور حروی کی طرح اس نے بھی عربی لغت پر کام کیا اور مختلف عرب قبائل میں رہا۔ تحقیق کو آگے بڑھایا جو لغت تیار کی اسے عربی زبان کی لغات میں ۔بہترین لغت قرار دیا گیا ان کی تالیف "الصحاح اللغتہ" کا شمار عربی زبان کی صف اول کی لغات میں ھوتا ہے اور اسے سند کا درجہ حاصل ہے ۔ کیونکہ انہوں نے اکثر لغات کی تصیح کی ہے ۔

ابو عمرزوزنی

انہوں نے بھی نحو اور لغت کی گرانقدر خدمات سرانجام دیں ۔ شرح معلقات سبع تالیف کر کے صف اول کے مولفین لغات میں شامل ھو گئے ۔

محمد بن احمد خریفون

آپ نے علم جغرافیہ میں نہایت ہی مستند اور معتبر کتاب "حدود العالم" تالیف کی کتاب پر ابی الحرث نام تحریر ہے ۔ مورخین نے ساتھ محمد بن احمد لگا کر آپ کا نام پورا کر دیا ۔ ویسے ابی الحرث کا نام امراء تابع سامانیان میں موجود ہے آپ نوح بن منصور کے ہم عصر تھے اور ان کے دور میں جوزجان کے حاکم تھے ۔ آپ جوزجان ہی میں دفن ہوئے ۔

ابو منصور موفق بن علی ھروی

ان کا نام پہلی بار مولف Gurter Flugel فہرست نسخ عربی و فارسی و ترکی کی تالیف میں سامنے آیا جو ویانا[1] کی سرکاری لائبریری میں موجود ہے ۔

یہ دانشور منصور بن نوح کے زمانہ میں زندگی کے دن پورے کر رہا تھا اس کی زندگی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں جو چیز ہمیں ان سے متعارف کراتی ہے وہ ان کی کتاب "الابنیہ عن حقائق الادویہ" ہے جو منصور بن نوح کے نام منسوب کی گئی ہے

(۱) سبک شناسی جلد ۲ صفحہ ۲۷ ۔ ۲۶

مولف نے ان تمام ادویات کا نام جو اس دور میں پہچانی جاتی تھیں درج کیا ہے ۔ کتاب کا طرز تحریر اور اسلوب نہایت ہی سادہ و رواں ہے جو دور سامانی کا خاصہ ہے ۔ اس حکیم کی تحریر کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمایئے

حکیمان روم می گویند کہ بعضی دارو باغذا گرم ست اندر درجہ ی اول خشک ست اندر درجہ ی ہی دوم واندرین ایشان بہ غلط افتادہ اند د حکیمان ھند بر صوابند و من راہ حکیمان ھند گرفتہ ام از آن جہتہ کہ دارو آنجا بشیتر ست و عقاقیر آنجا تیز تر و خوشتر و ہمت آن مردمان باستقصا۔اندر حکمت بالغ ترست و دیگر پر چ اندر ایں شش اقلیم یابند از دارو واز غذا ہمہ بہ آن یک اقلیم موجوداست جز سہ چیز و آن سہ چیز را بدل بجاست از آن نیکو تر بعقل و قوت از آن نافع تر، از آن سہ یکی گل مختوست و بدل آن گل کنگی است، دوم روغن بلسانست و بدل وی روغن کافی ست، سیم عود القلبت است و بدل او سنگ بنارس است ابوالموید بلخی

سامانی دور کا مورخ ، لکھاری اور نامور شاعر تھا اس کی شہرت اس کی تحریروں کی وجہ سے کئی نسلوں تک پہنچی۔ اس کی تالیفات بہت گراں قدر ہیں ۔ ابوالموید کو پہلوانوں کی داستانیں اور قدیم آریاؤں کی تاریخ لکھنے کا بہت شوق تھا ۔ اسی لئے اس نے شاہنامہ کو بڑے مفصل انداز سے تالیف کیا اور اس عظیم نثری مجموعے کو نوح بن منصور کے نام منسوب کیا ۔ شاہنامہ کے علاوہ آپ کا گرشاسب نامہ اور عجائب البلدان بھی مشہور تالیفات ہیں ۔ تاریخ سیستان آپ کی مستند کتاب ہے ۔ یہ کتاب وسط ایشیا اور ایران پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے .بہترین سرمایہ ہے ۔

آپ نے یوسف زلیخا کی کہانی ایک خوبصورت نظم میں ڈھال دی ۔ اس کتاب کا مقدمے پڑھنے سے مترجم شاعر کی تذکرہ نگاری پر دسترس کا اندازہ ھوتا ہے ۔ تذکرہ نگاروں نے جابجا ابوالموید کے کلام کے نمونے پیش کئے ہیں لیکن راقم الحروف کو کوئی بھی پسند نہ آیا اس لئے اسے ضبط تحریر میں نہ لایا ۔

مسعودی مروزی

حیرت کی بات ہے کہ سامانی دور کے شعرا کو شاہنامہ لکھنے کا شوق تھا، اور انہوں نے لکھا بھی، لیکن شہرت مروزی کے مقدر میں تھی،

دقیقی کا نام بھی فردوسی ہی کی وجہ سے زندہ رہا کیونکہ فردوسی نے اس کا ذکر کیا مسعودی بھی داستان سرا شعرا خراسان میں سے تھا اس نے بھی نظم میں تاریخی روایات کو منظوم کیا اور شاہنامہ تالیف کیا۔ خراسان میں مسعودی وطن پرست کے طور پر مشہور تھا، اس کے حالات زندگی کا کوئی مصدقہ ماخذ ہنوز ہاتھ نہیں لگا البتہ بعض تذکروں میں اس کے چند اشعار ملتے ہیں۔ جو مثنوی کے اشعار ہیں۔ ظاہر ہے شاہنامہ ہی کے ہونگے۔ کیونکہ ان میں ایران کے ان روایتی بادشاہوں کا ذکر ہے جن کا فردوسی نے بھی ذکر کیا ہے مثلاً

نخستین کیومرث آمد بشاہی

گرفتن بہ گیتی درون پیش گاہی

رودکی

فارسی ادب کے آسمان کا درخشندہ ستارہ رودکی اہل سامان کے تمام شعرا کا سرتاج تھا۔ اسی سے جدید فارسی شاعری کی بنیاد پڑی۔ سامانی خاندان کے نام کو زندہ رکھنے میں رودکی کا بھی حصہ ہے۔ ابو عبداللہ۔ (بعض تذکرہ نگاروں نے اسے ابوالحسن بھی لکھا ہے) جعفر بن محمد بن حکیم رودکی اس دور کا مشہور شاعر تھا تمام تذکرہ نگار متفق اللبیان ہیں کہ سب سے پہلے جس نے فارسی زبان میں دیوان مرتب کیا اور جو موجود ہے وہ رودکی کا ہے چہار مقالہ میں حنظہ بادغیسی کے دیوان کا ذکر نظامی عروضی نے کیا ہے، لیکن ان کا دیوان موجود نہیں ہے۔ سامانیوں کے دور میں سینکڑوں شعرا تھے، لیکن آج تک سامانیوں کا نام جس کی بدولت زندہ ہے وہ رودکی ہے۔ شریف گرگانی لکھتے ہیں۔

ازان چند ین نعیم جاودانی

کہ ماند از آل سامحان و آل سامانی

ثنائی رودکی ماندست مدحش

نورتی بار بد ماندست و دستان

رودکی پنج رودک گاؤں جو نخشب (مرو) کے قریب ہے میں پیدا ہوا۔ بچپن ہی سے ذہین اور تیز فہم تھا اور آٹھ سال کی عمر سے شعر

کہنے لگا[۱] یورپ اور ایشیا کا یہ عجیب اتفاق ہے کہ رودکی بھی ہومر کی طرح پیدائشی اندھا تھا[۲] شاعری کے ساتھ ساتھ موسیقی میں بھی بچپن سے دسترس حاصل کرلی[۳] حافظہ اس قدر قوی تھا کہ انہیں دنوں قرآن شریف بھی حفظ کرلیا۔ پھر علم قرآت کی تکمیل کی۔ شعر بھی نہایت ہی خوش الحانی سے کہتا تھا شاعری کے ساتھ تمام مستند علوم وفنون حاصل کئے۔ خوش قسمتی سے خوش الحانی کے ساتھ ساتھ طبعیت بھی بذلہ سنج واقع ہوئی تھی۔ اس دور کے سلاطین کے دربار میں ایک بڑی عظمت خدمت ندیمی کی تھی۔ تقرب اور اثر کی وجہ سے ندیم کا رتبہ وزراء سے بھی بالاتر ہوتا تھا۔ اس عہدہ کے لئے بذلہ سنجی، لطیف الطبعی، حاضر جوابی، ظرافت اور وسعت معلومات ضروری شرطیں تھیں جو رودکی میں موجود تھیں۔ ظاہر ہے ان خصوصات کی بنا پر عوام میں مقبول ہوا اتنی شہرت پائی کہ آخر بادشاہ کے ندیمان میں شامل ہوگیا۔ بادشاہ نصربن احمد کا دور بھی نہایت پرامن تھا۔

اور نصربن احمد دلدادہ فرہنگ وادب تھا رودکی کی ہنرمندی، شاعری اور موسیقی کی ہم آہنگی اور خوش الحانی نے بادشاہ پر جادو کا اثر کیا اور شاہی عنایات کا سزاوار ہوا۔ خوش قسمتی سے ابوالفضل بلعمی جیسے علم دوست شخص اس وقت نصربن احمد کے وزیر بزرگ تھے۔ بلعمی خود رودکی کا اس قدر معتقد تھا کہ برملا کہتا تھا کہ " رودکی رادر عرب و عجم نظیری نیست " نصربن احمد نے رودکی کی تربیت پر خاص توجہ مبذول کی تمام ارباب تذکرہ اس بات پر متفق ہیں کہ رودکی کو اس قدر دولت وجاہ نصیب ہوئی کہ دربار کے بڑے بڑے امرا کو حاصل نہ تھی۔ جب اس کی سواری نکلتی تو دوسو زرین کمر غلام رکاب کے ساتھ ساتھ چلتے، سفر میں اس کا اسباب چار سو اونٹوں پر بار کیا جاتا تھا۔

بقول علامہ شبلی فارسی شاعری عربی کے نمونے پر قائم ہوتی لیکن اس زمانہ میں عربی شاعری واقعیت اور حقیقت سے دور ہوکر ستائش گری اور مداحی کے سوا اور کسی کام کی نہیں رہی تھی۔ متنبی، ابو تمام اور بحتری جو اس دور کے پیغمبران سخن تھے ان کا تمام تر کارنامہ یہی خوشامد اور ثناگستری تھا۔ خلفاء اور امرا شاعری کو صرف تفریح طبع کا ایک مشغلہ سمجھتے تھے۔

---

(۱)۔ علامہ عوفی — لباالالباب جلد ۲ — ص ۷-۹

(۲)۔ علامہ شبلی نعمانی — شعرالعجم جلد ۱ — ص ۲۱

(۳)۔ بہارستان جامی

لیکن سامانی خاندان نے شاعری سے کام لیا۔ چنانچہ رودکی کو کلیلہ دمنہ[1] کو نظم میں ڈھالنے کی خدمت سپرد هوئی۔
اس کے صلے میں رودکی کو چالیس ہزار درہم عطا کیئے گیئے۔ عنصری ایک قصیدہ میں کہتا ہے۔

چہل ہزار درم رودکی مہتر خویش
عطا گرفت بہ نظم کلیلہ در کشور

رودکی کی شاعری کا انداز واقعہ گوئی، پند و موعظت اور حسن تاثیر ہے، عرب جاہلیت کی شاعری کا اصلی جوہر یہ تھا کہ اس سے بڑے بڑے قومی اور ملکی انقلابات پیدا ہوتے تھے فارسی شاعری تفریح طبع کے سوا اور کچھ بھی نہ تھی لیکن رودکی اس عام اعتراض سے مستثنٰی ہے نظامی عروضی سمرقندی نے اپنے " چہار مقالہ " میں شاعری کی ماہیت کے عنوان میں رودکی کے اس واقعہ کو قلم بند کیا کہ نصر بن احمد سامانی نے ایک دفعہ ہرات کا سفر کیا۔ بادغیس کا علاقہ جو ہرات کی ایک نزہت گاہ تھی میں پڑاؤ ڈالا، بہار کے دن تھے تمام دشت و صحرا چمن زار بنا هوا تھا۔ بادشاہ ان دل فریبیوں میں ایسا محو هوا کہ بہار یہیں گزار دی۔ میوہ جات کی بہتات تھی۔ ان اطراف میں ایک سو بیس قسم کے انگور هوتے ہیں۔ جن میں ترنیان اور کلنجدی نہایت خوش مزہ شاداب اور نرم هوتے ہیں۔ نصر بن احمد صحرا سے اٹھ کر آبادی میں آگیا اور " دروازہ " جو اس وقت ایک مشہور مقام تھا میں قیام کیا یہ مقامات نہایت آباد و معمور تھے ہر طرف عالی شان قصر و ایوان اور ہر ایوان کے ساتھ پائیں باغ ہو تا تھا۔ اس زمانے میں سیستان اور ماژندران کے میوہ جات کی آمد هوتی تھی بادشاہ نے جاڑے ادھر ہی گزارے۔ ہر دفعہ یہی ارادہ کرتا کہ اب کے بہار گزرنے پر روانہ هو جاؤنگا، لیکن جب ایک موسم گزر جاتا تھا۔ تو دوسرا زنجیر پا بن جاتا تھا اس طرح پورے چار سال گزر گیئے، امرا اور فوج کے لوگ تنگ آ گیئے ہر ایک کو اپنے بال بچے یاد آرہے تھے لیکن وہ بادشاہ کی عیش میں خلل ڈالنے کی جرآت نہیں کر سکتے تھے آخر رودکی کے پاس گیئے اور پانچ ہزار اشرفیاں اس شرط پر دینا منظور کیں کہ بادشاہ بخارا (دارالحکومت) واپس جائے۔ اگلے دن رودکی دربار میں گیا۔ نصر بن احمد شراب پی رہا تھا اور سرور میں تھا۔ رودکی نے ساز کے ساتھ عشاق کی دھن میں یہ اشعار گائے۔

(۱) کلیلہ دمنہ سرمایہ ہند سنکرت میں لکھی هوئی تھی اسے عربی میں ترجمہ کیا گیا اور پھر فارسی میں ترجمہ هوئی۔

بوئی جوئی مولیان آید ہمی ۔یاد یار مہربان آید ہمی

ریگ آموی ودرشتیہائی او ۔ زیر پایم پر نیان آید ہمی

آب جیحون باہمہ پہناوری ۔ خنگ مارا تامیان آید ہمی

ای بخارا شادباش و شادزی ۔ شاہ سویتت مہمان آید ہمی

شاہ سرواست و بخارا بوستان ۔ سروسوئی بوستان آید ہمی

شاہ ماہ است و بخارا آسمان ۔ ماہ سوئی آسمان آید ہمی

نصر بن احمد کو شراب کا نشہ چڑھا ہوا تھا۔ یہ سن کر اس کا یہ حال ہوا کہ پاؤں میں گھوڑ سواری کے موزے تک نہ پہنے۔ گھوڑے پر سوار ہوا اور ایک منزل تک گھوڑے کو سرپٹ دوڑایا تو کہیں جاکر دم لیا۔ علامہ شبلی نے سمرقندی کا نام لیکر یہ واقعہ لکھ کر ساتھ حیرت کا بھی اظہار کیا کہ یہ ایک سیدھی سادھی نظم ہے نہ کوئی صنعت ہے نہ مضمون بندی ہے اس کا اس قدر اثر کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ یہ بات خود شبلی کے ذہن میں آئی سمرقندی نے ہرگز یہ نہیں لکھا۔ مجمع الفصحاء میں رشید سمرقندی نے رودکی کے باب میں لکھا کہ اس کے اشعار کی تعداد ایک لاکھ تھی۔

شعراو را بر شمردم سیزدہ رہ صد ہزاز

ہم فرون تر آیدار چونان کہ باید بشمری

ترجمہ۔ میں نے اس کے اشعار تیرہ دفعہ گنے ایک لاکھ تھے

اگر اچھی طرح گنے جائیں تو اس سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔

رابعہ بلخی

فارسی زبان کی پہلی مستند شاعرہ ہیں اور اپنے دور میں بہت شہرت پائی۔ کلام میں عشق، لطیف الفاظ و لطیف خیالات مرد شعرا سے بڑھ کر ہیں۔ اس کے کلام میں کہیں حشو نہیں۔ اعتدال کا دامن کبھی بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا عبدالرحمان جامی[1] اپنی کتاب نفحات الانس میں ابو سعید ابوالخیر سے استفادہ کر کے لکھتا ہے کہ رابعہ کعب کی بیٹی تھی۔ صوفی منش تھی۔ عربی فارسی میں یکساں علم کی حامل تھی۔ عربی میں بھی شعر کہتی اور عاشق تھی، لیکن اس کا عشق عشق مجازی نہ تھا۔ اپنے ایک غلام پر عاشق تھی۔ جسے خبر بھی نہ تھی

علامہ شبلی شعرالعجم میں رابعہ کے بارے میں یوں رقمطراز[2] " ہیں اس دور کی خصوصیت یادگار ہے کہ شعرو شاعری کا مزاج عورتوں میں پھیل گیا تھا رابعہ فرداری بلخی جو رودکی کی ہمعصر تھیں کا باپ کعب فرداری نسلاً عرب تھا لیکن وسط ایشیا کے علاقہ بلخ میں سکونت پذیر ہو چکا تھا۔ عربی زبان گھر کی لونڈی تھی اور فارسی میں تحصیل علم کیا اس لئے دونوں زبانوں پر یکساں عبور حاصل تھا، دونوں زبانوں میں روانی سے شعر کہتی تھی۔ نہایت حسین[3] اور صاحب فضل و کمال تھی۔ یکتاش نامی ایک ترک غلام سے اس کو عشق تھا اس کا عشق مجاز کی منزلیں طے کرتا ہوا عشق حقیقی تک پہنچ گیا۔ جب عشق حقیقی کی نوبت پہنچی تو صوفیائے کرام نے ان کا شمار صوفیہ میں کر دیا۔ لیکن عورت کا کسی نامحرم سے عشق کرنا اسلامی جماعت کے لحاظ سے معیوب تھا اس لئے فتویٰ صادر ھوا، لوگوں کا اجتماع ھوا اور پھر اس کے مکان پر حملہ ھوا اور بغیر کسی ثبوت کے سنگسار ھوئی کیونکہ ہجوم میں سوچنے کی صلاحیت مفقود ھوتی ہے، ان پر تو ایک جذبہ طاری ھوتا ہے جو جان لے کر ہی ٹلتا ہے۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

دعوت من بر توان شدکہ ایزدت عاشق کناد
بر یکی سنگین دی نامہر بان چون خویشتن

---

(۱)۔ عبدالرحمن جامی — نفحات الانس — ص ۵۹۴
(۲)۔ علامہ شبلی نعمانی — شعرالعجم جلد ۱ — ص ۲۰
(۳)۔ اس کی تصویر ایک بڑے فریم میں وسط ایشیا سنٹر پشاور یونیورسٹی کی لائبریری میں آویزاں ہے۔

تابدانی درد عشق و داغ ہجر و غم کشی
چون بہ عشق اندر بہ پیچی پس بدانی قدر من

ترجمہ:۔

اگر خدا تجھے کسی ایک سنگ دل اور تیری طرح کے کسی ظالم پر عاشق کر دے پھر کہیں جاکر میری دعوت کا تم پر اثر ہو گا۔ تم عشق کا درد جدائی کا داغ اور فراق کا غم اس وقت جان سکو گے جب کسی کے عشق میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ جب اس بھنور میں پھنس جاؤ گے تب تمہیں میری قدر آئے گی۔

دوسری جگہ کہتی ہے

مرابہ عشق ہمی محتمل کنی بہ حیل
چہ حجت آری بہ پیش خدائی عزوجل

دولت سامانیہ کے زیر سایہ لاتعداد شعرا اور ادبا نے پرورش پائی خوف طوالت کے باعث اختصار سے کام لیتے ہوتے صرف چند نام درج کئے ہیں۔ تفصیل کے لئے احمد علی کہزاد کی تالیف سامانیاں۔افغانستان۔ کابل۔ ۱۹۷۰ء دیکھئے۔ عمارہ مروزی، فرالاوی، ابوشعیب هروی، بوشکور، معروفی بلخی، ابوالعباس ربنجنی، ابوزراعہ معمری، ولوالجی، ابوطیب مصعبی، ابواسحاق، ابراہیم جویباری، شاکر جلاب، اعجمی۔ طخاری، ابوالمثل بخاری اور طلحہ وغیرہ

عنصری بلخی

حسن بن احمد عنصری، تجارت کی غرض سے بلخ سے بخارا جارہا تھا کہ ڈاکہ پڑا۔ قلاش ہوا، آبائی پیشہ چھوڑ کر حصول علم میں لگ گیا، کیونکہ علم کے چوری ہونے کا خدشہ نہیں۔ جلد ہی علوم و فنون میں یکتا ہوگیا، کیونکہ اسے شوق تھا اور طبعیت شاعری کی طرف مائل تھی۔ حصول علم کے ساتھ ساتھ طبع آزمائی بھی کرنے لگا شہرت پائی اور ایک دن سلطان محمود غزنوی کے دربار میں پہنچ گیا اور ہوتے ہوتے ترقی کی اور ملک الشعرا کا خطاب ملا اور دربار کے کم وبیش چار سو شعرا کا کلام آپ کی منظوری کے بعد بادشاہ کی خدمت میں

پڑھا جاتا۔ اس لئے شعرا گراں بہا تحائف عنصری کو بھی پیش کرتے تھے، محمود کی شاہانہ عنایات سے عنصری اس قدر مالا مال ہوا کہ چار سو[1] زریں کمر غلام ہم رکاب چلتے تھے اور جب سفر کرتا، تو اس چار سو شعرا کے استاد کا سازو سامان طلائی اور نقرئی چار سو اونٹوں پر بار کیا جاتا۔ انتہا یہ کہ دیگیں بھی طلائی اور نقرئی تھیں۔ خاقانی، عنصری کی دولت کا ذکر اپنے اس شعر میں کرتا ہے

شنیدم   کہ   از   نقرہ   زد دیگ   دان

زر   زر   ساخت   آلات   خوان   عنصری

بعض شعرا کے اشعار کو پڑھ کر دولت شاہ سمر قندی نے اپنے قوی تخیل کے زور سے کئی شعرا کے حالات زندگی گھڑ لئے ہیں، لیکن علامہ شبلی نے بھی بغیر کسی تحقیق اور تردد کے من و عن وہی سمر قندی والے ہی حالات زندگی درج کر دیئے ہیں۔ مثلاً محمود غزنوی کے دربار میں چار سو[2] شعرا تھے۔ عنصری نے محمود غزنوی کی وفات کے دس سال بعد ۱۰۴۰ء میں وفات پائی۔ بقول علامہ شبلی عنصری کے اشعار کی تعداد تیس ۳۰ ہزار بیان کی جاتی ہے جن میں اب صرف تین ہزار موجود ہیں (ہو سکتا ہے اصل اشعار کی تعداد تین ہزار ہی ہو، کیونکہ فارسی میں تین اور تیس یعنی سہ اور سی میں معمولی فرق ہے۔ سہواً سہ کو سی پڑھ لیا گیا ہو۔ کیونکہ محمود غزنوی کے دور کے بعض تذکرے ملتے ہیں، غزنوی دور کی تواریخ بھی سامنے آگئی ہیں)

فرخی

اس کا نام بھی ابوالحسن علی فرخی لکھا ہوا ہے نظامی عروضی کے چہار مقالہ میں اس کا وطن سیستان اور باپ کا نام قلوغ لکھا ہے جو امیر سیستان خلف بن احمد کے دربار میں ملازم تھا فرخی لکھ پڑھ کر اور تربیت پا کر ایک بڑے زمیندار کے ہاں ملازم ہو گیا دو کیل غلہ

---

(۱) چار سو زرین کمر غلام کا ہم رکاب چلنا شاعرانہ تعلی لگتی ہے۔ یہ چار سو زرین کمر غلام رودکی کے بھی ہم رکاب ہوا کرتے اور چار سو اونٹوں پر اس کا سامان سفر ہوتا تھا اسی طرح عنصری بھی چار سو شعرا کا استاد۔ چار سو غلام اور چار سو اونٹوں پر سونے چاندی کے برتن جاتے تھے۔ اتنے سازو سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

(۲)۔ اسی قسم کی مبالغہ آرائی دولت شاہ سمر قندی کا خاصہ ہے اس کا تذکرہ جمع الفصحا جب سلطان سنجر کے ملک الشعرا امیر نصری کا ذکر کرتا ہے کہ اس کے بھی چار سو شاگرد، چار سو زرین کمر غلام اور چار سو اونٹوں پر اس کا طلائی اور نقرئی سامان جاتا ہے۔ تینوں ابوالقاسم ہیں۔ تینوں کے حالات زندگی بھی ملتے جلتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے حالات زندگی مفقود تھے جو ہیں وہ دولت شاہ کی ذہنی اختراع ہے

اور دو سو درہم سالانہ مقرر تھے۔

شادی کرنے کے بعد اخراجات میں اضافہ ھوا۔ معاوضہ بڑھانے کی درخواست کی لیکن منظور نہ ھوتی۔ بہتر مستقبل کی تلاش میں بلخ کے گورنر ابوالمظفر چغانی کے دربار میں پہنچا وہاں اپنے فن کا مظاہرہ کیا اور قبولیت پائی۔ ترقی کرتے کرتے محمود غزنوی کے دربار میں پہنچا اور بڑے معرکتہ آرا قصائد لکھے۔ جس سے ان کے زور کلام کا پہلو ظاہر ہوتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو فرخی نے اشعار میں محمود غزنوی کی کم وبیش ساری فتوحات کا ذکر بڑے شدومد سے کیا ہے۔ جس سے اس وقت کے سامان حرب اور طریقہ جنگ کا بھی علم ھوتا ہے، اور آخر میں محمود غزنوی کی موت پر جو مرثیہ لکھا ہے۔ وہ نہایت ہی رقت آمیز اور فرخی کی قادر الکلامی پر دال ہے۔

شہر غزنی نہ ہمان است کہ من دیدم پاد
چہ فتا دست کہ امسال دگر گون شدہ کار

فردوسی

علامہ شبلی نے کافی تحقیق کے بعد فردوسی کا نام حسن بن اسحاق بن شرف تسلیم کیا۔ کیونکہ بہت سارے تذکروں میں باہم سخت اختلاف ہے۔ دولت شاہ سمرقندی کے مطابق فردوسی کبھی کبھار اپنا تخلص ابن شرف بھی لایا ہے۔ مجالس المومنین میں اس کے باپ کا نام منصور بن فخرالدین لکھا ہے۔ فردوسی طوس کا رہنے والا تھا اسی خاک نے امام غزالی اور محقق طوسی کو جنم دیا۔

کنون عمر نزد یک ہشتاد شد۔
امیدم بہ یک بارہ برباد شد

کم از کم اسی ۸۰ سال کی عمر پائی تھی۔ جو ان کے مندرجہ بالا شعر سے واضح ہے۔ محمود غزنوی کے دربار میں پہنچنے سے پہلے ہی یہ شاہنامہ شروع کر چکا تھا جس طرح دقیقی کے باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ اس نے ایک ہزار شعر لکھے تھے کہ قتل ھوا۔ فردوسی نے شاہنامہ کو انجام تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا اور کامیاب ہوا اور محمود غزنوی کے خدمت میں پیش کیا۔ بعض متعصبین نے جن میں نصر اللہ (وزیر) کا نام بھی آتا ہے محمود سے یہ کہہ دیا کہ فردوسی شیعہ ہے اور شاہنامہ بھی مجوسیوں کی تاریخ ہے اس سے ہم نے کیا لینا

ہے۔ محمود غزنوی سادہ لوح آدمی تھا ان کی باتوں میں آگیا۔ اور فردوسی کا خیال تھا کہ بادشاہ فی شعر ایک اشرفی دے گا ساٹھ ہزار شعر لکھے تھے۔ لیکن جب اس کی توقع سے بہت ہی کم انعام ملا۔ تب اس نے وہ رقم اسی وقت لوگوں میں بانٹ کر روپوش ہوگیا اور محمود کی ہجو لکھی۔ ایک دفعہ محمود غزنوی ہند کی مہم سے واپس آرہا تھا کہ راستہ میں ایک قلعہ نظر آیا وہیں ٹھہر گیا اور قاصد بھیجا کہ اہل قلعہ میری خدمت میں حاضر ہوکر اطاعت بجالانے۔ قاصد جب واپس جواب لے کر آرہا تھا محمود غزنوی نے وزیر اعظم حسن مہندی سے مخاطب ہو کر کہا کیا جواب لایا ہو گا؟ وزیر نے برجستہ کہا

اگر جز بکام من آید جواب

من و گرز و میدان وافر اسیاب

سلطان محمود چونک اٹھا۔ پوچھا کس کا شعر ہے؟ وزیر نے کہا " بیچارے فردوسی کا جس نے کتنی سال تک خون جگر پی کر شاہنامہ لکھا اور کچھ حاصل نہ ہوا " محمود نے کہا " غزنین پہنچ کر یاد دلانا " اور پائے تخت پہنچ کر ساٹھ ہزار اشرفیاں فردوسی کو روانہ کیں۔ لیکن شومئ تقدیر کہ ادھر شہر کے ایک دروازہ سے صلہ پہنچا اور دوسرے سے فردوسی کا جنازہ نکل رہا تھا۔ محمود کا قاصد جب قبرستان پہنچا تو وہاں ہنگامہ تھا۔ طوس کے واعظ نے فتوی دیا کہ فردوسی رافضی تھا۔ یہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہو سکتا۔

ہر چند لوگوں نے منت سماجت کی، لیکن اس بدنفس واعظ نے ایک نہ مانی مجبوراً فردوسی کو اس کے اپنے ہی باغ میں دفن کر دیا گیا۔ فردوسی کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی ایک لڑکی تھی اس نے یہ کہہ کر شاہی صلہ لینے سے انکار کیا کہ جس صلہ کی حسرت میں اس کا باپ مرگیا اسے قبول نہیں کرسکتی۔ سلطان کو جب اطلاع ہوئی تو انہوں نے حکم دیا کہ اشرفیاں امام ابو اسحاق کے حوالے کی جائیں تاکہ وہ فردوسی کے نام پر ایک کاروان سرائے تعمیر کرسکے۔ ناصر خسرو نے اپنے سفرنامہ میں لکھا۔ کہ جب وہ ۴۳۰ھ میں طوس پہنچا تو ایک بڑی کاروان سرائے دیکھی۔ لوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ فردوسی کے صلہ سے تعمیر ہوئی ہے فرہنگ رشیدی اور چہار مقالہ میں لکھا ہے کہ اس کاروان سرائے کا نام " چاہ " ہے (کیونکہ اس سرائے کے دہانے پر ایک بہت بڑا کنواں بھی تعمیر کیا ہوا تھا) یہ کاروان سرائے " مرو " اور نیشاپور کے راستہ میں ہے۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے فردوسی کی تاریخ وفات ۴۱۱ ہجری لکھی ہے۔ اور فردوسی کے

شاہنامہ کے آخر میں تشریح کی ہے کہ شاہنامہ ۴۰۰ ہجری میں انجام ہوا۔

کنون عمر نزد یک ہشتاد شد
امیدم بہ یک بارہ بر باد شد

اور اپنی عمر ۸۰ سال تصریح کی ہے۔

پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں وسط ایشیا میں ایک خلفشار نمودار ہوا، غزنوی حکومت کو زوال آیا نئی طاقتیں اپنے شباب کو پہنچ رہی تھیں غزنویوں کی حکومت اس خطہ پر ۹۹۹۔ شروع ہوئی۔ ۱۲۰۰۔ میں آخری فرمانروا خسرو ملک لاہور میں سلطان غوری کے ہاتھوں قید ہو کر قلعہ فیروز کوہ غور میں وفات پا گیا اور ان کی ساری سلطنت غوریوں کے زیر نگین آگئی۔ لیکن علاوالدین محمد خوارزم شاہ جس نے اپنی ساری قوت اسلامی حکومتوں کو ختم کرنے میں صرف کر دی تھی اور عباسی خلیفہ کو اپنے خلاف سازشوں میں ملوث پاکر دھمکی دی کہ باز آتے ورنہ وہ بغداد کو روند ڈالے گا۔ عباسی خلیفہ نے چنگیز خان کو اس کے خلاف اکسایا اور مسلمان فرمانرواؤں کو اس کی مدد سے روکا ویسے بھی چنگیزی کا سیلاب پہاڑی ندی کی طرح پوری قوت کے ساتھ تہذیب و تمدن سے ہموار میدانوں کو تلوار آگ سے اجاڑتا ہوا بڑھتا ہی گیا۔ محمد خوارزم شاہ نے غوریوں کے علاوہ یکے بعد دیگرے تمام چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتوں کو فتح کرلیا۔ لیکن غزنویوں کو ختم کرنے کی ابتدا سلجوق نے کی۔ سلاجقہ نے بھی وسط ایشیا کے کافی علاقہ پر ایک صدی تک حکومت کی۔ حکومت گرچہ طغرل سے شروع ہوئی اور سلطان سنجر پر ختم ہوئی لیکن ان میں سلطان الپ ارسلان، سلطان محمود شاہ سلجوقی اور سلطان سنجر بڑے فاتح اور اچھے حکمران رہے ہیں۔ بلکہ ان کے ادوار میں بڑی عظیم اور نامور شخصیات پیدا ہوئیں، جن کی پرورش ان علم دوست سلاطین نے کی۔ جن کی تفصیل آگے آتے گی۔ سلجوق اور خوارزم غزنویوں کے ساتھ ساتھ چلتے رہے دور خلفشار میں جو جلیل القدر ہستیاں پیدا ہوئیں اور جو کارنامے انہوں نے سرانجام دیئے ان پر وسط ایشیا فروغ اسلام کے سلسلے میں فخر کر سکتا ہے۔ امام ابو عبداللہ اسماعیل بخاری المعروف امام بخاری، امام ترمذی، امام غزالی اور زمخشری وغیرہ کے علاوہ کئی قابل ستائش دانشور ہو گزرے ہیں۔

علامہ شبلی[1] اس دور کے بارے میں یوں قلم طراز ہیں " غزنوی سلطنت کا زور سلجوقیہ کی طرف منتقل ہوگیا اور دفعتاً بحرِ سخن میں طوفان آگیا " ۔ سلجوقیہ کا پہلا فرماں روا رکن الدین طغرل بیگ تھا۔ یہ سلسلہ ۱۶۳ برس رہا۔ تاریخ اسلام کو اس سے گوناگوں اور وسیع تعلقات نصیب ہوتے اول تو اس سلطنت نے جو وسعت حاصل کی ابتدائے اسلام سے آج تک کبھی کسی عہد میں حاصل نہیں ہوتی تھی اس کے ساتھ عدل وانصاف اور امن امان کا یہ حال تھا، کہ خراسان سے شام تک ایک مسافر تن تنہا، سونا اچھالتا ہوا جاتا تھا اور بغیر کسی گزند کے منزل تک پہنچ جاتا تھا۔ ایران، عراق اور روم میں بڑی بڑی طاقتور سلطنتیں قائم ہوئیں، سب کی سب اس سلسلہ کی شاخیں تھیں موجودہ ترکی انہی کی ایک شاخ نے قائم کی۔ انہی ترک سلاطین کو پہلے شاہان روم کہتے تھے۔

خوازرم شاہی جن کی شان و شوکت محتاج بیان نہیں ان کا مورث اول نوشتکین اسی سلجوقی خاندان کا غلام در غلام تھا۔ مصر کے اتابک خاندان کا موسسِ اعلیٰ اتابک ابوبکر ابن سعد زنگی (جو شیخ سعدی کا مربی اور سرپرست تھا) پھر نورالدین زنگی جو مشہور اسلامی سپہ سالار اور سلطان صلاح الدین ایوبی کا آقا تھا سبھی اسی خاندان کے غلام تھے آذربائیجان، داغستان اور کوہ قاف وغیرہ کے علاقے قزل ارسلان اسی شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔

سلجوقی خاندان کے عروج کا زمانہ سلطان ملک شاہ اور اس کے بیٹے سلطان سنجر کا زمانہ ہے یہی دور فارسی شاعری کا معراج وشباب ہے اس دور کے شعرا کی فہرست میں چند مشاہیر کے نام درج ذیل ہیں، انوری، عبدالواسع جبلی، امیر معزی، ارزقی، رامعی، فخرالدین اسعد، شہابی خراسانی، حسن غزنوی، رضی الدین، ادیب صابر، علی باخرزی، فتوحی مروزی، فرقدی، کافی ہمدانی، نظامی گنجوی، شمش الدین خراسانی سوزنی اور ابوالمعالی وغیرہ

اس دور میں شروان شاہ کے دربار کا ملک الشعرا خاقانی تھا جس کے قصائد فارسی زبان کی سند ہیں اور سب شعرا نے خاقانی کو اس فن کا استاد مانا ہے۔ خوازم شاہ کا رشید الدین وطواط نہ صرف شاعر تھا، بلکہ ایک عظیم دانشور بھی تھا، غزنوی دربار۔ بہرام

۱۔ شبلی نعمانی شعرالعجم جلد ۱ لاہور صـ ۱۳۳

شاہ کے دور میں علم و ادب کا گہوارہ تھا اسی لئے تمام تذکرہ نگاروں نے علمی اور ادبی کارناموں اور اسلامی تعلیمات کے فروغ کے سلسلہ میں بہرام شاہ کے عہد کو آب زر سے لکھنے کے قابل قرار دیا۔ اخلاقی شاعری اور اسلامی تصوف کا سنگ بنیاد اسی عہد میں رکھا گیا۔ یہی وہ دور ہے جس میں حکیم سنائی، حکیم اوحدی اور خواجہ فرید الدین عطار جیسے نامور فرزند پیدا ہوئے، فلسفیانہ شاعری بھی اس دور کی یادگار ہے فلسفہ کے خیالات سب سے پہلے حکیم ناصر خسرو نے اشعار میں ادا کئے اور پھر عمر خیام نے فلسفیانہ مسائل اور مضامین کو حسین دلفریب اور دلکش پیرایہ اور انوکھے انداز میں ادا کیا، اس سے پڑھنے اور سننے والے کو علم کی چاشنی کے ساتھ ساتھ لطف بھی آجاتا ہے۔

سنائی

ابوالمجد سنائی غزنوی نے اسلامی تصوف پر اپنے زور قلم کو صرف کر کے بہت بڑی اسلامی خدمت کی۔ دنیا سے منہ موڑ کر صرف عملی صوفی بن کر دکھایا۔ جس قسم کا درس دیا اسی طرح کا خود نمونہ پیش کیا۔ حکیم سنائی کی اسلامی خدمات کی وجہ سے مسلم دنیا میں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ان کے بعد انوری اور اوحد الدین انوری ہو گزرے ہیں۔ ان کی شاعری بہت زور دار تھی وسط ایشیا کی تاریخ اور اس دور کی تہذیب و تمدن کی عکاسی ان کے کلام سے ہوتی ہے۔ لیکن ان کے کسی کام کو اسلامی کارنامہ قرار نہیں دیا جاسکتا وہ زمانہ کی ناقدری اور حالات کی ناموافقی کی وجہ سے سخت نالاں تھے۔

ہر بلائی کنز آسمان آید ۔ گرچہ بادیگران روا باشد
با زمین نارسیدہ می پرسد ۔ خانہ انوری کجاباشد

مولانا روم جن کا ذکر ہو چکا ہے نے تسلیم کیا ماز پس سنائی و عطار آمدیم

ابن یمین

خراسان کے قصبہ فرلوید میں پیدا ہوئے ترک تھے لیکن فارسی اور عربی ذرائع تعلیم تھے، اس لئے مادری زبان کے ساتھ ساتھ ان زبانوں اور مروجہ علوم پر عبور حاصل کیا صاحب جائیداد تھے۔ اسلامی علوم پر عبور حاصل تھا، قناعت کے بادشاہ تھے یہی رنگ ان کی شاعری

میں بھی جھلکتا ہے۔

بہ ہر دیار کہ درچشم خلق خوار شوی
سبک سفر کن ازان جابر وبہ جائے دیگر

اگر دیکھا جائے تو یہ ایک حدیث کا فیاضانہ ترجمہ کیا ہے۔ افسوس کہ اس عظیم شاعر کا دیوان ناپید ہے تذکروں میں جابجا اشعار ملتے ہیں جن سے ان کے تبحر العلمی کا اندازہ ہوتا ہے غلام علی آزاد کی "ید بیضا" میں لکھا ہے کہ انہوں نے خود ان کا دیوان پڑھا۔ غزل کے چند اشعار نقل بھی کئے ان کے قطعات نہایت ہی موثر ہیں

مولانا شبلی لکھتے ہیں "ان کے اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ غزل میں کم مایہ نہیں لیکن ان کا خاص رنگ اخلاقی شاعری جس میں قناعت اور خوداری کا خاصا ہے۔ ان مضامین کو آج تک ان سے بہتر کوئی ادا نہیں کر سکا۔ ملاحظہ ہو

دو قرص نان، اگر از گندم یا از جو
دو تائے جامہ اگر کہنہ است یا خود نو
بہ چار گوشۂ دیوار بہ خاطر جمع
کہ کس نہ گویدازان جابر خیز و آنجا رو
ہزار بار فزون تر بہ نزد ابن یمین
زفر مملکت کیقباد و کیخسرو

دوسری جگہ قناعت کی دلکش مثال ملاحظہ ہو۔

اگر دو گاؤ بدست آوری و مزرع
یکی امیر ویکی را وزیر نام کنی
بدان قدر چو کفاف معاش تونہ شود

روی ونان جوئی از یہود وام کنی

ہزار بار ازان بہ کہ ازپی خدمت

کمر بہ بندی و برمرد کسی سلام کنی

ناصر خسرو

ابو معین ناصر بن خسرو المعروف حکیم ناصر خسرو ۱۰۰۳ء میں قبادیان علاقہ بلخ میں پیدا ہوا تھا وہ خود لکھتا ہے

بگذشت زہجرت پس سیصد نور وچار

بنہاد مرا مادر بر مرکز اغبر

باپ کا پیشہ زمینداری تھا لیکن اس نے ابتدائی عمر میں اچھی تعلیم پائی۔ فارغ التحصیل ہو کر مرو میں ایک سرکاری عہدے پر فائز ہوتے خراسان ان دنوں سلجوقیوں کے زیر نگین تھا۔ مرو مسلمانوں کی ابتداہی سے خراسان کا صدر مقام تھا۔ جوانی میں ناصر خسرو نے خوب عیاشی کی لیکن ۱۰۴۵ء میں اس کی زندگی میں اچانک انقلاب آگیا اس انقلاب کی وجہ اپنے سفرنامہ کے شروع میں لکھتا ہے کہ ایک رات خواب میں اسے ہاتف غیبی نے کہا کہ یہ بے راہ روی کب تک رہے گی؟ اس خواب کا ایسا اثر ہوا کہ گناہوں سے توبہ اور نوکری سے استعفی دے دیا اور حج کو سدھارے۔ آذربائیجان، ارمینیہ، ایشیا کو چک شام اور فلسطین سے ہوتے ہوتے حجاز پہنچے۔

فریضہ حج کے بعد مصر گئے۔ اس زمانہ میں مصر پر فاطمی خلیفہ المستنصر باللہ حکمران تھا شرف ملاقات سے باریاب ہوا۔ خلیفہ کی تعلیم اور تبلیغ سے متاثر ہو کر اسماعیلی مذہب اختیار کر لیا۔ خلیفہ نے حجت خراسان کا خطاب عطا کر کے اسے خراسان میں اسماعیلی عقائد کی تبلیغ پر مامور کیا۔ ناصر خسرو کو سفر میں سات سال گزرے۔ اس مدت میں چار بار حج کیا، آخر میں عراق سے ہوتا ہوا بلخ پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے اسماعیلی تبلیغ کا کام شروع کیا لوگوں کی مخالفت اور سخت گرمی کی وجہ سے اسے وہاں سے جلد ہی بھاگنا پڑا۔ ماژندران گیا، لیکن وہاں بھی سکون نصیب نہ ہوا پھر بدخشان[1] میں مقیم ہو گیا۔ اس نے زندگی کے باقی تیس ۳۰ برس یہیں بسر کئے۔

---

(۱) آج بھی بدخشان کے اکثر علاقوں میں اسماعلیوں کی بہتات ہے۔ بدخشان کے ضلع واخان میں تو اسماعلیوں کی اکثریت ہے۔

اپنی ساری تصنیفات یہیں مکمل کیں۔ ۱۰۸۸ء میں پچاسی سال کی عمر میں وفات پائی

ناصر خسرو کی تصانیف

(۱)۔ سفر نامہ۔ اس میں اپنی سات سال کی سیاحت کا تفصیلی حال لکھا ہے۔ فارسی نثر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے اس کا فرانسیسی اور انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

(۲) زادالمسافرین۔ یہ بھی فارسی کی دلفریب نثر ہے۔ فلسفہ وعقائد پر بحث کی گئی ہے

(۳) وجہ دین۔ اسماعیلی عقائد کی تشریح ہے

(۴) سعادت نامہ۔ مثنوی ہے اس میں بھی فلسفہ اخلاق پر بحث ہے۔

(۵) روشنائی نامہ۔ یہ بھی اخلاقیات پر مثنوی ہے

(۶) دیوان قصائد اس میں بارہ ہزار سے زائد اشعار ہیں۔ یہ کتابیں برلن جرمنی سے شائع ہو چکی ہیں۔ ناصر خسرو نے کبھی کسی بادشاہ کی مدح نہیں کی یعنی قصیدہ نہیں لکھا اس کا دیوان بھی اسماعیلی عقائد کا دفتر ہے۔ ۱۹۲۶ء میں تہران میں دوبارہ ناصر خسرو کی اکثر کتابیں شائع ہوئیں جن میں ناصر خسرو کی زندگی اور اس کے کام پر اچھا تبصرہ بھی موجود ہے۔

رشید الدین وطواط

رشید الدین وطواط بن عبدالجلیل بلخ کا رہنے والا تھا ۱۰۸۸ء میں پیدا ہوا عربی اور فارسی میں مہارت تامہ پیدا کی اور تحصیل علم کے بعد کاتب ہوئے اور پھر دبیر[1] کے عہدہ پر ترقی کی سلطان اتسز خوارزم شاہ کے دربار میں سکرٹری کی خدمت پر مامور ہوا۔ فارسی اور عربی دونوں زبانوں پر عبور تھا دونوں زبانوں میں شعر بھی کہتا تھا۔ بہت ہی کوتاہ قد تھا اس لئے وطواط[2] کہلایا۔

۱۱۴۷ء میں اتسز خوارزم شاہ نے اپنے ولیِ نعمت سلطان سنجر سلجوقی کے خلاف بغاوت کی۔ سلطان سنجر فوج لے کر آیا اور قلعہ ہزار

---

(۱) دبیر = سکریٹری

(۲) وطواط، عربی زبان میں چھوٹے قد والے کو کہتے ہیں۔

اسپ میں اتسز کو محصور کیا۔ انوری سلطان سنجر کے ہم رکاب تھا اس نے یہ رباعی کہی اور قلعہ کے اندر تیر کے ذریعے پھنکوادی

ای شاہ ہمہ ملک زمین حسب تراست
وز دولت و اقبال جہان کسب تراست
امروز بہ یک حملہ ھراز اسپ بگیر
فردا خوارزم وصد ہزار اسب تراست

وطواط نے قلعے کے اندر سے اس رباعی کا جواب لکھ کر تیر کے ذریعے باہر پھنکوا دیا۔

دیگر خصم توای شاہ بود رستم گرد
یک خرز ہزار اسپ تو نتواد برد

سلطان سنجر کو جب یہ حال معلوم ہوا، تو سخت ناراض ہوا قسم کھائی کہ اس بدبخت وطواط کے میں سات ٹکڑے کرونگا۔ قلعہ فتح ہوا وطواط قیدی بن کر پیش ہوا حکم ہوا کر وطواط کے سات ٹکڑے کیئے جائیں۔ وطواط نے موت سے پہلے اپنی آخری خواہش کا اظہار کیا کہ آپ جانتے ہیں کہ وطواط ایک چھوٹی سی چڑیا ہے اس کے بھلا سات ٹکڑے کیسے ہوسکتے ہیں۔ اس لئے مہربانی کرکے دو ٹکڑے کرنے کا حکم صادر فرمائیں۔ سلطان ہنس پڑا اور اس کی جان بخشی کر دی(۱)

وطواط ۹۴ سال کی عمر پاکر ۱۱۸۲ء میں وفات پاگیا اور بلخ ہی میں دفن ہوا۔ شاعری میں فارسی اور عربی دونوں میں دیوان چھوڑے، لیکن تا حال ان کے شائع ہونے کی کوئی اطلاع کم از کم راقم السطور کو نہیں ہے۔ وطواط نے صنائع شاعری پر ایک کتاب "صدائق السحر" لکھی جو تہران سے چھپ چکی ہے۔ اس کتاب سے وطواط کے بارے میں اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس درجہ کا عالم تھا۔

---

(۱) ایسی کہانیاں دولت شاہ سمرقندی نے اپنے تذکرہ میں لکھی ہیں۔ سب تذکرہ نگار اس واقعہ پر متفق ہیں۔ صد کلمہ یار مطلوب کل طالب۔ اس کتاب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اقوال یا یوں کہیں کہ نہج البلاغہ کا فارسی منظوم ترجمہ ہے یہ کتاب ۱۸۳۸ء میں جرمنی سے مع ترجمہ کے شائع ہوچکی ہے

ابو سعید ابوالخیر

ابو سعید ابوالخیر کو عجم کے اکابر صوفیہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ آپ قریہ مھنہ جو سرخس اور ابیورد کے درمیان واقع ہے سے تھے اور آپ کا مزار بھی وھیں ہے یہ علاقہ خراسان میں ہے۔یہیں ابتدائی تعلیم پائی اور حصول تعلیم فقہ کے لئے مرو (جو مسلمانوں کے ابتدائی دور سے دارالحکومت کا درجہ حاصل کر گیا تھا، یہاں علما۔ دین اور نابغہ روزگار اشخاص کی بہتات تھی) چلے آتے۔ یہاں ابو عبد اللہ الحصری جو فقہای معروف میں سے تھا کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور علم طریقت سے بخوبی آگاہی حاصل کی اور پھر اپنے ہم عصر بزرگوں اور مشائخ سے ملاقاتیں کیں شیخ ابوالفضل حسن سرخسی، ابوالعباس احمد قصاب اور ابوالحسن علی خرقانی سے فیض یاب ھوئے اور معروف صوفی ابو عبد الرحمان سلمی سے تصوف میں فیض حاصل کیا ابو سعید ابوالخیر فارسی گو شعرامیں سب سے پہلا شاعر ہے جس نے تصوف کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا خود صاحب حال تھا، قیل و قال سے گذر کر حال تک کی منزلیں طے کر چکا تھا، اس کا تمام صوفیانہ کلام قطعات و رباعیات کی شکل میں اسرار التوحید نامی کتاب میں محفوظ ہے جسے اس کے ایک مرید محمد منور نے کتابی شکل دی۔اس کی رباعیات سے اس کے حال عشق اور درد مندی کا ثبوت ملتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

جانا بزمین خاور ان خاری نیست
کش بامن وروز گار من کاری نسیت
بالطف ونوازش جمال تو مرا
در دادن حزار جان عاری نسیت

در حقیقت صوفیانہ عقائد اس کے اخلاق و کردار کا ایک حصہ ہیں۔ جو اس کی شیریں زبانی اور شکستہ نفسی سے جلوہ گر ہیں۔ وہ امرا سے لیکر غربامیں تقسیم کرتا، کینہ و تعصب سے بالاتر تھا، سب کا دوست تھا، حتکہ دشمن کو بھی کبھی دشمن نہ سمجھا بلکہ گلے لگایا۔ ابوالقاسم قشیری جو ابو سعید کا مخالف تھا، اسرار التوحید میں اس کے بارے میں یوں رقم طراز ہے۔

روزی بزبان استادامام رفت کہ بوسعید حق سبحانہ و تعالی را دوست حیدارد حق سجانہ مارادوست حیدارد فرق انیست کہ ما پیلیم و بوسعید پشہ

۔ این خبر رابز دیک شیخ ما آور دند شیخ آنکس راگفت برو بنز دیک استاد امام شو بگو که آن پشہ ہم توئی ما ہیچ چیز نیستم و ما خود در این میان نیستم آن در ویش بیامد و آن سخن با استاد امام گفت ، امام استاد ازان ساعت باز قول کرد کہ دیگر بہ شیخ نگویم ۔ بہ مجلس شیخ ابو سعید آمد و آن داوری باموافقت والفت بدل گشت ۔

ترجمہ

ایک دن استاد امام (ابوالقاسم قشیری) کی زبان سے یہ بات نکلی کہ ابوسعید کو خدا پیارا ہے اور میں خدا کا پیارا ھوں ہم دونوں میں فرق یہ ہے کہ میں ہاتھی ھوں اور وہ مچھر ہے یہ بات جب ابوسعید کو سنائی گئی ۔ تو اس نے کہا جائیے اور امام صاحب کو کہیئے کہ میں تو مچھر بھی نہیں ھوں میں تو کچھ بھی نہیں ھوں ۔ یہ سنکر امام قشیری نے آئندہ ابوسعید کے خلاف بدگوئی نہ کرنے کا عہد کیا اور خود اس کی مجلس میں حاضر ھوا اور مخالفت دوستی میں بدل گئی ۔

شیخ کے احوال و اقوال کا تفصیلی تذکرہ اس کے مشہور نثری کارنامے میں ملتا ہے جو اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید کے نام سے موسوم ہے یہ کتاب محمد منور بن ابی سعید بن ابی طاہر بن ابی سعید ابوالخیر کی تالیف ہے ۔ بقول محمد منور ایک بار ایسا اتفاق ھوا کہ بوعلی سینا اور شیخ ابی سعید تین دن مسلسل حجرہ نشین رہے ۔ تین دن بعد بوعلی سینا رخصت ھوا ۔ تو شاگردوں نے اس سے پوچھا کہ ابوسعید کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے ؟ کہا کہ میں جانتا ھوں اور ابی سعید دیکھتا ہے ۔ شیخ ابی سعید کے مریدوں نے اپنے مرشد سے سوال کیا کہ بوعلی سینا کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے ؟ فرمایا کہ جو کچھ مجھے نظر آتا ہے وہ بوعلی سینا جانتا ہے ۔

تذکرہ نویس اور نقاد متفق الکلمہ ھوکر لکھتے ہیں کہ شیخ ابی سعید پہلے شخص ہیں. جنہوں نے عجمی تصوف کے مطالب و مضامین کو ایسا شعری جامہ پہنایا کہ بعد کے تمام صوفی شعراان کی تقلید کرنے پر مجبور ھو گئے ۔ انہوں نے پہلی بار تصوف کے مطالب کے لئے تغزل کی زبان استعمال کی ۔ یعنی وہ تمام اصطلاحات و کنایات اور علامات جو واردات عشق کے بیان سے مخصوص ہیں انہوں نے متصوفانہ مضامین قلم بند کرنے کیلئے استعمال کیں اور اسی بنیاد پر عطار و رومی اور حافظ نے وہ سر بہ فلک عمارت کھڑی کی جس کے بام و در آج تک چمک رہے ہیں ۔ وسط ایشیا کے اس عظیم فرزند کی تالیفات نے فروغ اسلام میں اہم کردار ادا کیا

عبداللہ انصاری

عبداللہ انصاری، الپ ارسلان سلجوقی، نظام الملک اور شیخ ابوسعید ابوالخیر کا ہمعصر تھا۔ آپ کی نسبت ابوایوب انصاری سے جاملتی ہے۔ قندوز میں پیدا ہوئے ہرات سے فراغ التحصیل ہوئے۔ آپ شیخ ابوالحسن خرقانی کے ارادتمندوں میں سے تھے اور بعد میں ان کے جانشین بھی ہوئے۔ آپ نے عربی اور فارسی دونوں میں تصانیف کیں۔ آپ نے عربی میں " ذم الکلام " اور " منازل السائرین " اور فارسی میں " زادالعارفین " اور "کتاب اسرار۔" تصنیف کیں۔ اور چند رسائل بھی عربی اور فارسی میں تحریر فرمائے رسالہ دل و جان کنز السالکین، اور رسالہ ارادت، قلندر نامہ، ھفت حصار، محبت نامہ اور رسالہ مقولات اور الہی نامہ آج بھی موجود ہیں۔ جو شیخ انصاری کی مشہور تحریریں ہیں۔ آپ کی تحریر نہایت سادہ و شیریں ہے۔ بقول شفق زادہ کہ اس سے پہلے فارسی زبان میں اتنی سادہ و دلفریب نثر کہیں نہیں ملتی آپ کی رباعیات نہایت ہی موثر و عام فہم ہیں آپ کے ایک مرید عبدالرحمان سلمی نے "کتاب طبقات الصوفیہ" تالیف کی یہ آپ کے وعظ وخطابات پر مبنی کتاب ہے۔ اسے ہرات کی فارسی میں لکھا گیا تھا، لیکن بعد میں عبد الرحمان جامی نے اسے سادہ فارسی میں منتقل کیا اور شرح میں دیگر مشائخ کے حالات کا اضافہ کیا اور اسے نفحات الانس کا نام دیا۔ عبداللہ انصاری کی نثر مسجع تھی جسے شیخ سعدی نے کمال تک پہنچایا جس کی بہترین مثال گلستان سعدی ہے

اوحدالدین انوری

ابیورد کے قصبہ خاوران خراسان میں پیدا ہوا ابتدا میں اسی وجہ سے خاوری تخلص کرتا تھا۔ انوری اس کا لقب تھا، لیکن انوری اتنا مشہور ہوا، کہ اس نے خود انوری ہی مقطعہ میں لکھنا شروع کیا سلطان سنجر کے دربار کا شاعر تھا۔ قصیدہ لکھنے میں خاقانی سے کسی طرح کم نہ تھا، بلکہ اس کے مضامین گہرے اور الفاظ آسان ہیں۔ عام آدمی کی سمجھ میں بھی آجاتے ہیں صاحب علم اس کے الفاظ کے حسن انتخاب کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا، کیونکہ سادگی میں نہایت ہی گہرائی پائی جاتی ہے۔ سلطان سنجر کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

در جہان   ای   واز   جہان   بیشی

ہم   چون   معنی   کہ   دربیان   باشد

کتنے سادہ الفاظ ہیں، لیکن غضب کی گہرائی اور پر از معنی اشعار ہیں۔

ترجمہ:۔

بظاہر تو آپ اس جہان کے اندر ہیں لیکن اس جہان سے آپ بہت عظیم ہیں۔ جس طرح لفظ کے اندر معنی ہوتے ہیں۔ (لفظ تو ایک ہوتا ہے لیکن معنی کئی لفظوں میں ہوتے ہیں)

شاہ سنجر کہ کم ترین خدمش
در جہاں پادشاہ نشان باشد
گر دل و دست بحرو کان باشد
دل و دست خدا یگان باشد

رشید الدین وطواط کے حالات لکھتے ہوتے انوری کے بعض واقعات کا ذکر ہو چکا ہے اس لئے خوف طوالت سے اجتناب کیا جاتا ہے انوری نے گرچہ سلطان سنجر کی فیاضیوں سے خوب فائدہ اٹھایا، لیکن درباری سازشوں کا شکار رہا اور ہمیشہ پریشان اور بدحال رہا۔ خود کہتا ہے۔

ہر بلای کہ از آسمان آید
گرچہ بادیگران روا باشد
بازمین نارسیدہ می پرسد
خانہ انوری کجا باشد

گرچہ انوری نے اپنی شاعری سے مذہب اسلام کی خدمت نہیں کی، لیکن مسلمانوں کے کارناموں میں آپ کا نام صف اول میں آتا ہے۔ آپ نے وسط ایشیا کے مسلمانوں کی زبان یعنی فارسی جو برصغیر ہندو پاک کے مسلمان حکمرانوں کی ایک ہزار سال تک سرکاری زبان رہی اور وسط ایشیا میں ابتدا سے ۱۹۲۵ء تک تیرہ سو سال تک سرکاری زبان رہی کو بہت ترقی دی اور نئے

نئے مضامین اور خوبصورت الفاظ موتیوں کی طرح جڑ دیئے۔

ارزقی

ابو بکر زین الدین ارزقی ہرات کا رہنے والا تھا۔ حکیم اسماعیل وراق کا بیٹا تھا، یہ وہی وراق ہے جس کے ہاں فردوسی نے محمود غزنوی کے دربار سے بھاگ کر پناہ لی تھی۔ ارزقی ملک شاہ سلجوقی کے بھائی طغان شاہ جو خراسان کا حاکم تھا کا درباری شاعر تھا، اس نے بڑے معرکتہ آرا قصائد لکھے ہیں جس کا ذکر تذکروں میں وضاحت کے ساتھ ملتا ہے نظامی عروضی نے بھی اپنے چہار مقالہ میں اس کے فن کی تعریف کی اور اس کے کمال کے چند واقعات قلم بند کیئے ہیں۔

ادیب صابر

شہاب الدین ادیب صابر ترمذ شمالی کا رہنے والا تھا۔ شاعر ہونے کے علاوہ جیسے تخلص سے ظاہر ہے ادیب بھی تھا۔ خوارزم میں اتسز خوارزم شاہ کے ہاں بظاہر درباری شاعر تھا، لیکن دراصل یہ سلطان سنجر کا جاسوس تھا، اور ہر معاملے کی اطلاع سلطان سنجر کو خفیہ بھجواتا تھا، جب اتسز کو خبر ہوئی تو اس نے اسے ہاتھ پاؤں باندھ کر دریا جیحون (دریا آمو) میں پھینکوا دیا آپ کے دیوان اور آپ کی دیگر تحریروں سے آپ کی ذکاوت اور علمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ سلجوقی دور میں کسی پائے کے صاحب علم لوگ موجود تھے۔

ظہیر فاریابی

محمد ظہیرالدین فاریابی بلخ کے قصبہ فاریاب میں پیدا ہوا۔ بچپن ہی سے شاعری اور ادب سے لگاؤ تھا۔ علم حکمت اور نجوم میں کمال حاصل کیا۔ آپ خاقانی، انوری، ارزقی اور اسدی وغیرہ کے ہم عصر تھے، لیکن آپ نے جلد مدح گوئی سے کنارہ کشی کی اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کی۔

سید حسن غزنوی

آپ معروف واعظین میں سے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت کے ساتھ ساتھ اچھا حافظہ، خوش الحانی، خوش بیانی اور خوش گفتاری کی نعمت سے نوازا تھا۔ آپ کے حلقہ درس میں اور آپ کے سماع و وعظ میں ہزاروں لوگوں کا مجمع لگا رہتا تھا۔ بہرام شاہ

غزنوی آپ کی بہت قدر کرتا تھا۔ حسن غزنوی شاعر بھی تھے۔ آپ کے قصائد اور دیوان موجود ہیں۔ آپ کے پند و واعظ کی تحریریں افسوس کہ شائع نہ ہوسکیں۔

سوزنی سمرقندی

محمد بن علی سوزنی خود اپنا شجرہ نسب سلمان فارسی سے لکھتا ہے۔ سمرقند کے شہر نسف میں پیدا ھوا، بخارا میں فارغ التحصیل ھوا، شاعری کی قصائد لکھے۔ لیکن آپ کی اصل وجہ شہرت ہجو ہے۔ آپ زبردست ہجو لکھتے تھے۔

عبدالواسع جبلی

آپ گرجستان کے رہنے والے تھے اس لئے جبلی یعنی پہاڑی کہلاتے، ہر صنف میں شعر لکھا۔ قصیدہ اور غزل لاجواب کہتے تھے۔ معانی، صنائع وبدائع میں بھی آپ کا جواب نہ تھا۔ آپ طغر تکین کے درباری تھے۔ سلطان سنجر اور بہرام شاہ غزنوی کی مداح سرائی بھی کی ہے۔ آپ نے بھی فارسی زبان کو آگے بڑھانے اور اسلامی تعلیمات کو شاعری کے ذریعے پھیلانے میں اپنا حق ادا کیا ہے۔

عمعق بخارائی

شہاب الدین عمعق بخارائی کا چرچا ماوراالنہر میں اس قدر تھا کہ اس کے سامنے کسی کا چراغ نہ جلتا، آپ کا انداز بیان اس قدر دلکش اور دلفریب تھا کہ لوگ سن کر عش عش کر اٹھتے۔ مختلف ایلک خانیوں کے دربار میں مداح سرائی کی۔ ایک قصیدہ سلطان سنجر کی پیاری بیٹی کی وفات پر بھی لکھا۔ کافی لمبی عمر پائی تھی۔ آپ نے ۱۱۶۵ء میں وفات پائی۔ اور بخارا میں وصیت کے مطابق دفن ھوئے۔

اس کے علاوہ خاقانی شیروانی فلکی شیروانی بھی بہت اعلیٰ پائے کے شاعر ھو گزرے ہیں ان کے قصائد تاریخ اسلام کا ایک حصہ ہیں، یہ آذربائیجان کے علاقہ میں پیدا ھوئے وہیں خدمات سرانجام دیں۔ مشاہیر اسلام میں ان کے نام آتے ہیں۔ مگر ان علاقوں کا شمار وسط ایشیا میں نہیں کیا جاتا اس لئے ہمارے موضوع سے باہر ہیں البتہ ان کے علم اور شاعری کا اثر وسط ایشیا کے ادبا و شعرا پر بے حد ھوا ہے۔ اور اکثر نے خاقانی کے تتبع میں قصائد لکھے ہیں۔

سلجوقی دور میں ایک طرف وسط ایشیائی اسلامی ادب نے بہت ترقی کی اور اپنے عروج کو پہنچ گیا تو دوسری طرف اسی

دور کا خاصایہ ہے کہ اس دور میں فارسی شعر و شاعری اور نثر نے بھی بے انتہا ترقی کی اور جدید فارسی کی بنیاد یہیں سے پڑی ۔ تاریخ بیہقی، چہار مقالہ، کلیہ و دمنہ اور تذکرۃ اولاولیا۔ اسی دور کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں ۔ یہی دور غزنویوں اور خوارزم شاہیوں کا بھی تھا، کیونکہ یہ لوگ ہم عصر تھے ۔ اس دور کی نثر میں جو سادگی اور روانی ہے اس سے پہلے نہیں ملتی، اس سے قبل نثر تصنع اور تکلفات و عبارت پر دازی پر مبنی تھی ۔ لیکن اب نثر فصیح و بلیغ ہوئی ۔ اس دور میں جو عرفانی کتابیں لکھی گئی ہیں اس پر مشکل سے ہی اضافہ ہوا ہے ۔ عرفانی کتابوں میں سب سے پہلے کتاب کشف المحجوب ہے ۔ پھر اسرار التوحید ہے اور پھر تذکرۃ اولالیا۔ ہے ۔

کشف المحجوب

یہ کتاب داتا گنج بخش علی ہجویری نے تالیف کی ۔ یہ فارسی کی پہلی کتاب ہے جو مشائخ و صوفیا کے حالات اور عقائد پر لکھی گئی ہے ۔ اس کتاب میں اخلاقی اقوال اور پر مغز عرفانی باتیں درج ہیں ۔ تصوف کے موضوع پر اچھی خاصی بحث کی گئی ہے ۔ جسے عربی اشعار کا سہارا دیا گیا ہے ۔ حضرت علی ہجویری ۱۰۳۹ ۔میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی تعلیم ہجویر ہی میں پائی ۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد مختلف ممالک کی سیاحت کی لاہور آپ سلطان مسعود کی افواج کے ساتھ آئے ۔

لاہور سلطان محمود غزنوی کی افواج کا ایک حصار تھا جسے ایاز ملک نے بنوایا تھا آج کل جہاں لاہوری گیٹ ہے ۔ علی ہجویری حضرت داتا گنج بخش نے اپنے موجودہ مزار سے کوئی دو فرلانگ دور اپنا ٹھکانہ بنایا ۔ جہاں اسے ہندو سماج میں کام کرنا تھا، مسلمان یہاں برائے نام تھے ۔ اور جو تھے وہ فوج تک محدود تھے ایسے ماحول میں جہاں ایک دوسرے سے بات کرنے کے لئے ترجمان کی ضرورت ہو، بھلا تبلیغی کام کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ بقول ابوریحان البیرونی کہ پہلی بات یہ کہ (ہند کے لوگ) باہم ایک دوسرے کی زبان سے ناآشنا تھے، ہر چیز میں ہم سے مختلف تھے دوسری بات یہ کہ ان کا مذہب ہم سے بالکل مختلف ہے ہم ان دیکھی(1) چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں ۔ جب کہ ان کی بات کچھ اور ہے ۔ یہ لوگ ہر خارجی کو ناپاک کہتے ہیں اور اس سے کسی قسم کا میل ملاپ نہیں رکھتے، یہاں تک کہ وہ اگر کسی چیز کو چھو جاتے تو وہ بھی ناپاک ہو جاتی ہے ۔

---

(1) ۔ ان دیکھی خدا کی ہستی، جنت و دوزخ اور ملائکہ وغیرہ

ان کے ساتھ تو شادی یا دوستی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو آپ کے ساتھ مل کر کھانا یا پینا حرام سمجھتے ہوں بلکہ جس چیز کو آپ نے چھوا اسے غلیظ گردان کر پھینک دیتے ہیں۔ تیسری بات یہ کہ یہ مزاج میں ہم سے اور بھی مختلف ہیں، لباس میں اور دیگر طرز نشست و برخاست میں بھی یہ ہمیں ایک مصیبت بھوت یا شیطان سمجھتے ہیں جس سے یہ اپنے بچوں کو ڈراتے ہیں۔

البیرونی کے بقول، محمود غزنوی نے ان کے ملک کی خوشحالی کو روند ڈالا تھا۔ اور ہند میں ہر طرف خاک اڑتی ہوئی دیکھائی دیتی تھی۔ اس نے ہندو کو تتر بتر کر دیا تھا۔ ظاہر ہے اس سے ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانوں سے شدید نفرت تھی، جہاں ایسا جداگانہ ماحول ہو، ایک مذہب کا دوسرے سے اس قدر اختلاف اور شدید دشمنی ہو ان میں رابطہ پیدا کرنا آسان نہ تھا۔ علی ہجویری خود لکھتے ہیں کہ یہاں جو مسلمان تھے وہ بھی دنیاوی حرص و ہوس کا اس قدر شکار تھے کہ مذہب کی طرف کم ہی متوجہ تھے۔ چند علماء اور نام نہاد صوفی بالکل اسلامی اصولوں کے خلاف اپنی دکان چمکا رہے تھے، مزید اس وقت کے سماج کی برائیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے انہوں نے کہا "چھوٹے بڑے سبھی مذہب کی صحیح روح سے ناواقف اور خرافات اور روایات میں کھوئے ہوئے تھے" انہوں نے مزید کہا کہ میرے شیخ نے مجھے یہاں اور بہت کچھ کرنے کو کہا لیکن میں اس سے زیادہ نہیں کر سکا، ایک تو میری کتابیں غزنی میں رہ گئی ہیں جن کا خدا ہی حافظ ہو اور میں خود ان لوگوں میں رہ گیا ہوں۔ اس سے ظاہر کہ علی ہجویری غزنی کے موافق ماحول کو چھوڑ کر آنا نہیں چاہتا تھے۔ لیکن شیخ کے حکم کے آگے نہ چل سکی اور وہ مجبوراً لاہور آ گئے۔ بغیر کسی سرکاری معاونت کے ایک ناساز گار ماحول میں لوگوں کو اپنی طرف راغب کرنا نہایت ہی دشوار تھا۔ یہ نہایت ہی ذہانت اور روحانی جدو جہد کا کام تھا، جو حضرت علی ہجویری نے کر دکھایا اور لوگ آپ سے اتنے فیض یاب ہوئے کہ آپ داتا گنج بخش کے نام سے مشہور ہوئے آج بھی پاکستان کے اندر آپ کو علی ہجویری کے نام سے کم اور داتا گنج بخش کے نام سے سبھی جانتے ہیں۔ داتا گنج بخش اپنی تالیف کشف المحجوب کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں ان کی بڑائی کا اعتراف حضرت شیخ معین الدین اجمیری کے اس شعر سے ہوتا ہے۔ جو آج بھی آپ کے مزار کی تختی پر لکھا ہے۔

گنج بخش ، فیض عالم ، مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل ، کاملاں را راہنما

ہزاروں ہندووں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ وسط ایشیا کے اس سپوت نے برصغیر ہندو پاک میں اسلام کی بہت خدمت کی ہے۔ علامہ اقبال نے اسرار و رموز بے خودی میں داتا گنج بخش کی تعریف کرتے ہوتے فرمایا ہے

سید ہجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سنجر را حرم
بند ہای کو ہسیار آسان گیسخت
در زمین ہند تخم سجدہ ریخت
عہد فاروق از جمالش تازہ شد
حق ز حرف او بلند آوازہ شد
پاسبان عزت ام الکتاب
از نگاہش خانہ باطل خراب
خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
از جبینش آشکار اسرار عشق

کشف المحجوب کے ایک سو سال بعد اسرار التوحید تالیف ہوئی جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اس کی نثر بہت اعلیٰ اور شیریں ہے۔ شیخ فرید الدین عطار نے کشف المحجوب اور اسرار التوحید کو سامنے رکھ کر تذکرۃ الاولیا تالیف کی۔ اور جگہ جگہ ان سے استفادہ بھی کیا ہے۔ ان میں صوفیا کرام کے ذکر کے علاوہ پندو نصائح، سود مند حکایات دلپسند باتیں اور واقعات درج ہیں۔ اس کی نثر نہایت سلیس اور موثر ہے تاریخی کتابوں کا ذکر اگرچہ ہو چکا ہے، لیکن زین الاخبار کا خاطر خواہ ذکر نہیں ہوا۔ یہ فارسی زبان کی قدیم ترین تاریخ ہے۔ اس کا مولف عبدالحی گردیزی ہے خراسان اور ایران کی تاریخ اپنے زمانے تک لکھی ہے۔ صحیح تاریخ ظہور اسلام کے بعد ہی لکھنی شروع ہوتی اس سے قبل دیو مالائی کہانیاں ہیں۔ عبدالحی گردیزی نے بھی ظہور اسلام سے وسط ایشیا کی تاریخ لکھی جس کا نام زین لاخبار رکھا۔ یہ کتاب سلطان

محمود غزنوی کے بیٹے عبدالرشید کے دور میں لکھی گئی۔ یہ بہت مستند کتاب ہے۔

تاریخ بیہقی

ابوالفضل بیہقی انیس سال تک محمود غزنوی کے دربار میں وقائع نگاری کے فرائض انجام دیتا رہا۔ درباری منشی تھا اس لئے اپنی کتاب نہایت ہی اعلیٰ نثر میں لکھی جس میں ادبی چاشنی، فصاحت و بلاغت کے علاوہ سنجیدگی بھی بلا کی ہے۔ واقعات کی مناسبت سے اشعار بھی جابجا لکھے گئے ہیں ساتھ ادیبوں اور شاعروں کا ذکر بھی ہے۔ فارسی نثر کی کتابوں میں یہ ممتاز درجہ رکھتی ہے کہتے ہیں اس تاریخ کی تیس ۳۰ جلدیں تھیں، لیکن اب نہیں ہیں جو مرورِ زمانہ کے دستبرد سے باقی رہ گئی ہے۔ اس میں سلطان مسعود کے واقعات و حالات کی شرح ہے۔ اس لحاظ سے اسے تاریخ مسعودی بھی کہا جاسکتا ہے اس تاریخ کا خاصہ یہ ہے کہ کہیں بھی حقیقت سے انحراف نہیں کیا گیا اور جھوٹ کا سہارا نہیں لیا گیا۔ واقعات و حالات نہایت ہی ایمانداری اور دیانت داری سے نہایت تحقیق کے ساتھ تالیف کئے گئے ہیں۔

مجمل التواریخ والقصص

اس تاریخی کتاب کا مولف ابوالحسن علی بن زید بیہقی ہے، مولف نے تاریخ عالم شروع کی اور ایران و خراسان کے حالات پر آکر اختتام کیا۔ اس میں تاریخی داستانیں اور قصے زیادہ ہیں۔ اس کا شمار فارسی کی گرانقدر نثر میں ہوتا ہے۔ مولف کا مقصد اپنے علاقہ بیہق کی تاریخ لکھنی تھی وہاں کے بزرگوں، دانشمندوں اور ابوالفضل بیہقی کا نام نامی بھی درج کیا۔ وسط ایشیا کی اچھی تاریخوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

کلیلہ و دمنہ

یہ کتاب دراصل ھندی سے فارسی میں سامانی دور میں ترجمہ ھوئی۔ عبداللہ ابن مقفع نے اس کا عربی ترجمہ کیا یہ کتاب سامانی دور ہیں نثر اور نظم دونوں میں ترجمہ ھوئی جو فارسی کی اچھی نثر شمار ہوتی تھی، لیکن نثر کی کتاب تو اب ناپید ہے البتہ رودکی کی منظوم کلیلہ و دمنہ دستیاب ہے۔ اسے بہرام شاہ غزنوی کے دور میں نصر اللہ نے سلیس فارسی میں ڈھالا اس میں عربی اور فارسی اشعار کا اضافہ کیا اور چند اسلامی حکایات بھی اس میں شامل کر دیں

چہار مقالہ

اس کا کتاب کا اصل نام مجمع النوادر تھا، لیکن چونکہ ابواب کی جگہ اس کی تقسیم چہار مقالوں پر منحصر ہے اس لئے اس کا نام چہار مقالہ پڑگیا اور اسی نام سے شہرت پائی اس کا ادبی مقام نہایت اعلیٰ ہے اس کے مصنف کا مزاج بحثیت ادیب نہایت بلند معیار کا ہے اس کے الفاظ میں خوش آہنگی فقروں کا ربط جملوں کی موزیت اور اس کی خوش مزاجی ادبیت کا واضح ثبوت ہے۔ طرز سادہ اور عام فہم ہے اور موقع محل کے تحت رنگینی سے بھی کام لیا گیا ہے۔ برجستگی، روانی، زور کلام اور حسن ادا نہایت ہی متاثر کن ہے اس پر عبارت نے اس کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے اس میں شک نہیں کہ شیرینی اسلوب و بے ساختہ بیان اس کتاب کا اصل جوہر ہے۔ چہار مقالہ نہ صرف متقدمین کی تصانیف و تالیفات میں. بہترین ہے بلکہ ہر عہد کی نثر سے اس کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے ہاں البتہ شیخ سعدی کی گلستان واحد نثر ہے جس کو اس سے افضل قرار دیا جاسکتا ہے۔

یہ کتاب ۵۵۱ ھجری میں لکھی گئی۔ جو فارسی انشا پردازی کا. بہترین نمونہ ہے۔ اس کتاب کا موضوع حکمت عملی ہے، سلاطین اور سلطنت کی بقاء دوام کے لئے مصنف کی رائے میں رہبر کا ہونا لازمی ہے۔ اور رہبر اور بادشاہ کے بقاء نام کے لئے شاعر کا ہونا ضروری ہے اس لئے شاعر ادیب (دانشور سکریٹری)، طبیب اور منجم ہونا ضروری ہے انہیں پیشہ وروں کے استدلال میں نظامی نے اپنی کتاب کو چہار مقالوں میں تقسیم کیا اور ہر مقالہ کے متن میں ان کے لوازمات اور خصوصیات کو مختصر لیکن بامعنی ظاہر کیا ہے گویا دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے۔

نظامی کا نام نجم الدین تھا یہ فن عروض میں ماہر تھا اس لئے سمر قندی کے ساتھ ساتھ عروضی کے نام سے بھی مشہور ہوا۔ اپنے زمانے میں جیسے خود انہوں نے لکھا بحثیت شاعر زیادہ شہرت رکھتے تھے اور ہوتے ہوتے ان کی شاعری ناپید ہوئی، لیکن ان کی یہ مختصر سی کتاب ان کا نام بحثیت. بہترین نثر نگار کے زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ ان کی زندگی کے بارے میں چہار مقالہ میں تذکرہ نگاروں نے اخذ کیا ہے۔

کہ آپ پانچویں صدی ہجری کے ابتدا میں پیدا ہوئے، کیونکہ وہ خود کہیں رودکی کے کام پر تحقیق کرتا ہے اور کہیں اپنی ملاقات کا ذکر عمر خیام سے کرتا ہے اور خود کہتا ہے " اورا یہ من حق شاگردی ہم بود " یعنی اس کے آگے زانوئے تلمذ بھی تہ کیا تھا۔ خود لکھتا ہے کہ ۵۰۹ ھجری میں ہرات میں مقیم تھا اور پھر ۵۱۰ ہجری میں روانہ ہو کر سلطان سنجر کے لشکر سے جاملتا ہے اور یہیں سلطان سنجر کے ملک الشعرا امیر فخری سے مل کر اپنی بے روزگاری کی شکایت کرتا ہے زمانہ کی بے قدری کی شکایت کرتا ہے اس پر امیر فخری اسے تسلی دیتا ہے۔ یہیں

سے وہ روانہ ہو کر طوس جاتا ہے اور فردوسی کی زیارت کرتا ہے ۵۱۲ھ میں نیشاپور جاتا ہے ۔ پھر ۵۳۰ ہجری میں دوبارہ نیشاپور آتا ہے اور حکیم عمر خیام کے مزار پر فاتحہ خوانی کرتا ہے ۵۴۷ ہجری میں سلطان سنجر اور علاوالدین غوری کے درمیان جنگ میں شریک ہوتا ہے کیونکہ غوریوں سے تعلق زیادہ رکھتا تھا اس لئے ایک عرصہ تک سلطان سنجر کے خوف سے ہرات میں روپوش رہا ۔ اس کی موت کے بارے میں کہیں بھی کچھ نہیں ملتا ۔ تاریخ ادبیات ایران کے مولف ڈاکٹر رضازادہ شفق نے چہار مقالہ کی نثر کو تاریخ بیہقی کے ہم پلہ قرار دیا ہے

حدائق السحر

رشید الدین وطواط نے دقائق شعر کے بارے میں لکھی ۔ صنائع شاعری پر یہ قدیم ترین کتاب ہے ۔ وطواط پہلا آدمی ہے جس نے فن شعر اور اس کے صنائع کے بارے میں لکھا ۔ اس سے پہلے اس فن پر لکھی ہوئی کتابوں مثلاً ترجمان البلاغہ ، فرخی و نظامیہ کے صرف نام ہی ہیں کتاب کہیں دستیاب نہیں یہ بڑی بلیغ نثر ہے ۔ عربی فارسی نثر اور نظم کو بطور شواہد کے پیش کر کے اپنی دلیل کو اور بھی پایہ ثبوت تک پہنچایا ۔ رشید الدین وطواط شاعر و ادیب تھا ۔ اپنی تصنیف اتسز خوارزم شاہ کے نام کی ہے

مقامات حمیدی

حمید الدین بن عمر بلخ کا قضاۃ اور ادیبوں میں ممتاز مقام رکھتا تھا ۔ قاضی کے عہدہ پر فائز تھا اس دور کے ادیبوں اور شاعروں نے اس کی مدح سرائی بھی کی ہے ۔ انوری اور دیگر نامور شعرا نے اس کی تعریف اشعار میں کی ہے یہ نہایت مسجع فارسی میں لکھی ہوئی ہے ۔ یہ کتاب ۲۳ مقالات پر مبنی ہے اس میں ادبی مطالب پر مباحثات اور مناظرات کا ذکر موجود ہے ۔ مولف کا اصلی مقصد مقالہ نویسی میں خاص طرز اور نئے نئے لغات اور مسجع عبارت سے اسے مزین کرنے کا فن سکھانا تھا ۔

ذخیرہ خوارزم شاہی

اسماعیل بن حسن جرجانی نے قطب الدین خوارزم شاہ کے نام لکھی ۔ یہ کتاب حکمت و طب پر لکھی گئی ہے اس میں مختلف ادویہ ، سموم اور امراض کا ذکر اور علاج و تشخیص کا بڑی وضاحت کے ساتھ ذکر موجود ہے اس کتاب کا اردو ترجمہ ایریا سٹڈی سنٹر سنٹرل ایشیا پاکستان پشاور یونیورسٹی نے ۱۹۹۱ء میں کیا ۔ جس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے

امام فخرالدین رازی

آپ کا شمار مشہور آئمہ، حکما، متکلمین اور فقہا میں ہوتا ہے علوم اسلامی میں آپ سربر آوردہ اور بزرگان دین اسلام میں شمار ہوتے ہیں۔ ہرات میں آپ کی مجالس درس و وعظ میں خاص و عام کا ہجوم لگا رہتا تھا۔ بعض تو دور دراز علاقوں سے صرف آپ کی زیارت کے لئے آتے تھے۔ اور فیض پاتے تھے۔

آپ کی تالیفات میں کتاب نہایتہ العقول کتاب المحصل در کلام و حکمت، کتاب لمباحث المشرقیہ در تصوف، کتاب المحصول در اصول فقہ، شرح اشارات ابو علی سینا در حکمت و منطق ہیں آپ کا مزار ہرات میں ہے۔ جو مرجع خاص و عام ہے۔ زمخشری

ابوالقاسم محمود زمخشری خوازرمی اعلیٰ پایہ کا محقق، محدث، مفسر، نقاد، اور ماہر لغت و نحو تھا۔ اس کی مشہور کتابوں میں الکشاف عن حقیقتہ التنزل بہت ہی اونچے معیار کی کتاب ہے، تفسیر کی کتابوں میں اس کی کتاب "المفصل۔ کا جواب نہیں۔ گرامر پر ایک معرکتہ الارا کتاب "اساس البلاغہ" لکھی۔ تحقیق اور عربی لغت پر کام لیا۔ ایک لغت جو نہایت ہی مفید ہے یہ عربی سے فارسی میں ایک مربوط جامع لغت ہے۔ اس کا نام "مقدمہ الادب" ہے آپ نے ۱۱۶۰ عیسوی میں وفات پائی اور خوارزم میں آسودہ خاک ہیں۔ منگول (تیموری) کے دور میں بھی بہت پائے کی تاریخی کتابیں ضبط تحریر میں آئیں۔ اگرچہ فن تاریخ نویسی کا جیسے کہ ذکر ہو چکا ہے آغاز ہو چکا تھا، تاریخ طبری تاریخ بیہقی اور زین الاخبار کے نمونے ہمارے سامنے موجود ہیں لیکن اپنے دور کی تواریخ نگاری اس دور کے صاحب کمال لوگوں کا خاصا تھا۔

تاریخ جہان کشا

یہ عظیم تاریخوں میں سے ایک تاریخ ہے اسے علاؤالدین عطا ملک جوینی (جو ہلاکو خان کا وزیر تھا اور اس کے بعد آباقا خان کا وزیر تھا) نے لکھا۔ آپ سنکیانگ کے رہنے والے تھے، آپ نسلاً اویغر تھے۔ اس کتاب کی تین جلدیں ہیں۔ اس میں چنگیز خان کے حالات سے لیکر تمام منگول شہزادوں اور بادشاہوں کے احوال تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ جہاں کہیں بھی منگول، مغول، تاتار اور ترکوں وغیرہ کے بارے میں لکھا گیا تاریخ نویسی نے اسی کو ماخذ بنایا۔ کیونکہ اس کتاب کا مولف خود بہت سے حالات و واقعات کا چشم دید گواہ ہے اس کتاب میں

خوارزم شاہیوں اور اسماعیلیوں کا بھی بہ تفصیلی ذکر موجود ہے ۔ جسے نہایت ہی مستند مانا گیا ہے وسط ایشیا کی تاریخ، تاریخ جہان کشا سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتی.

تاریخ یمینی

ابوالغر عتبی جو سلطان محمود غزنوی کے ملازمین سے تھا، نے حکم شاہی پر سلطان سبکتگین سے لیکر سلطان محمود غزنوی تک کے حالات کو مفصل طور پر تحریر کیا ہے ۔ اس کتاب کو عربی سے فارسی میں ابوالشرف ناصح گل پائی گانی نے بہت عمدگی کے ساتھ ترجمہ کیا ہے ۔ یہ کتاب محمود غزنوی کے صحیح حالات زندگی مع جزئیات کے لکھی گئی ہے ۔ نہایت ہی معتبر ہے اور متانت سے بھرپور ہے ۔

مطلع السعدین

یہ عبدالرزاق سمرقندی کی تالیف ہے یہ سلطان ابو سعید ایل خانی اور ابو سعید تیموری کے حالات و واقعات پر مبنی ہے ۔

تاریخ ہرات

یہ معین الدین اسفنداری کی تالیف کردہ ہے یہ کتاب تیموری دور کے اواخر میں تحریر ہوئی ہے ۔

ظفر نامہ

یہ کتاب امیر تیمور کی مفصل تاریخ ہے دو جلدوں پر مشتمل ہے ۔ اس میں تیمور کی پیدائش سے لیکر وفات تک مکمل تفصیلات موجود ہیں اس کے مولف شرف الدین علی یزدی کا تیموری دور کے . بہترین شعرا اور ادبا میں شمار ہوتا تھا اور شاہ رخ کے دور میں علی یزدی امرا کی صف میں شامل تھا، ظفر نامہ نامی تاریخ نظام الدین شامی نے بھی تالیف کی ہے ۔ اسے یہ کام تیمور لنگ نے خود سونپا تھا اس کتاب کے مقدمہ میں نظام شامی کا ذکر کیا گیا ہے ۔ دونوں ظفر ناموں میں ایک صفت مشترک ہے کہ یہ نہایت ہی سلیس اور دلکش فارسی نثر میں لکھے گئے ہیں ۔

رختہ الصفا

یہ تیموریوں کی ایک جامع تاریخ ہے اس کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ یہ تیموریوں کے دور ہی میں لکھی گئی ہے یہ سات جلدوں پر مشتمل ہے

۔ تاریخ اسلام سے لیکر آخری بڑے تیموری بادشاہ ابو غازی سلطان حسین بایقرہ تک ہے۔ اس کتاب عظیم کا مولف محمد خواند شاہ المعروف میر خواند جو بلخ کے نجیب زادوں میں سے تھا اور معروف ترکی شاعر، دانشور اور سلطان حسین بایقرہ کے وزیر اعظم میر علی شیر نوائی کے درباریوں میں سے تھا۔ میر خواند نے ہرات میں وفات پائی اور ادھر ہی مدفن ہے۔ اس کتاب کی جلد ہفتم کا کچھ حصہ جو رہ گیا تھا میر خواند کے نواسے خواند میر نے مکمل کیا۔ خواند میر نے رختہ الصفا کا ایک خلاصہ بھی مرتب کیا جسے خلاصتہ الاخبار کا نام دیا اس ایک جلد میں ساتوں جلدوں کا اختصار موجود ہے۔

شعر اور عروض کی تاریخ میں دولت شاہ سمر قندی اور محمد عوفی نے ابتدائی کام کیا ہے جیسے کہ ذکر ہو چکا ہے۔ لباب الالباب فارسی زبان کی عظیم کتابوں میں سے ہے اس کتاب میں مولف نے فارسی شاعری کی ابتدا سے لیکر اپنے زمانے تک کے حالات کا جائزہ لیا ہے۔ اور نہایت ہی کاوش سے حالات کا اندارج کیا ہے۔ اس کی دو جلدیں ہیں۔ پہلی جلد میں اس دور کے سلاطین، وزراء، دانشوروں، امرا اور علماء کا حال موجود ہے۔ جو شاعروں اور ادیبوں کے مربی رہے ہیں، ان کے اقوال کو نقل کیا گیا ہے دوسری جلد میں شاعروں اور ادیبوں کے حالات زندگی اور کمال کے بارے میں واقعات درج ہیں اس میں ۱۶۹ شعرا کا ذکر کیا گیا ہے محمد عوفی نے دوسری کتاب " جوامع الحکایات " تالیف کی جس میں اس نے ادبی حکایات و اشعار کو مختلف مثالوں کے ساتھ واضح کیا ہے۔

محمد عوفی مرو کا رہنے والا تھا، بخارا میں تعلیم و تربیت پائی۔ خراسان اور ہندوستان کی سیاحت بھی کی۔ منگولوں نے جب وسط ایشیا کو تہ وبالا کیا تو دانشور، شاعر اور ادیب بھاگ کر دوسرے ملکوں میں پناہ لینے لگے۔ سندھ، ملتان، پنجاب اور دہلی میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم تھیں۔ یہیں آکر سر چھپاتے تھے۔ اسی طرح ناصر الدین قباچہ جو اوچ بہاولپور کا بادشاہ تھا، نہایت علم پرور بادشاہ تھا۔ محمد عوفی نے اس کے وزیر حسین بن شرف الملک کے ہاں پناہ لی۔ اور اس طرح محمد عوفی نے اپنی تالیف لباب الالباب اس کے نام کر دی۔

محمد عوفی کی لباب الالباب کے بعد فارسی کی عظیم تر کتاب تذکرہ دولت شاہ سمر قندی ہے۔ جو تیموریوں کے دور میں تالیف ہوئی جس میں ۱۰۵ شعرا کا ذکر موجود ہے۔ دولت شاہ سمر قندی ہرات کے امرا میں شمار ہوتا تھا۔ اس کے والد شاہ رخ بن تیمور کے ندیموں میں شامل تھا اور دولت شاہ خود سلطان حسین بایقرہ اور اس کے وزیر امیر علی شیر نوائی کے مقربین میں سے تھا اور مولانا عبدالرحمان جامی کا ہم عصر تھا۔ ان

تینوں حضرات کا ذکر اس نے اپنی کتاب کے آخر میں کیا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے تذکرہ کو علی شیر نوائی کے نام کر دیا۔

المعجم

علم عروض، قوافی اور نقد شعر کے بارے میں سب سے جامع اور عظیم ترین کتاب جو ہم تک سب سے پہلے پہنچی ہے وہ محمد بن قیس رازی کی تالیف المعجم فی معاییر اشعار العجم ہے۔ اس کتاب میں نہ صرف ان تین اصناف کا ذکر ہے بلکہ اس فن کے علاوہ مفید اشعار سے مثالیں بھی دی گئی ہیں مولف نے اپنے دور کے بڑے بڑے شعرا کا مفصل ذکر کیا ہے۔ مولف ری کا رہنے والا تھا، اور محمد خوارزم شاہ کے دربار میں خدمت پر مامور تھا کہ تاتاریوں کی یلغار سے جگہ جگہ پناہ ڈھونڈتا ہوا آخر ایران جا پہنچا۔ وہاں اتابک سعد بن زنگی (شیخ سعدی کے مربی کا باپ) کے پاس پہنچ گیا۔ اس سے قبل اس نے یہ کتاب عربی میں لکھی تھی۔ یہاں آکر فارسی میں منتقل کر کے بادشاہ کے نام کر دی۔

نفحات الانس

مولانا عبدالرحمان جامی کی تالیف ہے جس میں گذشتہ اور کچھ اپنے ہم عصر صوفیا و اولیا اور دانشوروں کا ذکر کیا ہے۔ یہ فارسی نثر کی اچھی کتاب ہے۔ تصوف سے بخوبی واقفیت کے علاوہ جامی کا بڑا وسیع مطالعہ تھا۔ اس نے تصوف کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ سلوک کی منزلوں سے آشنا تھا۔ اس لئے دوسروں کو سمجھانے میں نہایت ہی اچھا، آسان اور دلکش پیرایہ اختیار کیا ہے عبدالرحمان جامی کو علی شیر نوائی۔ بائیسنقر امرزا، سلطان حسین بائیقرا۔ بہرام خان اور ظہیرالدین بابر کا دور نصیب ہوا تھا، یہ سب صاحب سیف و قلم تھے۔ ان کی تحریر میں بڑی پختگی اور متانت ہے

مجالس العشاق

مرزا سلطان حسین بائقرہ جو فارسی اور ترکی دونوں زبانوں کا شاعر پہلا صاحب دیوان شاعر اور نثر نگار تھا۔ مجالس العشاق فارسی زبان میں لکھی ہوئی انشا پردازی کا اچھا نمونہ ہے جس سے مصنف کی علمی اور ادبی استعداد کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ کتاب ۱۵۰۳ میں تالیف کی گئی اسے سوانح عمری کے زمرے میں شمار نہیں کیا جاسکتا اس کی ابتدا نہایت ہی مسجع و مقفع نثر نگاری جس میں جگہ جگہ صوفیانہ افکار کی جھلک ہے، سے ہوتی ہے۔ اس میں ۷۵ بچھتر مقالہ جات ہیں۔ ہر آرٹیکل کو مجلس کا نام دیا گیا ہے ہر مجلس بزرگانہ عشقیہ یا شاہی سرپرستی کا اظہار

ہے اور آخری مجلس میں سلطان حسین ابن سلطان منصور ابن بائقیرہ ابن عمر شیخ ابن تیمور کر گانی کا ذکر ہے اور اس شعر پر اختتام کیا گیا ہے۔

بود چون پرز حرف عشق اوراق　　　نام کردمش مجالس العشاق

لیکن ظہیر الدین بابر اپنے بابر نامہ میں اس کتاب مجالس العشاق کے مصنف کے بارے میں اختلاف رائے رکھتا ہے اور کہتا ہے یہ ہرگز مرزا سلطان حسین بائقیرہ کی تحریر کردہ کتاب نہیں بلکہ یہ ایک صوفی جو امیر علی شیر نوائی کا صاحب تھا اور دربار میں آتا جاتا تھا، جس کا نام کمال الدین حسین گازا گاہی تھا، نے لکھی ہے۔

اخلاقیات

وسط ایشیا میں اخلاقیات کے موضوع پر گراں قدر کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جو مسلمانوں کا ایک عظیم ورثہ ہے۔ جس پر بجا طور پر فخر کیا جاسکتا ہے۔ ان کتابوں سے پوری دنیا نے عمومی اور اسلامی دنیا نے خصوصی طور پر استفادہ کیا ہے خود عربوں نے اسے سامنے رکھ کر اس علم کو آگے بڑھایا ہے

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اخلاق ناصری

نصر الدین طوسی نے یہ کتاب اسماعیلی حاکم قہستان ناصر الدین بن منصور کی خواہش پر لکھی اور اسی کے نام اخلاق ناصری کے نام سے پیش کی۔ اس کتاب میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اصول اخلاق اور اس کی حکمت علمی پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب ۱۲۵۵ء میں لکھی گئی ہے۔

اخلاق جلالی

یہ کتاب جلال الدین دوانی نے ۱۱۲۰ عیسوی میں تحریر کی اس کتاب کے عمدہ مطالب "مع الاشراق فی مکارم الاخلاق" کے نام سے

موسوم ہے ۔ یہ کتاب تہذیب اخلاق و تدبیر منزل وسیاست پر مشتمل ہے ۔ مولف نے خود اخلاق ناصری سے اقتباسات کا اقرار کیا ہے یہ سلطان خلیل کی خواہش پر تحریر ھوئی ہے ۔ اس کا بہترین اردو ترجمہ ڈاکٹر الہی بخش اعوان پشاور نے کیا ہے ۔ یہ نہایت ہی مشکل نثر نگاری کا نمونہ ہے ۔

اخلاق محسنی

یہ کتاب چالس ابواب پر مشتمل ہے ۔ حسین واعظ کاشفی کی تالیف ہے اس کتاب میں اخلاق کی بنیادی صفات کا مفصل تذکرہ ہے یہ کتاب ۱۵۰۰ عیسوی میں لکھی گئی اور سلطان حسین بائقیرہ کے نام کی گئی ہے ۔

انوار سہیلی

یہ کتاب بھی سلطان حسین بائیقرہ کے عہد میں حسین داعظ کاشفی نے تالیف کی ہے ۔ یہ کتاب اصول اخلاق پر حکایات کی شکل میں بحث کرتی ہے حکایات کے ذریعے اخلاقی اصولوں کو واضح اور دلکش پیرائے میں پیش کیا گیا ہے جو نہایت ہی اثر انگیز ہے ۔ واعظ کاشفی کی جوش زبان کا اثر جگہ جگہ نمایاں ہے ۔ اس کی بنیاد کلیہ دمنہ پر رکھی گئی ہے جسے نصراللہ ابوالمعالی نے عربی سے فارسی میں ڈھالا تھا ۔ نصراللہ نے اسے نہایت سادہ بنادیا تھا ، عربی کے مشکل الفاظ اور اشعار نکال باہر کئے ، لیکن وہ بات جو واعظ کاشفی نے پیدا کی ، پیدا نہ کر سکا یہ کتاب ہندو پاکستان میں بڑی مقبول رہی ہے اور کافی پڑھی گئی ہے ۔

وسط ایشیا میں فارسی کے ساتھ ساتھ عربی بھی چلتی رہی اور دانشوروں اور علماء دین نے عربی میں وہ کارنامے کر دکھائے ہیں جو اہل عرب کے لئے تقلید بن گئے ۔ یہ کام مسلمانوں کی وسط ایشیا میں آمد ۶۶۴ عیسوی سے شروع ھوا اور وقت کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا گیا ۔ وسط ایشیا کے مردم خیز علاقے نے اسلام کو وہ فرزند عطا کئے جن کی خدمات نے چمن اسلام کی وہ آبیاری کی کہ شاید و باید ۔

نجم الدین رازی

شیخ نجم الدین ابوبکر محمد رازی اپنے دور کے مشائخ جید میں سے تھا ۔ اسے عرفان حاصل تھا ۔ یورش تاتار میں پہلے اردبیل اور پھر روم کی طرف کوچ کر گیا ۔ ایک کتاب عقاید اور معانی تصوف پر لکھی جس کا نام " مرصادالعباد " رکھا یہ کتاب شیخ صاحب نے فارسی میں

تحریر کی اگرچہ آپ کی عربی تحریر بھی قابل ستائش ہے۔

باب ششم

وسط ایشیا کا فروغ اسلام میں کردار

اس میں شک نہیں کہ اسلام جزیرہ نما عرب کی سرزمین سے نمودار ھوا، لیکن اس کی پرورش وسط ایشیا میں ھوتی۔ اور۔ یہیں سے دنیا کے دوسرے گوشوں تک پھیلا۔ اسلام کے فروغ میں جہاں تلوار نے کام کیا وھاں قلم اور عمل نے بڑھ کر کام کیا۔ اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے۔ اس کا ہر فرد مبلغ ہے، اور اسلام کا سفیر ہے۔ دنیا کے کئی ایسے علاقے ہیں جہاں مسلمانوں کی تلور نہیں پہنچی یعنی وہاں مسلمانوں نے بزور شمشیر رسائی حاصل نہیں کی۔ بلکہ بغرض تجارت، سیاحت اور مبلغ کے پہنچے۔ وہاں اسلام کی جڑیں اتنی مظبوطی سے بڑھیں کہ آج تک وہاں اسلام کا بول بالا ہے۔ اکثر جزائر میں اسلام بغیر تلوار کے پہنچا۔

کشمیر میں بھی اسلام ھمارے نہیں وسط ایشا کے مبلغین کے توسط سے پہنچا۔ جن میں شاہ ھمدان کا نام سرفہرست ہے۔ آپ "کلاب" جو موجودہ تاجکستان کا ایک شہر ہے کے رہنے والے تھے۔ آپ نے تبلیغ کے ذریعے کشمیر اور بلتستان کے رہنے والوں کی اکثریت کو مشرف بہ اسلام کیا۔ آج بھی وہاں کے لوگ ان کے گرویدہ ہیں۔ ہر سال ان کا عرس منایا جاتا ہے۔ آپ اگرچہ مانسہرہ (ھزارہ) میں فوت اور دفن ھوئے لیکن بعد میں آپ کے جسد خاکی کو یہاں سے نکال کر "کلاب" تاجکستان لے جایا گیا اور وہیں پر آپ کا مزار ہے۔ مئی ۱۹۹۴ء میں آپ کا ۶۸۰ واں یوم وصال منایا گیا جس میں پاکستان میں شاہ ھمدان انٹرنیشنل ایسوسی ایشن کے صدر اور جنرل سیکرٹری نے شرکت کی(۱)

اسلام کا پیغام لے کر مسلمان روز اول ہی سے اپنے مشن پر رہا ہے۔ رسول کریمؐ کی زندگی ہی میں عرب کے کافی علاقے پر اسلامی پرچم لہرانے لگا تھا۔ ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں اسلام کا پیغام اور آگے بڑھا۔ عمر فاروقؓ کے عہد میں عرب کی سرزمین سے نکل کر ایران، خراسان، سیستان اور ترکستان کی طرف پیش قدمی کرنے لگا۔ یہ سلسلہ عثمان غنیؓ کے دور میں بھی نہ رکا۔ حضرت علیؓ کے دور میں اندرونی خلفشار کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لئے بیرونی دنیا کی فتوحات کا سلسلہ وقتی طور پر تھم گیا تھا، امیر معاویہ کے دور میں پھر سے

۱۔ ۱۴ مئی ۱۹۹۴ء کے اخبار "The News" راولپنڈی میں تفصیل سے خبر چھپی۔

شروع ہوا۔اور ہوتے ہوتے وسط ایشیا تک پہنچ گیا۔ جیسا کہ پہلے ابواب میں تفصیلاً ذکر ہو چکا ہے کہ ۶۶۴ء میں باقاعدہ طور پر وسط ایشیا میں اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی جاچکی تھی۔اور عبیداللہ ابن زیاد پہلا امیر خراسان بن کر حکومت کا آغاز کر چکا تھا۔ مرو میں پہلا فوجی ہیڈ کوارٹر قائم ہونے کے ساتھ ساتھ دینی مدرسہ[1] "مکتب" کھل چکا تھا، اور اس میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، یہاں کے لوگ جوق در جوق مشرف بہ اسلام ہو کر اسلامی تعلیمات اور دیگر اسلامی علوم میں دسترس حاصل کرنے لگے۔ یہ لوگ عربوں سے بہتر مسلمان ہوئے۔زیادہ پرہیز گار، متقی اور ماہر قرآن و حدیث ہوئے۔ جب عربوں نے ان سے مساویانہ سلوک نہ کیا، تو ان کے خلاف ابو مسلم خراسانی کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے اور اموی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ لیکن اسلام کو ترک نہ کیا۔اور بہتر اسلامی حکومت کے قیام کیلئے پہلی قربانی وسط ایشیا کے لوگوں نے ہی دی۔ بنی امیہ کی حکومت نے ہوس دنیا میں (سوائے عمر بن عبدالعزیز کے جسے پانچواں خلیفہ راشد مانا جاتا ہے) اسلامی اقدار کو پامال کیا۔ اور بجائے دین اسلام کے فروغ اور آبیاری کے انہوں نے دولت کے ارتکاز پر زیادہ توجہ دی۔ یہ وسط[2] ایشیا ہی کے لوگ تھے، جنہوں نے اسلام کی خاطر اپنی زندگیوں کو خطرے میں ڈالا۔ اور بنی امیہ کو نہ صرف سرزمین وسط ایشیا میں شکست فاش دی بلکہ ایران اور عرب سے بھی انہیں ہمیشہ کیلئے رخصت کیا۔ لیکن امیہ کے بعد اقتدار میں آنے والے عباسیوں نے بھی اقتدار کے استحکام اور طوالت کیلئے جتنا کام کیا، اتنا اسلام کی سربلندی اور ترقی و ترویج کیلئے نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ وسط ایشیا کے لوگوں نے جلد ان کا ساتھ بھی چھوڑ دیا۔ یہاں سرزمین بخارا خیوہ، خوقند، ختن، بلخ، ہرات اور ترمذ کے خطوں سے ایسے مشاہیر پیدا ہوئے، جنہوں نے اسلام کے فروغ میں وہ کردار ادا کیا جس نے عربوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ یہاں وہ دانشور اور عالم دین پیدا ہوئے، وہ مبلغ اور صوفیا پیدا ہوئے کہ رہتی دنیا تک ان کی نظیر نہیں مل سکتی۔ انہی کی بدولت اسلامی تعلیمات دنیا کے دیگر حصوں میں منتقل ہوئیں۔ آج عرب ہو یا مصر، ایران ہو یا ہندوستان و پاکستان جہاں بھی کوئی عظیم عالم، صوفی، دانشور یا درویش گزرے، تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود یا اس کے اجداد کا تعلق وسط ایشیا سے تھا، بو علی سینا جیسے نامور سیاستدان کا مولد بخارا ہے تو جلال الدین رومی جیسے عالم دین اور صوفی کا تعلق بلخ سے ہے۔ اگر جمال الدین افغانی اسد آباد جلال آباد سے ہے تو امام اسماعیل عبداللہ بخاری کا تعلق بخارا سے ہے۔ اسی طرح محمود کاشغری۔ امام ابو موسیٰ

Shahabud Din Suhrawardi - "The Awariful Maarif" - Lahore 1979 - P.93 (1)

(۲) ہادی جزایری - تاریخ خاور میانہ - تہران ۱۹۵۶ء - ص ۱۳۲

ترمذی، نورالدین جامی، کمال الدین بہزاد، خواجہ ابو عبداللہ انصاری۔ امیر علی شیر نوائی، ابو جعفر طبری، ابونصر فارابی، علی ہجویری (داتا گنج بخش)، ابو مجد سنائی، رشید الدین وطواط، حسن عنصری، ابو ریحان البیرونی، عبداللہ رودکی، امام ابولیث سمرقندی، بختیار کاکی، روش فرغانی اور اس طرح کئی اور اسلام کے نامور فرزند اسی سرزمین سے اٹھے اور دنیا میں اپنے علم کا لوہا منوایا۔ یہیں سے سلسلہ ہائے صوفیا کا آغاز ہوا۔ سلسلہ نقشبندی کا آغاز بخارا سے ہوا۔ سلسلہ چشتیہ کا آغاز ہرات کے ایک دیہات چشت سے ہوا۔ سامانی کی کتاب "کتاب الانساب" میں سینکڑوں صوفیا کرام کے نام درج ہیں جن کا تعلق وسط ایشیا سے ہے۔ درج ذیل عظیم اسلامی ہستیاں جن کا عالم اسلام پر احسان عظیم ہے کے اجداد کا تعلق اسی وسط ایشیا سے ہے۔

(۱)۔ امام ابو حنیفہ ۶۹۹-۷۶۷ء

(۲)۔ ابراہیم بن ادہم ۷۸۳-۷۳۰ء

(۳)۔ امام احمد بن حنبل ۸۶۰-۷۸۰ء

(۴)۔ امام بخاری ۸۷۰-۸۰۹ء

(۵)۔ امام ترمذی ۹۰۱-۸۳۱ء

(۶)۔ امام طبری ۹۲۶-۸۳۹ء

امام ابو حنیفہ ۶۹۹-۷۶۷ء

نعمان(۱) بن ثابت، امام ابو حنیفہ، جو حنفی مکتبہ فکر کے بانی ہیں، کے دادا کا تعلق کابل سے تھا، جہاں سے اسے عبید اللہ بن زیاد کے آدمی غلام بنا کر لے گئے اور کوفہ میں ایک تاجر کے پاس فروخت کر دیا۔ اس خوبرو جوان نے تاجر کی بے انتہا خدمت کی، تاجر نے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دی۔ جب ۷۶۶ء میں نعمان بن ثابت پیدا ہوئے، تو اس وقت ان کے والد ثابت خود ایک نامور تاجر تھے۔ جو کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ نعمان نے بھی تعلیم و تربیت سے فارغ ہو کر اپنا آبائی پیشہ اختیار کیا۔

آپ ۷۶۶ء میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ اور عباسیوں کی قید و بند میں زندگی کے آخری دن گزارے اور بغداد کی جیل میں جان جان

---

(۱) عبدالحئ حبیبی - فضائل بلخ - تہران - ۱۹۸۰ء - ص۱۹۵

آفرین کے سپرد کردی۔ قید و بند کی سزا آپ کو عباسی خلیفہ کی طرف سے قاضی القضاۃ کے طور پر کام کرنے سے انکار پر ہوئی۔ آپ نے موت قبول کرلی، لیکن کسی غاصب کے زیر اقتدار منصب قبول نہیں کیا۔ امام ابو حنیفہ نے ابتدائی تعلیم اور مذہبی تعلیم حامد بن سلیمان سے حاصل کی۔ تیس سال کی عمر میں آپ نے تمام علوم مروجہ پر عبور حاصل کرلیا تھا۔ آپ کی دور رس نظر چیز کی حقیقت تک پہنچ جاتی۔ نوجوانی کے عالم میں آپ کوفہ کی جامع مسجد میں درس دینے لگے اور تیس سال کی مزید درس و تدریس میں آپ نے وہ مقام حاصل کرلیا کہ آپ کے ارد گرد علماء، دانشوروں اور مریدوں کا ایک جمگھٹا رہتا تھا۔ آپ اجتماعات سے خطاب کرتے، تصنیف و تالیف کرتے اور اسلامی فقہ اور منطق پر مواد اکھٹا کرتے، تحقیق کرتے اور اس پر اجتماعی فیصلے صادر فرماتے۔ اسلامی قوانین کو صحیح سانچے میں ڈھالتے۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے بارہ لاکھ اصولوں کو مرتب کیا۔ یہ اصول و قانون آپ نے خود نہیں بنائے، بلکہ مضمون کو بحث و مباحثہ کیلئے اپنے شاگردوں کے سامنے رکھ دیتے تھے اس پر اپنی رائے کا اظہار کردیتے تھے اور آپ کے شاگرد آپ کے فرمودات کو فوراً قلمبند کرلیتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے شاگردوں نے ان قوانین کو مرتب کیا۔ [1] امام ابو یوسف یعقوب جو بغداد کے قاضی تھے، امام ظفر ابو مطی بلخی اور حسن شیبانی آپ کے نمایاں اور نامور شاگردوں میں سے تھے ان کے کارنامے بھی وسط ایشیا میں فروغ اسلام میں کردار کی معاونت کرتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے بنو امیہ کے آخری اور عباسیوں کے ابتدائی دور میں زندگی بسر کی۔ انہیں تمام مکتبہ فکر سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ آپ نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ نہایت ہی ایمانداری کے ساتھ اپنا رزق حلال کپڑے کے کاروبار سے حاصل کیا۔ اور علم کے متلاشی اور متولی رہے۔ آپ کے علمی کارناموں میں (۱) فقہ اکبر (۲) مسند (۳) کتاب العلم والتعلیم نمایاں ہیں۔

حنفیہ مکتبہ فکر قرآن کو اسلامی قوانین کا پہلا اور مرکزی ماخذ مانتے ہیں۔ خود امام ابو حنیفہ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں نے کسی مسئلے کا حل پہلے قرآن مجید میں تلاش کیا جب قرآن کو اس مسئلے پر خاموش پایا۔ تو میں نے حدیث کا سہارا لیا، پھر صحابہ کے قول و کردار میں تلاش کیا، اور پھر اس کے بعد قیاس کیا۔ آج اہل سنت و جماعت کی دنیا میں حنفیہ مکتبہ فکر کا ہی راج ہے۔ ہماری اکثر حکومتوں یعنی عباسیوں، سلجوقیوں، غزنویوں اور مغلوں کا ضابطہ قانون بھی حنفیہ فقہ ہی رہا۔

---

(۱) ابن الاطہر عزیز الدین - الکامل فی تاریخ - لاہور - ۱۹۳۳ء - ص ۳۰۶

ابراہیم بن ادہم (۷۸۳-۷۳۰ء)

وسط ایشیا کے[1] اس سپوت کو بین الاقوامی سطح پر نمایاں مقام ملا۔ آپ ابراہیم بن ادہم بن منصور بن یزید بن جابر بلخ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں کوئی مواد میسر نہیں۔ البتہ آپ کی ولایت کی زندگی کے چند شواہد جہاں آپ پر زندگی کے اسرار ظاہر ہوئے، جہاں آپ کو آگاہی حاصل ہوئی ہے آپ کی شاہانہ زندگی میں انقلاب اس وقت نمودار ہوا جب ایک دن بغرض شکار جنگل میں آپ اپنے ساتھیوں سے ایک شکار کے پیچھے بھاگتے ہوئے جدا ہو گئے وہاں تنہائی میں ایک غیبی صدا آپ کے کانوں میں آئی کہ اے ابراہیم تیری پیدائش کا مقصد معصوم جانوروں کی جان لینا نہیں ہے۔ آپ فوراً گھوڑے سے اترے شاہی لباس اتارا اور صرف ایک لنگوٹ اور کرتے پر اکتفا کیا اور گڈریوں کی مفلسانہ زندگی اختیار کی۔ اس سے پہلے ابراہیم بن ادہم کو دو ایک اشارے اپنے محل ہی میں بھی ملے تھے۔

پہلا واقعہ کہ جب آپ کی[2] ایک کنیز آپ کے بستر پر سو گئی تھی۔ جس کی پاداش میں جب اسے ہنٹر سے پیٹا گیا تو اس کے منہ سے یہ جملے بے ساختہ نکلے۔ آہ اللہ اس شاہی بستر پر ایک گھنٹہ سونے کی یہ سزا ہے تو رات بھر اس پر سونے کی کتنی سزا ہو گی۔ اس معصوم کے اس معصوم جملے نے ابراہیم بن ادہم پر بہت اثر کیا اور وہ گہری سوچ میں پڑ گئے۔ دوسری بشارت انہیں اس وقت ملی جب ایک رات آپ خدا کی عبادت میں مصروف تھے کہ آپ کو محسوس ہوا کہ کوئی غیر (چور) آپ کے محل کی چھت پر چڑھ گیا ہے آپ اس کے پیچھے گئے، تلوار اس کی گردن پر رکھ کر پوچھا، بولو یہاں کیا کرنے آئے؟۔ اس نے جواب دیا میرا اونٹ کھو گیا ہے اسے تلاش کر رہا ہوں۔ "اونٹ محل کی چھت پر تلاش کر رہے ہو؟" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا "جس طرح تم خدا کو اس محل میں تلاش کر رہے ہو"۔

شکار کے واقعہ کے بعد آپ گڈریوں کی سی زندگی گزار رہے تھے، ایک کمبل تکیہ اور ایک گدا آپ کا سامان تھا۔ ایک دن دیکھا کہ ایک آدمی بغیر ان کے زندگی بسر کر رہا تھا تو آپ ان سے بھی بے نیاز ہو گئے۔

آپ نے زندگی کا مقصد صرف پڑھنا اور سیکھنا بنا لیا تھا۔ آپ کو اپنے ہم عصر علماء اور صوفیاء کرام کا فیض حاصل تھا انسان سے

---

(۱) محمد رضا شفعی - تصوف اسلامی - تہران ۱۹۵۰ء - ص ۱۳۹

(۲) عبدالحی حبیبی - فضائل بلخ - تہران ۱۹۸۰ء - ص ۴۹

محبت خدا سے محبت ہے یہی اسلامی تصوف کا نچوڑ ہے۔ یہی ابراہیم بن ادہم کا پیغام تھا۔ بقول علامہ اقبال۔ابراہیم بن ادہم کا فلسفہ زندگی یہ تھا۔

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

انگریزی ادب کی کتابوں میں ابراہیم بن ادہم کے بارے میں یہ کہانی دنیا بھر کے انگریزی ادب کے آشنا پڑھ چکے ہونگے کہ ایک رات ابراہیم بن ادہم گہری نیند سے اٹھے، دیکھا کہ ان کی خوابگاہ روشنی سے منور ہے۔ اس روشنی میں دیکھا کہ ایک نورانی فرشتہ سامنے کچھ لکھ رہا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا لکھ رہے ہو؟ اس نے کہاان لوگوں کے نام جو خدا سے پیار کرتے ہیں۔ "کیا میرا نام بھی ان میں ہے؟" فرشتے نے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "نہیں" آپ نے نہایت اطمینان سے عرض کی کہ پھر میری آپ سے استدعا ہے کہ میرا نام خدا کی مخلوق سے پیار کرنے والوں میں لکھ دیں۔ فرشتہ روپوش ہوا، دوسری رات نیند جگادینے والی روشنی کے ساتھ پھر نمودار ہوا، اوران لوگوں کے نام کی فہرست بنائی جو خدا کی محبت سے نوازے گئے تھے۔ دیکھا کہ ابن ادہم کا نام سرفہرست تھا۔[1]

ابراہیم بن ادہم ایک عملی صوفی تھے انہوں نے بالکل ترک دنیا نہیں کی، بلکہ ہمیشہ رزق حلال بحیثیت ایک مزدور کے حاصل کیا۔ انہوں نے مالی بن کر رزق کمایا، کھدائی اور بار برداری تک کا کام کیا۔ دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کو نہایت معیوب خیال کرتے تھے۔ آپ فضل ایاز ابو علی مروزی کے مرید تھے۔ جو حسن بصری کے سلسلہ صوفیا سے تھے۔ ابراہیم بن ادہم کے صوفیانہ درس میں صفیان سورمی، ابو حسن کوسولی، خواجہ مراہ شی، شیخ شقیق بلخی اور دیگر صاحب کشف و کرامت شامل ہوتے تھے۔ ابراہیم بن ادہم کی زندگی پر تحقیقی کام کی اشد ضرورت ہے، تاکہ دنیا کے سامنے اس عظیم شخصیت کی زندگی اور کارنامے پیش کیے جاسکیں۔ جس سے لوگ استفادہ کرسکیں۔ اور وسط ایشیا کے کردار کی مزید وضاحت ہوسکے۔

امام احمد بن حنبل (۸۶۰ سے ۷۸۰ء)

حنبلی مکتبہ فکر کے بانی احمد بن حنبل وسط ایشیا کے ایک نامور فرزند ہیں۔ جو ۷۸۰ء میں مرو میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق شاہی بان

---

(1) S.R. Sharda. - "Sufi Thought" - New Delhi 1947 - P 137

قبیلہ سے تھا۔ آپ کا قبیلہ بنی امیہ کے دور میں سعد بن عثمان کے ساتھ دمشق سے یہاں آیا۔ آپ کے دادا داؤد مہلب بن صفرا امیر خراسان کے عہد حکومت میں سرخس کے حاکم تھے۔ مرو ابتداء ہی سے مسلمانوں کا فوجی ہیڈ کوارٹر تھا۔ اس لئے داؤد نے اپنے بیٹے محمود کو فوجی تربیت دی۔ آپ کے والد نے خراسان کی کئی جنگوں میں حصہ لیا۔ آخر آپ کے والد بغداد آ گئے۔ جو علم و ادب کا گہوارہ تھا، احمد بن حنبل کو یہاں علم حاصل کرنے کے اچھے مواقع ملے۔ امام ابو یوسف کے درس میں شامل ہوئے۔ ہاشم بشیر سے بھی آپ نے بہت کچھ سیکھا۔ اسی طرح صفیان عینیہ سے بھی آپ نے فیض حاصل کیا۔ پھر بصرہ گئے۔ اور وہاں عبدالرحمٰن بن مہدی کے درس میں شامل ہوئے۔ اور زیور علم سے آراستہ ہوئے۔ مزید حصول علم کیلئے شام، عراق، حجاز اور یمن کا سفر کیا۔ ان مقامات پر آپ کو حدیث پر تحقیق کرنے کا موقع ملا۔ تقریباً دس لاکھ احادیث آپ کو ازبر تھیں۔ واپس بغداد آ کر آپ نے شافعی مکتبہ فکر اپنایا اور بہت کم عرصہ میں یہ لوگ آپ سے رشد و ہدایت اور فیض علم حاصل کرنے لگے۔

(۲) آپ نے احادیث کو اسلامی فقہ کا ماخذ مانا اور اپنے اس نظریہ پر سختی سے کاربند رہے۔ مامون الرشید (عباسی خلیفہ) معتزلہ عقائد پر سختی سے عملدرآمد کرتا تھا۔ دیگر چند علماء کی طرح مامون بھی قرآن کے خلق ہونے کا قائل تھا، اس کو اس مسئلہ سے اتنا شغف تھا کہ جو علماء اس کے منکر تھے انہیں سخت مصیبتیں جھیلنا پڑیں۔ مامون جس قدر خلق قرآن کے عقیدہ میں سخت تھا۔ حضرت امام احمد بن حنبل اس قدر اس کے انکار میں متشدد تھے۔ آپ آزمائش میں پڑ گئے اور مامون نے آپ کو جیل میں ڈال دیا۔ مامون مرتے دم تک آپ کو اس مسئلے پر ہم خیال نہ کر سکے۔ اور مرتے وقت اپنے جانشین ولی عہد معتصم کو امام صاحب پر سختی کرنے کی وصیت کی۔ معتصم جاہل اور ادب ناشناس تھا اس نے امام احمد بن حنبل پر بڑی سختیاں کیں، اور یہ فتنہ مامون کے دور سے بھی بڑھ گیا۔ آپ سختیاں جھیلتے رہے مگر جھکے نہیں۔ آخر خلیفہ متوکل کے عہد میں آپ کو رہائی نصیب ہوئی۔ اور آپ کا رتبہ بحال ہوا۔

آپ نے ۸۰ سال کی عمر میں ۸۶۰ء میں وفات پائی۔ آپ کے جنازے میں اسی ہزار مردوں اور ساٹھ ہزار عورتوں نے شرکت کی۔ آپ کی تالیف "مسند حدیث" ہے جس میں تیس ہزار احادیث ہیں۔ آپ نے تقریباً سات لاکھ پچاس ہزار روایات کی تصحیح کی۔

---

(۱) صلاح الدین سلجوقی - "تقویم انسان" - ص ۱۱۵

(۲) بیہقی ابوالفضل - تاریخ مسعودی - فارسی - ماسکو ۱۹۴۰ء - ص ۲۲۸

مشہور فقی ابن تیمیہ آپ کے پیروکاروں میں سے تھے۔ قطر، عمان، مسقط اور پر شین گلف کی سنی ریاستیں حنبلی مذہب کی پیروکار ہیں۔

آپ کی زندگی آپ کے کارنامے اور آپ کی تحریریں رہتی دنیا تک اسلام کے فروغ میں نہ صرف وسط ایشیا بلکہ پورے عالم اسلام میں سنہری کردار ادا کرتی رہیں گی۔

امام بخاری (۸۷۰ سے ۸۰۹ء)

امام ابو[1] عبداللہ محمد بن اسماعیل ۱۳ شوال ۱۹۰ھ بمطابق ۸۰۹ء بخارا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد اسماعیل بن ابراہیم بھی مشہور محدث تھے۔ آپ نے بہت سی احادیث از بریاد کی ہوئی تھیں۔ اس دور میں عالم اور فاضل لوگوں کی وجہ امتیاز یہ تھی کہ انہیں احادیث یاد ہوں۔ اسماعیل کی عمر نے وفا نہ کی اور بخاری کی پرورش ان کی ماں کے ذمہ آپڑی۔ آپ کو اللہ نے بڑا قوی حافظہ دیا ہوا تھا آپ میں کسی طویل عبارت کو یاد کرنے کی بڑی صلاحیت موجود تھی۔ آپ نے بہت ہی کم عمر میں قرآن کریم حفظ کیا۔ ان دنوں بخارا علم کا گہوارہ تھا، ہر طرف علم کے چرچے تھے، آپ محمد بن سلام بھقندی، ابراہیم بن ہشاس اور اسی طرح کے دوسرے علماء کے درس میں شامل ہوئے۔ سولہ سال کی عمر میں آپ نے دو اہم دینی درسی کتب از بر کر لیں۔ ۱۶ دن بغداد میں قیام کے دوران پندرہ سو احادیث یاد کر لیں۔ آپ کی تالیف کا نام الجامع الصحیح ہے جسے صحیح بخاری کہتے ہیں۔

آپ نے کافی عرصہ صحیح احادیث اور موضوع احادیث کا امتیاز سیکھنے میں صرف کیا۔ اس سلسلے میں مکہ میں آپ نے عبدالواحد ارزقی اور ابوبکر حمیدی اور مدینہ میں ابراہیم بن حمزہ کی شاگردی کی۔ اور بلخ میں یحییٰ بن یحییٰ اور مالکن بن ابراہیم سے استفادہ کیا۔ جب کہ دوسرے مسلم ممالک میں بھی اس علم کو حاصل کرنے کیلئے کئی علماء اور محدثین سے ملے۔ اس عظیم کام کو ہاتھ میں لینے سے پہلے آپ نے خواب میں رسول مقبول ﷺ کو دیکھا، ان کا اشارہ سمجھ گئے اس عظیم کام نے آپ کو اتنا عظیم بنایا کہ ہر مکتبہ فکر کے علم کے متلاشی آپ کے درس میں جوق در جوق شامل ہوئے لوگ آپ کے خطابات سنتے اور مستفید ہوتے۔ ایک روایت کے مطابق نو ہزار افراد

---

(1) Mohammad Anwar Khan Dr."Imam Bukhari" - Peshawar 1983. - P 73

نے آپ سے علم حدیث سیکھا۔ ان میں مشہور محدث امام ترمذی اور امام نسائی بھی شامل ہیں۔ آپ کی تصنیف قرآن کے بعد روئے زمین پر احادیث کی صحیح ترین کتاب اور صحاح ستہ میں پہلے نمبر پر شمار کی جاتی ہے۔ صحاح ستہ میں درج ذیل کتب ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری

۲۔ صحیح مسلم

۳۔ جامع الترمذی

۴۔ سنن ابو داود

۵۔ سنن ابن ماجہ

۶۔ سنن نسائی

بعض اس فہرست میں امام مالک کی تالیف موطا کو بھی شامل کرتے ہیں۔ بہر حال صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا اسلامی ادب میں بڑا مقام ہے۔

امام بخاری نے اسلامی قوانین (فقہ) اور حدیث پر دو درجن کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن جس تالیف نے آپ کو تا قیامت شہرت بخشی وہ صحیح بخاری ہے۔ آپ نے احادیث کو اکٹھا کرنے میں جس محنت اور جانفشانی سے کام کیا ہے وہ قابل داد ہے۔ آپ حدیث کے راوی کے کردار اور اس کی نجی زندگی کے بارے میں پہلے خوب تسلی کر لیتے تھے کہ واقعی یہ حدیث اس نے بغیر رد و بدل کے محفوظ کی ہے۔ آپ ہر حدیث کو تحریر کرتے وقت اس امر کا خیال رکھتے تھے کہ آپ باوضو ہیں۔

ایک شخص کے بارے میں آپ کو معلوم ہوا کہ ایک حدیث کا انہیں علم ہے۔ آپ جب اسے ملنے گئے تو وہ گھوڑے کو سدھار رہا تھا۔ گھوڑا اس سے بھاگ گیا تو اسے پکڑنے کے لئے وہ جھولی میں چارہ دکھا کر بلا رہا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ جھولی خالی ہے اس میں چارہ نہیں ہے تو آپ وہیں سے لوٹ آئے کہا کہ جو آدمی جانور کو دھوکا دے سکتا ہے۔ وہ جھوٹا ہے۔ میں اس کے قول پر کیسے اعتبار کروں۔ گویا اس حد تک محتاط ہو کر احادیث کو جمع کیا۔

آپ نے ۷۲۷۵ احادیث جمع کیں ۔ (ان میں بعض احادیث مکرر ہیں) جس کے چھ لاکھ سے زیادہ تراجم موجود ہیں ۔ جس سے ۱۶۰ کتابیں مرتب ہوتیں ۔ اور ۳۴۵۰ ابواب ہوئے ۔ اگر مکرر احادیث کو نکال دیا جائے تو ۲۷۶۲ احادیث رہ جاتی ہیں ۔ ہر باب کو الگ الگ موضوع اور مضمون کے لئے ترتیب دیا گیا ہے ۔ بعض ایسے ابواب بھی ہیں جن میں کوئی حدیث نہیں کیونکہ مولف کو راوی یا حدیث کے مستند ہونے پر شبہ تھا۔ امام بخاری کے کام کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر کئی اسلامی ممالک میں شائع ہو چکا ہے ۔ اردو میں اس کا پہلا ترجمہ مولوی وحید الزمان، مرزا حیرت دہلوی اور محمد سعید نے کیا، اور بعد میں قاری محمد عادل اور قاری محمد فاضل نے کیا ہے ۔ ایک عرصہ تک وسط ایشیا کے اس نامور فرزند کی کتاب صحیح بخاری لوگ دور دراز کے سفر میں ساتھ لے جاتے، پڑھتے اور مستفید ہوتے تھے ۔ یہاں تک کہ حج کو جاتے ہوئے بھی حاجی کے پاس صحیح بخاری کا ہونا لازمی ہوتا تھا۔ اسلامی دنیا میں سب سے زیادہ چھپنے والی کتاب یہی تھی ۔ کوئی لائبریری ایسی نہ ہوگی جہاں تک صحیح بخاری کی رسائی نہ ہوئی ہو ۔ آج بھی کوئی اسلامی ملک اور مدرسہ ایسا نہ ہوگا جہاں صحیح بخاری نہ ہو ۔

برصغیر پاک وہند اور خصوصی طور پر پاکستان کی لائبریریوں کے علاوہ لوگوں کی نجی لائبریریوں میں اس بابرکت کتاب کا ہونا ایک لازمی جزو ہے ۔ اسلامی ادب میں صحیح بخاری کا مقام بہت بلند ہے ۔ اور بعض اسلامی مفکرین کا خیال ہے کہ قرآن کے بعد سب سے مستند کتاب یہی ہے ۔ دسویں صدی ہجری تک اسے رمضان میں قاہرہ کی مسجد میں باقاعدہ قرآن کی طرح پڑھا جاتا اور ختم ہونے پر جشن منایا جاتا جس طرح قرآن کے ختم ہونے پر ختم شریف ہوتا ہے ۔ دنیا کے بعض حصوں خصوصی طور پر اندلس میں تو اس کی قسم اٹھائی جاتی ہے ۔ امام بخاری ۶۲ سال کی عمر میں سمرقند کے علاقے خرتانک میں یکم شوال ۲۵۶ھ بمطابق ۳۱ اگست ۸۷۰ء اللہ کو پیارے ہوئے احادیث کی دنیا میں بخاری کی احادیث کا بڑا مقام ہے اور جو احادیث بخاری سے مروی نہیں ان کی صداقت پر شبہ کیا جاتا ہے ۔

صرف امام ابو عبد اللہ محمد بخاری کا یہ کارنامہ وسط ایشیا کا اسلام کے فروغ میں کردار کے لئے کافی ہے ۔ لیکن وسط ایشیا کی خوش قسمتی

دیکھیئے کہ اس کے حصے میں کتنی نیکیاں، نیک لوگوں کو پیدا کرنے کے سبب آئیں۔

امام ترمذی(۹۰۱ تا ۸۳۱ء)

ابو عیسیٰ محمد ابن عیسیٰ ترمذی المعروف امام ترمذی کے دادا کا نام سوارہ تھا۔ آپ کا تعلق بنو سلیم قبیلہ سے تھا۔ آپ ۲۰۹ھ بمطابق ۸۳۱ء۔ وسط ایشیا کے مشہور شہر ترمذ میں پیدا ہوئے۔ اور وفات "باغ" میں ہوئی۔ جو ترمذ سے چند میل کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے۔ آپ ۲۷۹ھ بمطابق ۹۰۱ء میں وہیں دفن ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مختلف اساتذہ سے حاصل کی مزید تعلیم کے حصول کے لئے بخارا کا رخ کیا۔ جو ہمیشہ علم وادب کا مرکز رہا ہے۔ اور پھر یہ تو وہ دور تھا، جب امام بخاری جیسے نابغہ روزگار وہاں درس دیتے تھے۔ جہاں سینکڑوں طالب علم، علم کی پیاس بجھانے پروانہ وار منڈلاتے تھے۔ آپ بھی امام بخاری کے درس میں شامل ہوئے۔ اور امام بخاری کی طرح آپ نے بھی حصول علم کے لئے کئی ممالک کی خاک چھانی۔ کئی ایسے مسائل تھے جو ان کی نظر میں ابھی حل طلب تھے اور مزید تحقیق کی ضرورت تھی آپ ماوراالنہر اور خراسان کے علماء سے مستفید ہونے کے بعد شام، عراق، مصر، اور مراکش گئے

یہ درست ہے کہ حجاز بھی علم کا گہوارہ تھا، لیکن اس دور میں جو لوگ خراسان اور بخارا نے پیدا کیے وہ ایسے جید عالم اور مفکر تھے جن کی دانش مندی نے انہیں بین الاقوامی شہرت دی۔ یہاں بڑے بڑے محدث اور ماہرین فقہ پیدا ہوئے۔ جن پر پورے عالم اسلام کو فخر ہے۔ امام ترمذی نے اس وقت کی معلوم اسلامی دنیا کے تمام علمی مراکز کا دورہ کیا اور تحقیق کو آگے بڑھایا۔ بقول

ابن حجر العسقلانی

"طائف البلاد وسع خلقا من الخراسانیین والعراقیین والحجاز"

ترجمہ۔ اس نے بہت سارے ممالک کا دورہ کیا اور خراسان، عراق اور حجاز کے معروف دانشوروں سے علم حاصل کیا۔

آپ نے دیگر علماء کے علاوہ امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد جیسے نابغہ روزگار دانشوروں اور علماء دین سے براہ راست استفادہ کیا[(۱)]

---

(۱)۔ سامانی الانساب۔ بوغی۔ امام ترمذی کی حیات۔ سامانی نے بوغی کے عنوان کے تحت تفصیل سے پیش کی ہے۔

سامانی نے آپ کے اساتذہ کی ایک فہرست اپنی کتاب "الضاجی" میں مرتب کی ہے۔ امام ترمذی ایک بلند پایہ روایت نگار اور مستند محدث تھے ابن حجر نے انہیں ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

"مات البخاری ولم یخلف بخراسان مثل ابی عیسی فی العلوم والورع"

ترجمہ۔ امام بخاری وفات پا گئے اور اپنے پیچھے امام ترمذی کے پائے کا کوئی دانشور نہیں چھوڑا۔

امام بخاری آپ کی صداقت کے قائل تھے۔ اور آپ کی سند پر ایک حدیث کو ضبط تحریر میں لاتے تھے۔

امام ترمذی اپنے دور کے عظیم اساتذہ میں شامل تھے۔ آپ کے درس میں لاتعداد شاگرد ہوتے تھے۔ جو اسلامی دنیا کے مختلف ممالک سے آئے ہوئے تھے۔

ایک محدث ہونے کے علاوہ آپ ممتاز درجے کے مفسر اور فقہ کے بھی ماہر مانے جاتے تھے۔ آپ کی احادیث کے مجموعے کا نام جامع الترمذی ہے آپ کے کام میں اجتہاد کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

آپ نے فقہ کے مختلف مکتبہ فکر کے نظریات کو قانونی آراء اور دلائل کے ساتھ پیش کیا۔ جس چیز نے امام ترمذی کو سب میں ممتاز کیا وہ ان کی یہ خاصیت ہے کہ وہ کبھی بھی کسی رائے کو اس وقت تک قبول نہ کرتے جب تک پوری تحقیق نہ کر لیتے۔ آپ اندھا دھند تقلید کرنے کے قائل نہیں تھے۔ آپ مجتہد تھے آپ نے اگرچہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی بعض آراء کو قبول کیا۔ لیکن اس بات کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ ان کے مقلد تھے، آپ نے ان سے کئی مسائل میں اختلاف بھی کیا ہے۔ آپ اکثر مسائل کا اپنے اجتہاد کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ اس لئے آپ کے فیصلے کبھی ایک مکتبہ فکر کے ساتھ سمجھوتہ کر لیتے تھے۔ اور کبھی دوسرے مکتبہ فکر کے ساتھ سمجھوتہ کر لیتے تھے۔

آپ سے پہلے امام بخاری، امام مسلم، امام مالک اور امام احمد بن حنبل جیسے نامور اور اعلیٰ پائے کے محدث گزرے۔ ان کی کتب جن کا ذکر ہو چکا ہے موجود تھیں۔ لیکن آپ نے جو احادیث تالیف کیں "جامع" کے عنوانات کے تحت انہیں شرف اشاعت بخشا وہ گزشتہ کام سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کی اہمیت اور حیثیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آج صحیح بخاری اور صحیح

مسلم کے بعد جامع ترمذی کو خیال کیا جاتا ہے۔ آپ نے صرف ان احادیث کو تالیف کیا جو روزمرہ معاملات سے متعلق تھیں۔ راوی کے صحیح مسلمان ایماندار، اور سچے ہونے اور اسے پرکھنے کا کام تو آپ سے پہلے محدثین کرام کر چکے تھے۔ آپ نے ان احادیث کی پوری تفسیر اپنی کتاب میں دی۔

آپ کی تالیف کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کوئی حدیث دو مرتبہ نہیں لکھی گئی۔ یعنی احادیث کی کہیں بھی تکرار نہیں ملتی۔ آپ کی احادیث کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ آپ نے حدیث کے مستند اور غیر مستند ہونے کا وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ تیسری خوبی یہ ہے کہ آپ نے اسلامی قوانین یعنی فقہ میں حدیث کو بھی ضبط تحریر میں لاتے ہوئے، آزادانہ فیصلے، دلائل، اور تمام فقہا کے اختلاف رائے مع اپنے دلائل اور رائے کے پیش کیا۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ امام ترمذی نے راوی کی کنیت۔ عرف خطاب اور نام کو پوری تفصیل کے ساتھ پیش کر کے تمام شکوک و شبہات کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دیا ہے۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ گزشتہ احادیث کی کتب پر اصلاح ہے۔ صادق حسن خان نے "التاج المکلال" میں لکھا ہے کہ احادیث کے میدان میں اس سے بہتر کبھی کوئی کتاب تالیف نہیں ہوئی۔ البتہ ابن حزم نے امام ترمذی کے کام کو مجہول کہا یعنی غیر معروف لکھا ہے۔ دراصل اس سے ابن حزم کے اپنے مجہول اور ان کتابوں سے لاعلم ہونے کی دلیل ملتی ہے۔ دراصل وہ خود آپ کے بارے میں علم نہیں رکھتا تھا۔ ورنہ ایسا نہ لکھتا۔ ابن حزم کے اس قول کی تردید اس کے ہمعصر اور بعد میں آنے والے دانشوروں اور ماہرین فقہ نے کی ہے۔ جن میں حافظ الذہبی نے اپنی کتاب "میزان الاعتدال" میں ابن حزم کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ دراصل ابن حزم نہ تو امام ترمذی کو جانتے تھے اور نہ ہی انہوں نے ان کی جامع کو پڑھا ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابن حزم نے امام ترمذی کو مجہول کہہ کر اپنی جاہلیت کا ثبوت دیا، جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نہ تو اس نے ترمذی کے بارے میں پڑھا ہے نہ ہی امام ترمذی کی تحریروں کو پڑھا ہے ابن جوزی نے امام ترمذی کی تالیف کردہ احادیث کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے ان کی ۲۳ روایات کو غلط قرار دیا۔ لیکن کوئی دانشور یا عالم دین ابن جوزی سے متفق نہیں ہوا بلکہ انہوں نے ابن جوزی ہی کو غلط قرار دیا۔ ابن جوزی نے صحیح مسلم کی بعض روایات کو من گھڑت قرار دیا۔

امام ترمذی پر سب سے مستند کام ابن العربی العراقی کا ہے سید الناس جلال الدین سیوطی اور ابن حجر الاسقلانی بھی امام ترمذی کے مداحوں میں سے ہیں۔ جنہوں نے آپ کے کام کو سراہا ہے اور بعض خامیوں کی نشاندہی بھی کی ہے۔ لیکن اس کا معقول جواز بھی پیش کیا ہے۔ لیکن مجموعی طور پر امام ترمذی کو غلط ثابت نہیں کیا۔

حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے بارے میں اگرچہ بہت سے علماء نے قلم اٹھایا ہے، لیکن امام ترمذی نے جو "شمائل ترمذی" پیش کئے۔ اس میں رسول مقبول ﷺ کے لباس، عام عادات و خصائل، حسن سلوک، آپ کے خدوخال، آپ کی رنگت، آپ کی چال ڈھال، طریق نشست و برخاست آپ کا کام کرنے اور بات کرنے کا انداز وغیرہ بڑے اچھے طریقے سے بیان کیے ہیں۔ دیکھا جائے اور پرکھا جائے تو "شمائل ترمذی" میں نبی ﷺ کے کردار کا کافی حد تک احاطہ کیا گیا ہے۔

اپنی کتاب میں امام ترمذی نے احادیث کو پرکھنے کا طریقہ بتایا ہے۔ کہ کون سے حدیث صحیح ہے اور کون سی غریب (کمزور) کون سی غلط ہے اور کونسی مستند ہے۔ اس میں حدیث کو پرکھنے کے نازک طریقہ کار پر بحث کی گئی ہے۔ جس کی ماہرین خوب داد دیتے ہیں اور سراہتے ہیں۔ امام ترمذی کے کام و نام پر صرف وسط ایشیا ہی نہیں پورا عالم اسلام فخر کرتا ہے۔ اور اسلام وسط ایشیا کی سرزمین پر نازاں ہے۔ کہ اس سرزمین نے ایسے نامور جانثار و سپوت اور فرزند پیدا کئے جنہوں نے دن رات ایک کر کے دنیا کے طول و عرض کی مسافتوں کی صعوبتیں جھیل کر اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات کو تحقیق کر کے قلمبند کر دیا تاکہ رہتی دنیا تک پورا عالم اس سے مستفید ہو سکے۔

ابو جعفر[1] محمد ابن جریر الطبری (۸۳۹ تا ۹۲۶ء)

آپ ۸۳۹ء میں پیدا ہوئے اور ۹۲۶ء میں وفات پا گئے۔ آپ طبرستان کے دارالحکومت "امل" میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم طبرستان میں حاصل کی۔ آپ کے والد ایک رئیس شخص تھے، آپ کی تعلیم پر خوب خرچ کرتے، آپ حصول علم کے سلسلے میں "رے" گئے۔ وہاں سے فارغ ہو کر خراسان کے نامور علماء سے درس لیا اور آخر مزید تعلیم کیلئے بغداد گئے۔ تاکہ وہاں احمد بن حنبل کے درس میں شامل ہو سکیں۔ لیکن جب آپ بغداد پہنچے تو امام احمد بن حنبل وفات پا چکے تھے۔ بغداد سے آپ بصرہ اور کوفہ گئے

---

(۱) میر غلام محمد غبار - افغانستان در مسیر تاریخ - ایران - ۱۹۵۹ء - ص ۱۵۹

وہاں کچھ عرصہ قیام کیا اور پھر بغداد لوٹ آئے بغداد میں تسلی نہ ہوئی مصر کا چرچا سنا تو مصر چلے گئے۔ مصر جانے سے پہلے آپ دمشق اور دیگر چند شہروں میں حدیث اور دیگر علوم حاصل کرتے رہے۔ کتابیں ان دنوں بڑی وزنی ہوتی تھیں۔ اس لئے ان سے اقتباسات (نوٹس) لے لیتے۔ مصر سے کافی مواد جمع کیا، اور بغداد لوٹ آئے۔ بغداد کی فضا راس آئی۔ یہیں کے ہو لئے۔ بقایا زندگی میں صرف دو بار طبرستان کچھ عرصہ کیلئے آئے اور پھر بغداد لوٹ گئے۔ جعفر محمد طبری نے اپنے آپ کو حصول علم کیلئے وقف کر رکھا تھا۔ خاص طور پر احادیث کو اکٹھا کرنے اور تالیف کرنے کا کام اپنے ذمہ لے لیا۔ (ان دنوں احادیث پر کام کرنا ہی سب سے بڑا کام تصور کیا جاتا تھا، اسی کام کو کرتے کرتے بعض علماء کو دوسرے علوم بھی حاصل ہوئے۔ اور ان میں ان کا نام شہرت پا گیا۔ لیکن ان کا اصل کام حدیث پر ہوتا تھا۔) اس تنقید و تالیف، تحقیق و تجسس میں ان پر بہت سے اور علوم ظاہر ہوئے۔ ان کا جمع شدہ مواد جب شائع ہوا تو آپ ایک عظیم تاریخ دان اور فقیہہ کے طور پر لوگوں کی نظروں کے سامنے آئے۔ آپ اپنے دور کے مانے ہوئے حساب دان اور طبیب بھی تھے۔ آپ امام شافعی کے دس سال تک شاگرد اور پیروکار رہے، لیکن آہستہ آہستہ دوری اختیار کرتے گئے۔ اور یہاں تک کہ مجتہد مطلق ہو گئے آپ نے اپنا مکتبہ فکر قائم کیا اور اس کو اپنے والد کے نام پر "جریریہ" کا نام دیا۔ لیکن یہ مکتبہ فکر زیادہ عرصہ تک نہ چل سکا۔

امام طبری[1] اور امام شافعی کا بنیادی اصولوں پر کوئی اختلاف نہ تھا۔ بلکہ اختلاف بعض فروعی باتوں پر تھا۔ لیکن امام احمد بن حنبل سے آپ کا بعض بنیادی باتوں پر اختلاف تھا آپ امام احمد بن حنبل کو ایک محدث تو مانتے تھے لیکن انہیں، مجتہد نہیں مانتے تھے۔ جس کے نتیجے میں آپ کو حنبلیوں کی شدت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس زمانے میں بغداد میں حنبلیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اپنے اس اختلاف کی پاداش میں آپ کو ایک عرصہ تک اپنے گھر میں مقید رہنا پڑا۔ اور امام احمد بن حنبل کے پیروکاروں نے آپ کے خلاف کفر کا فتویٰ دے دیا۔

امام طبری اپنے دور کے مانے ہوئے محدث اور تاریخ دان تھے۔ امام طبری نے کئی کتابیں لکھیں جو تبحر علمی کی بدولت انسائیکلوپیڈیا کا درجہ رکھتی ہیں۔

---

(۱) زین الدین کیانی ڈاکٹر - سیر عرفان دار السلام - تہران ۱۹۴۴ء - ص ۲۰۱

جامع البیان

یہ امام طبری[1] کی تفسیر قرآن ہے، یہ نہایت ہی مستند اور معتبر تفسیر ہے۔ جو احادیث اور صحابہ کرام کے اقوال کے مطابق تالیف ہوئی ہے۔ آپ نے قرآنی آیات کا ترجمہ احادیث اور عقلی دلائل کی روشنی میں کیا ہے۔ اور اپنی ذاتی رائے نہایت منطقی انداز میں دی ہے۔ جامع البیان چھ ہزار صفات پر مشتمل ہے۔ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "اصول تفسیر" میں لکھا ہے کہ میں نے تفسیر پر بہت کچھ پڑھا۔ لیکن صرف ابن جریر (امام طبری) کی آراء کو نہایت ہی صحیح اور روشن پایا۔ کیونکہ آپ نے کسی غیر ذمہ دار اور مشکوک راوی کو ہمیشہ مسترد کیا ہے امام طبری سات سال تک ابو بکر ابن بلاوہی کو لکھواتے رہے۔ جسے مشہور مستشرق گولڈ زہر نے پڑھنے کے بعد یہ رائے دی کہ ابن جریر کی تفسیر کو یورپی دانشور بجا طور پر ایک عظیم علمی کارنامہ قرار دیتے ہیں۔ ایک دوسرے یورپی محقق نولڈ کی لکھتے ہیں کہ امام طبری کی تفسیر ہاتھ لگنے کے بعد کسی دوسری تفسیر کا پڑھنا عبث ہے۔

تاریخ طبری

تفسیر کی طرح ابن جریر طبری کی تاریخ بھی ایک قابل ستائش کارنامہ ہے۔ طبری نے تاریخ نویسی میں ماخذ، پر زیادہ توجہ دی۔ انہوں نے علمی ادبی اور دیگر ذرائع سے استفادہ کیا۔ انہوں نے معروف تاریخ دانوں مثلاً ابو میخانات، امر ابن شیاع کی کتاب اخباری اہل بصرہ، سیرت محمد، تاریخ ابن اسحاق، نصر بن مظاہم کی تاریخ، ابو قیدی ہاشم القلمی و تاریخ الملوک وغیرہ سے استفادہ کیا۔ تاریخ طبری میں ایران و توران کے قدیم بادشاہوں کے ذکر سے پہلے پیغمبروں کے حالات زندگی اور ان کی تعلیمات کا ذکر کیا، آپ نے ۹۱۵ء تک کے حالات قلمبند کئے۔ یاد رہے کہ بنوامیہ کی حکومت ۷۵۰ء میں مکمل طور پر ختم ہوئی۔ جب کہ عباسیوں کی حکومت کا خاتمہ ہلاکو خان نے ۱۲۵۸ء میں کیا۔

آپ نے بغیر کسی ردوبدل کے جو حالات و واقعات سامنے آئے انہیں درج کر لیا صحیح اور غلط کے پرکھنے کا کام آنے والے محققین پر چھوڑ دیا۔ ابتدائی مسلم علماء و دانشوروں کے حالات زندگی ان کے کارنامے، جن کا آج کل کہیں ذکر نہیں ملتا، طبری کی تاریخ میں

---

(۱) میر اشرف علی - تاریخ افغانستان - کراچی - ۱۹۸۲ء - ص ۹۴-۲۹۳

درج ہیں (جو ریسرچ سکالرز کیلئے ایک چیلنج ہے) مثال کے طور پر کعب الاخبار وھب بن منبہ عبداللہ بن سلام، قتادہ عبد اللہ بن عباس اور ابو مخنف کے حالات اس کتاب میں محفوظ ہیں۔ ابتدائی اسلامی دور کی بعض ایسی دستاویزات جو بالکل نایاب ہیں وہ اس عظیم کتاب میں محفوظ ہیں۔ آپ عربی زبان کے اچھے شاعر بھی تھے۔ آپ کے اشعار سے آپ کے وسیع مطالعہ کا بھی پتہ چلتا ہے۔ آپ کو تمام مروجہ زبانوں پر عبور حاصل تھا، اس لئے ایران و توران اور عرب کا ہر شخص آپ سے استفادہ کر سکتا تھا۔ آپ نے ۲۶ شوال ۳۱۰ھ بمطابق ۹۲۶ء وفات پائی۔ اور بغداد ہی میں اپنے گھر میں دفن ہوئے۔

وسط ایشیا نے فروغ اسلام میں جو کردار پیش کیا ہے ان کے مختلف پیرائے میں اس مقالہ کے ابتدائی ابواب میں بھی مختصراً ذکر ہو چکا ہے۔ خوف طوالت سے بچنے و تفصیلات دیکھنے کے لئے کتابوں اور ماخذوں کے حوالے دیے گئے ہیں۔

تلخیص

وسط ایشیا کے بارے میں ہماری معلومات حد درجہ ناقص ہیں۔ یہاں تک کہ جو ادارے اس پر کام کر رہے ہیں ان کی معلومات بھی اصلاح طلب ہیں۔ ہمارے تحقیقی اداروں کے لئے ضروری ہے کہ وسط ایشیا پر مغربی ممالک اور خصوصی طور پر روسی تحقیقات پر بھروسہ نہ کریں، کیونکہ مستشرقین نے اپنے اور روس نے اپنے مفاد کو سامنے رکھ کر تحقیقات کی ہیں جسے Policy Oriented Research کہتے ہیں ان پر اعتماد کرنا خود فریبی کے مترادف ہے۔ راقم نے مغربی، مشرقی اور روسی تینوں ذرائع سے فائدہ اٹھا کر ایک غیر جانبدار نقاد کی طرح سارے مواد کو پرکھا اور پھر اسے اپنے عنوان کے تحت ضبط تحریر میں لایا یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے اور تاریخ دانوں کے علاوہ ظاہر حالات بھی اس امر کا اظہار کر رہے ہیں کہ بے شک اسلام جزیرہ نما عرب سے رونما ہوا، لیکن اسے نشو و نما وسط ایشیا میں نصیب ہوئی۔ یہیں سے پروان چڑھ کے دنیا کے دوسرے حصوں تک پھیلا۔ برصغیر ہند و پاکستان میں جو اسلام ہے یہ وہ اسلام نہیں جو سعودی عرب میں ہے۔ جہاں سے اسلام نمودار ہوا تھا، بلکہ یہ اسلام وسط ایشیا کا اسلام ہے۔ اور یہاں سے دیگر ممالک تک پھیلا وہ یہی اسلام ہے جو وسط ایشیا میں رائج تھا۔

یہاں وسط ایشیا میں عرب مسلمانوں کے حملوں کا سلسلہ ۶۴۴ عیسوی سے شروع ہوا چکا تھا وسط ایشیا کے بہت سے علاقے فتح ہوئے، لیکن مال غنیمت اور غلام لے کر عرب واپس لوٹ جاتے تھے ۶۶۴ء میں عبیداللہ ابن زیاد کو وسط ایشیا کے مقبوضات کا گورنر بنا کر بھیجا گیا جسے امیر خراسان کہتے تھے۔ ابن زیاد کے بعد سعد بن عثمان آئے، ان کی جگہ مشہور عرب جنرل مہلب بن صفرۃ نے لی، ابن صفرۃ کہنہ مشق دلیر اور سخت حکمران تھا، اس کے سات بیٹے تھے ہر ایک جری اور مرد میدان تھا۔ لیکن یہ نہایت کشادہ دست خرچیلا حکمران تھا، اس لئے مرکز (دمشق) میں بیٹھا وائسرے مشرق حجاج بن یوسف اس کا مخالف تھا، لیکن خلیفہ عبدالملک مہلب، کی دیرینہ خدمات کا قائل تھا، اور اس سے باز پرس کرنا پسند نہیں کرتا تھا، آخر مہلب ۸۰ سال کی عمر میں وفات پا گیا اس کے بعد اس کا بڑا بیٹا

یزید جو اچھا جنرل تھا، لیکن اچھا ناظم نہیں تھا، امیر خراسان بنا۔ اس نے باپ سے بڑھ کر خرچ کیا۔ حجاج بن یوسف نے اسے معطل کر کے اس کی جگہ مشہور فاتح وسط ایشیا قتیبہ بن مسلم کو بھیجا۔ قتیبہ بن مسلم نے مرو کو اپنا ہیڈ کواٹر بنایا۔ سردیوں کے چار ماہ یہاں گزارتا اور باقی آٹھ ماہ تک وہ مسلسل جنگ و جدل میں مشغول رہتا۔

یہ جنرل جو امیر خراسان بھی تھا، نے تقریبا کل وسط ایشیا کو معہ موجودہ سنکیانگ کے فتح کر لیا تھا یہ سارا کام اس نے دس سال کے عرصہ میں مکمل کیا۔ لیکن ۷۱۵ء میں خلیفہ ولید جو حجاج بن یوسف اور اس کے متعین کردہ گورنروں کا حامی تھا وفات پا گیا، اور سلیمان خلیفہ بنا۔ سلیمان نے اقتدار سنبھالتے ہی تمام گورنروں کو واپس دمشق بلالیا، اور ان کی جگہ دوسرے اپنی پسند کے گورنر مقرر کر دیئے (ہر حکومت ایسا ہی کرتی ہے، لیکن تاریخ کے اوراق خواہ مخواہ اس بحث سے پر کیئے گئے ہیں، کہ سلیمان حجاج کا دشمن تھا، اور ان کے تعینات کردہ گورنروں کا بھی دشمن تھا۔ وغیرہ) اس نے ایک طرف افریقہ سے موسیٰ بن نصیر، سپین سے طارق بن زیاد، سندھ سے محمد بن قاسم اور دوسری طرف وسط ایشیا یعنی خراسان سے قتیبہ بن مسلم کو واپس بلالیا۔ کسی نے سرتابی کی ہمت نہ کی۔ لیکن قتیبہ بن مسلم جسے یہاں بڑا احترام حاصل تھا۔ اس غلط فہمی کا شکار ہوا کہ شاید رعایا اس پر جان دیتی ہے۔ دوسری بات یہ بھی تھی، کہ اس کا زیر نگین علاقہ دس لاکھ مربع میل سے متجاوز تھا

جبکہ خود خلیفہ کے زیر اثر اتنا علاقہ نہ تھا۔ دوسری وجہ یہ بھی اس کے سر میں سمائی کہ یہ علاقے تو میں نے خود بہ زور شمشیر حاصل کیئے ہیں۔ لیکن وہ اس امر کو بھول گیا تھا، کہ مسلمان تو اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کے بعد ان پر جو حاکم مقرر ہو اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس وقت مسلمان خلیفہ کو اولوالامر سمجھتے تھے، نے بغاوت کر دی۔ لیکن افواج نے اس کا ساتھ نہ دیا، بلکہ نئے مقرر کردہ گورنر یزید بن مہلب (جو اس سے پہلے گورنر تھا) کی اطاعت و بیعت قبول کر لی اور قتیبہ لڑ کر جان دے بیٹھا۔

یزید بن مہلب کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔ کہ اچھا جنگجو تھا، ناظم اچھا نہ تھا۔ کچھ مزید فتوحات کیں، لیکن ان فتوحات کی

اطلاع مرکز کو دیتے ہوئے نہایت ہی مبالغہ آرائی سے کام لیا۔ اپنی فتوحات کو قتیبہ سے بڑھ کر بتایا اور ان فتوحات سے حاصل شدہ مال غنیمت کو چالیس لاکھ دینار سے زیادہ بتایا۔ لیکن اس کی بدقسمتی کہ جلد ہی سلیمان وفات پا گیا اور اس کی جگہ عمر بن عبدالعزیز جو تقدس، پاکیزگی، عدل وانصاف کی وجہ سے پانچویں خلیفہ راشد کہلاتے ہیں، نے مال غنیمت کا حساب یزید بن مہلب سے طلب کیا جس کی پاداش میں وہ معزول و گرفتار ہو کر جیل کی ہوا کھانے لگا۔ اس کی جگہ جراح بن طلع نے لی، لیکن جراح نے جزیہ وصول کرتے ہوئے نومسلموں کو بھی نہیں بخشا۔ جس پر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اسے معزول کر دیا اور حکم دیا کہ آئندہ امیر خراسان و عامل، رعایا کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک سے پیش آئے۔

وسط ایشیا جو خارجیوں کی آماجگاہ تھا اور آئے دن وہ یہاں سے بنی امیہ کے خلاف سرگرم عمل رہتے تھے، اس کے دور میں بالکل خاموش رہے۔ کیونکہ خارجی بھی تو یہی کچھ چاہتے تھے، جو عمر بن عبدالعزیز کر رہے تھے عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ اگرچہ مختصر تھا، لیکن وسط ایشیا میں اسلام کے فروغ کا زمانہ تھا لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔ بعض نقادوں نے عمر بن عبدالعزیز سے یہ شکایت کی، کہ یہ لوگ صرف جزیہ سے بچنے کے لئے مسلمان ہو رہے ہیں اور اگر یہی عالم رہا تو حکومت چلانے کے لئے مال کہاں سے آئے گا۔ آپ نے فرمایا کہ لعنت ہے اس مال و دولت پر جو اسلام کے بدلے میں قبول کی جائے۔ فکر نہیں خزانہ خالی ہوتا ہے تو ہوتا رہے میری تمنا ہے اسلام پھیلتا رہے۔ اور ساتھ یہ ہدایت بھی کر دی کہ نومسلم افراد کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے اور انہیں ملازمت اور دیگر سہولتوں میں ترجیح دی جائے۔ بیت المال سے ان کی معاونت کی جائے اور مال غنیمت میں مساویانہ حصہ دیا جائے۔ اس سے قبل عرب وسط ایشیا کے لوگوں کو موالی کہتے اور ان کو مساویانہ حقوق سے محروم رکھا ہوا تھا۔ انہیں کسی اعلیٰ عہدے پر فائز نہیں کیا جاتا تھا حالانکہ یہ عربوں کے مقابلہ میں فقہ اور دیگر اسلامی علوم کے ماہر ہوتے یہ زیادہ متقی اور بہادر مسلمان ہونے کے باوجود عربوں کے مقابلے میں کم مال غنیمت کے حصہ دار تصور کئے جاتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے ہر عہدہ لیاقت کی بنیاد پر بغیر کسی رنگ و نسل کے دینے کا حکم دیا

ظاہر ہے آپ کے حکم پر عمل در آمد شروع ہوا، جس کے نتیجے میں اسلام کو وسط ایشیا میں زبردست فروغ ہوا، لیکن افسوس کہ آپ کو زہر دے کر شہید کیا گیا اور یہ پالیسی صرف چند سال تک ہی چل سکی۔

کئی امیر خراسان آئے اور گئے مگر حالات بد تر ہوتے گئے۔ آخر نصر بن سیار ۷۳۸ عیسوی میں آئے۔ آپ کا دور پر امن رہا، لیکن یہ امن اور خاموشی طوفان سے پہلے جو خاموشی ہوتی ہے ثابت ہوئی۔ دراصل عباسی داعی تاجروں، اور درویشوں کے روپ میں وسط ایشیا کے طول و عرض میں پھیل چکے تھے اور در پردہ اپنا کام کر رہے تھے۔ اور یہ پیغام ہر ایک کے کان تک پہنچا چکے تھے، کہ بنی امیہ غاصب ہیں انہیں خلافت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ یہ حق اہل بیعت کا ہے، بنی ہاشم کا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لوگوں کا ذہن بن چکا تھا اس تحریک کی کامیابی کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ اس کام کے لئے مقامی لوگوں ہی کو مقرر کیا گیا تھا۔ عربوں کے غیر مساویانہ سلوک سے لوگ تنگ آچکے تھے اور سب کی نظریں مسلم خراسانی پر تھیں، جو عباسیوں کا چیف پروپوگنڈاسٹ (داعی اعلیٰ) تھا۔

جب مروان ثانی (آخری اموی خلیفہ) عراق میں خارجیوں کی بغاوت کو فرو کرنے میں مگن تھا، فلسطین کے ایک گاؤں حامیہ میں بظاہر گوشہ نشینی کی زندگی گزارنے والے امام ابراہیم نے مسلم خراسانی کو پیغام بھجوا دیا کہ اب وقت آگیا ہے بغاوت کر ڈالو جب مسلم خراسانی نے مرو میں اپنے سیاہ جھنڈے کو بلند کیا تو لوگ جوق در جوق اس کے نیچے جمع ہونے شروع ہوتے۔ معاملہ یہاں تک بڑھا کہ امیر خراسان نصر بن سیار کو ۷۴۷ء میں بھاگ کر ایران میں پناہ لینی پڑی۔ لیکن مسلم خراسانی کی کامیاب فوج نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے ایران کو فتح کیا نصر بن سیار کو قتل کرنے کے بعد کوفہ فتح کیا۔ ادہر جب مروان ثانی کو معلوم ہوا، کہ اس بغاوت عظیم کا محرک حامیہ فلسطین میں بیٹھا ہوا ہے تو اسے بلایا اور باز پرس کر کے قتل کر دیا۔ لیکن امام ابراہیم نے آنے سے پہلے اپنے بھائی کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا، جو روپوش ہو گیا تھا، جب مسلم خراسانی کی افواج کوفہ فتح کر چکیں تو یہ امام اپنی کمین گاہ سے باہر آیا اور بنو عباس کے پہلے خلیفہ کی حیثیت سے ۷۴۹ء میں تخت نشین ہوا۔ اور ابوعباس السفاح کا لقب اختیار کر کے خلیفہ بنا۔ خراسانی کی افواج نے

۷۵۰ میں دریائے ژوب کے کنارے مروان ثانی کو شکست دے کر قتل کر دیا۔ اس طرح وسط ایشیا کے لوگوں نے بنوامیہ کی حکومت ختم کر کے اس امید پر عباسیوں کے حوالے کی، کہ شاید یہ صحیح اسلام، جو عمر بن عبدالعزیز نے نافذ کیا تھا، واپس لے آئیں گے، لیکن عباسیوں نے سیاست میں سازش کو شامل کیا اور سیاسی قتل کو اپنی پالیسی کا ایک جزو بنا لیا، اور آخری عباسی خلیفہ ۱۲۵۸ عیسوی تک اس پالیسی پر عمل پیرا رہا۔ وسط ایشیا کے کئی سپوت عباسیوں کے ہاتھوں زہر کا پیالہ نوش کر کے ابدی نیند سو گئے۔ یہاں تک کہ امام رضا کو بھی نہیں بخشا گیا۔ امام حنبل اور کچھ دیگر علماء بھی جیل خانوں کی زینت بنے۔ سب سے پہلے تو مسلم خراسانی کی خبر لی گئی جسے وسط ایشیا کے لوگ پوجتے تھے، کیونکہ ۷۴۷ء سے لیکر ۷۵۵ء تک اس نے یہاں جس طرح حکمرانی کی، لوگوں کو محسوس ہوا کہ یہ انصاف کا دور ہے اور جیسے عمر بن عبدالعزیز کا دور پھر آگیا ہے لیکن وسط ایشیا کے لوگوں کو یہ خوشی زیادہ دیر تک نصیب نہ ہوتی مسلم خراسانی کو ایک سازش کے تحت خلیفہ دوئم منصور کے دربار میں بلا کر قتل کر دیا گیا۔ جس کے نتیجے میں وسط ایشیا نے پھر بغاوت کی راہ اختیار کی، ہر عرب گورنر کو منہ کی کھانی پڑی۔ مسلم خراسانی کے دربار کا ایک سکریٹری ہاشم بن حاکم المقنہ یعنی نقاب پوش تھا۔ یہ ہر وقت نقاب اوڑھے رکھتا تھا، عرب تاریخ نویس کہتے ہیں یہ بہت بد صورت تھا اس لئے منہ چھپائے رکھتا تھا، لیکن وہ خود کہتا کہ میرے حسن کی کوئی تاب نہ لاسکے گا اس لئے پردے میں ہوں المقنہ نے دس سال تک خلیفہ کی افواج کو پے در پے شکستیں دیں۔

المقنہ کو وسط ایشیا کے لوگ پوجتے تھے اسے نقشب کے نام سے پکارتے تھے یہ بہت ہی صاحب کمال آدمی تھا اس کے کمالات جسے وہ خود معجزات کہتا تھا، بہت ہی حیران کن اور موثر تھے، مرو کے علاقے میں ایک کنوئیں سے وہ شام کے وقت ایک چاند نمودار کرتا تھا، جس کی روشنی چالیس میل کے علاقہ کو منور کرتی تھی۔ اس چاند کی روشنی اصل چاند کی روشنی سے زیادہ ہوتی تھی۔ اس کی روشنی میں لوگ لکھتے پڑھتے اور دیگر کاروبار آسانی سے کر سکتے تھے۔ یہ چاند، قدرتی چاندنی راتوں میں اس وقت نمودار ہوتا، جب اصلی چاند کے نکلنے میں دیر ہوتی۔ یا اصلی چاند ابتدائی دنوں کا ہوتا تھا اور پوری روشنی دینے کے اہل نہیں ہوتا تھا۔ مرو نقشب کا

دارالحکومت تھا اور اس کے آس پاس کے علاقے نقشب المقنہ کے اس کارنامے سے بہت خوش تھے اور اسے اس کا معجزہ ہی سمجھتے تھے۔ اس کی روپوشی اور مرو پر دوبارہ عربوں کا قبضہ ہونے کے بعد انہوں نے اس چاند کو واپس کنوئیں میں جانے سے روکنے کے لئے کنوئیں کے دھانے پر لکڑیاں رکھ دیں لیکن وہ لکڑی کے تختوں کو چیرتا ہوا اندر داخل ہوا۔ القصہ کہ اس کنوئیں کو خلیفہ مہدی کے حکم پر بالکل پتھروں اور مٹی سے بھر دیا گیا اور وہ چاند اور اس کا طلسم بھی اس کے ساتھ ہی دفن ہو گیا اور دنیا ایک عجوبہ سے محروم ہو گئی المقنہ کے اور کمالات میں سے ایک عوامی کمال یہ تھا، کہ غلہ وافر مقدار میں اس کے پاس موجود تھا، اور وہ عوام کو نہایت ہی سستے داموں دیتا تھا۔ اس طرح لوک اس پر جان چھڑکتے تھے یہی وجہ تھی کہ دس سال تک متعدد بار خلیفہ کی مسلح افواج کو اس کے جیالے شکست دے کر بھگاتے رہے اس کی تعلیمات مساوات اور اشتراکیت کے ملے جلے اصول تھے۔ جس کی تفصیل مقالہ کے اندر موجود ہے وسط ایشیا کے لوک دوبارہ عربوں کے تسلط پر خوش نہ تھے۔ اسد قصرانی امیر خراسان بن آئے اس کے دور میں خلیفہ کی طرف سے ایک محکمہ قائم ہوا، جسے زندیقہ کہتے تھے، اس محکمہ کا کام تھا، کہ جہاں کہیں بھی المقنہ کا کوئی پیرو کار ملے اس کو تہ تیغ کیا جائے۔ ہزاروں لوک قتل ہوئے، ان میں کئی بے گناہ بھی شہید ہوئے لوگ خوف سے خلیفہ کے مطیع ہونے لگے جب مامون الرشید امیر خراسان ہونے تو لوکوں کی جان میں جان آئی۔ کیونکہ مامون الرشید کی ماں مرو کے مشہور گھرانے صویانی سے تعلق رکھتی تھی۔ مامون بھی وسط ایشیا کے لوکوں سے نہایت ہی مہربانی سے پیش آتا یہی وجہ تھی جب ہارون رشید کی وصیت کے مطابق امین رشید خلیفہ ہوئے اور مامون کو اپنے دربار میں طلب کیا تو مامون جانتا تھا کہ شہزادی زبیدہ کا بیٹا اسے سگے بھائیوں کی طرح نہیں چاہتا مامون اس کے دربار میں گیا۔ امین نے بار بار باز پرس کی جس پر مامون نے تنگ آکر سرحدیں بند کر دیں۔

اس پر امین نے وسط ایشیا پر فوج کشی کی لیکن وسط ایشیا کے لوگ ایک بار پھر عرب اقتدار کو قبول کرنے پر تیار نہ تھے۔ سب نے کمر بستہ ہو کر مامون کا ساتھ دیا اور خلیفہ کی افواج کو پے در پے شکست دے کر اتنا پیچھے دھکیلا کہ خلیفہ امین بغداد میں محصور ہو کر رہ گیا

،اور آخر ۸۱۳ عیسوی میں جان بخشی کے وعدہ پر امین نے اپنے آپ کو طاہر بن حسین جو مامون کا ایک جنرل تھا اور وسط ایشیا کا سپوت تھا، کے حوالے کیا، لیکن طاہر وعدہ وفا نہ کرسکا اور امین کو اسکے فوجیوں نے قتل کر دیا اس فتوحات کے صلے میں طاہر بن حسین کو وسط ایشیا کا گورنر مقرر کردیا لیکن ۸۲۰ عیسوی میں طاہر بن حسین نے آزادی کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی خلیفہ کا نام خطبہ سے ہٹا دیا جس پر اسکے خانساماں جو خلیفہ کی طرف سے مقرر کردہ جاسوس تھا، نے طاہر بن حسین کو کھانے میں زہر دے دیا۔ اس کے جانشین طلحہ پر بھی خلیفہ کی خاص نظر تھی، جلد ہی چل بسا

اس کے بیٹے عباداللہ کے لئے خلیفہ نے ایک خوبصورت کنیز بطور ہدیہ بھجوائی اور اسے ایک تولیہ دیا، کہ عباداللہ امیر خراسان کو یہ تولیہ استعمال کرا دے۔ عباداللہ نہایت شکیل، شریف اور ذہین حکمران تھا، کنیز چند ہی دنوں میں اس کی محبت میں گرفتار ہوئی۔ اور سارا راز اگل کر رکھ دیا۔ اب عباداللہ اور محتاط ہوا، وسط ایشیا میں صحیح طور پر اقتصادی ترقی عباداللہ کے دور میں ہوئی۔ یہ امیر خراسان زراعت میں زیادہ دلچسپی رکھتا تھا، اس نے ملک کے طول عرض میں نہری نظام کو۔ بہترین خطوط پر استوار کیا، غلہ اتنا وافر مقدار میں ہونے لگا۔ کہ وسط ایشیا سے بھی باہر جانے لگا۔ اور رعایا نہایت ہی فارغ البال و خوشحال ہو گئی۔ خاندان طاہریہ کا دور جو۔ بہت مختصر تھا ۸۲۰ سے ۸۷۲۔ تک تھا۔ لیکن وسط ایشیا میں پہلی بار لوگوں کو سکھ نصیب ہوا، صنعت و حرفت اور زراعت میں خوب ترقی ہوئی لوگوں نے پیٹ بھرنے کے غم سے فراغت پا کر تعلیم کی طرف توجہ دی مدرسے آباد نظر آنے لگے اس کے بعد صفاری خاندان اگرچہ عیار خاندان تھا، لیکن علم اور علماء کا قدر دان تھا۔

خود یعقوب لیث کے دربار میں کئی ادیب شاعر عالم و فاضل موجود ھوتے اگرچہ خود بالکل ان پڑھ تھا یہاں تک بے علم تھا کہ ایک شیعہ واعظ حضرت عثمانؓ پر تنقید کرنے کے جرم میں پیش ہوا آپ کے مرشد کا نام بھی حضرت عثمان تھا۔ یعقوب۔ بہت برہم ہوا اور اسے قتل کی سزا سناتے ہوتے کہا کہ میرے مرشد نہایت انسان دوست اور گوشہ نشین بزرگ ہے اور تو ظالم اس کو برا کہتا ہے

اس واعظ نے کہا نہیں حضور میں نے ان کو برا نہیں کہا۔ میں نے خلیفہ سوئم حضرت عثمانؓ کی پالیسی پر نکتہ چینی کی ہے ۔ یعقوب بن لیث کی اس کم علمی کے باوجود اس دور میں کئی شاعر اور عالم دین پیدا ہوئے ۔ صفاری عہد کے ختم ہونے پر سامانی دور شروع ہوا، اس دور میں تو وہ نامور شخصیات پیدا ہوئیں جنہوں نے وسط ایشیا کا نام ابھی تک زندہ رکھا ہوا ہے رودکی شہید بلخی، ابو شکور بلخی، رابعہ بلخی اور دقیقی جس کے شاہنامہ کی بنیاد پر فردوسی نے اپنے شاہنامہ کی عظیم عمارت کو کھڑا کیا شاہنامہ فردوسی کے ابتدا کے ایک ہزار اشعار دقیقی ہی کے ہیں ۔ پھر غزنوی دور میں، ابوریحان البیرونی، بوعلی سینا، فردوسی عنصری، ابو سہل، ابو موسی ۔ خوارزمی، طبری، بہقی اور دیگر عظیم شخصیات پیدا ہوئیں جنہوں نے فروغ اسلام اور اسلامی فقہہ کو مرتب کرنے کے کارنامے سر انجام دیئے ۔ امام بخاری، امام طبری، امام ترمذی کے کارنامے اسلام میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں سلجوقی دور شروع ہوا تو بھی وسط ایشیا کے نامور سپوت دنیا میں اسلام کا نام زندہ کرنے کے لئے آگے بڑھے اسلامی سلطنت کی سرحدوں کو یورپ کے اندر تک لے گئے ۔ موجودہ ترکی انہی کی مرہون منت ہے ۔ نظام الملک جیسے مدبر جس نے نہ صرف وسط ایشیا بلکہ بغداد میں بھی مدرسہ نظامیہ قائم کیا، جو آج بھی ایک یونیورسٹی کی حیثیت سے اسلام کی خدمت کر رہا ہے ۔ وسط ایشیا کے سلجوقوں نے خلیفہ مسلمین کو دلمیہ کی قید سے چھڑایا اور پھر تخت نشین کیا ۔ اپنی فتوحات کے جھنڈوں کے ساتھ ساتھ علم و ادب کے میدان میں اسلام کی ترویج و بقا کے لئے علماء نے کئی کارنامے سر انجام دیئے ۔ جنہیں شاہی سرپرستی حاصل تھی یہ کارنامے قابل صد ستائش ہیں بعض علماء اور فضلاء جن کو حکومت کی طرف سے کوئی معاونت نہیں تھی، لیکن سکون میسر تھا انہوں نے بھی فروغ اسلام میں اپنا کردار ادا کیا۔

سلجوقیوں کے زوال پر خوارزم شاہی آگے آئے ان کے دور میں بھی رشید الدین وطواط امیر مفری، انوری، ادیب صابر اور نظامی عروضی جیسے نامور صاحب کمال لوگوں نے اپنی خدمات پیش کیں ۔ یورش تاتار نے وقتی طور پر گو علمی اور ادبی کام کو روک دیا تھا، لیکن اس خلفشاری دور میں بھی شیخ سعدی جیسے مبلغ پیدا ہوئے اسلام کی ترقی اور ترویج کا کام قدرے رک گیا تھا، لیکن

مسلمانوں کے دلوں میں دنیا سے نفرت اور اس کی ناپائیداری کا یقین آگیا اور دنیا کی ہر چیز کو زوال پذیر سمجھا اور بے ثباتی کا ثبوت انہیں مل گیا ایسے حالات میں کنارہ کشی اور یادالٰہی کو اکثریت نے محبوب مشغلہ بنایا اور تصوف اپنی ارتقائی منازل تیزی سے طے کرنے لگا، اب صوفیا کا دور شروع ہوا۔ بعض کاہل اور سست لوگوں نے مذہب کے نام پر اپنی دکان خوب چمکائی۔ بس ایک کونے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے لگے اور دنیا اور دنیا کے کاموں سے لاتعلقی اختیار کری۔ شاعروں نے اپنے زور کلام سے صوفی ازم کی ترقی میں خوب کام کیا۔ بڑے بڑے نامور شاعر پیدا ہوتے حکیم سنائی، عطار، مولانا روم اور کئی اور شاعر پیدا ہوتے ان میں حافظ شیرازی کا رنگ سب سے جدا رہا۔

کیونکہ اس نے تصوف کے مضامین کو غزل میں باندھا جس سے عذوبت اور دلکشی میں اضافہ ہوا، اور بات زیادہ موثر انداز سے لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھنے لگی۔ سعدی نے اس کے خلاف جہاد کیا اور اس مسلک کے لوگوں کے اعمال کو بھیڑ چال کہا اور اپنے زور کلام سے نام نہاد صوفیوں کی مخالفت کی اور تصوف کو رہبانیت سے تشبیہ دی کہ یہ لوگ دنیا کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے اس لئے میدان چھوڑ کر بھاگے ہوتے ہیں اور یاد خدا کو بہانہ بنا کر عمل سے گریزاں ہیں سعدی نے اسے یاد خدا نہیں بلکہ خود غرضی سے تشبیہ دی۔ سعدی اگرچہ ایرانی تھا، لیکن وسط ایشیا ان دنوں ایران ہی کے زیر نگین تھا، اس لئے سعدی کا کلام وسط ایشیا کے کونے کونے کے علاوہ برصغیر ہند و پاک میں بھی مقبول تھا یہاں تصوف کی ابتدا بخارا کے ایک گاؤں سے حضرت بہاء الدین کے توسط سے ہوئی لیکن یہ سلسلہ چھٹی صدی ہجری تک خوب نہ پنپ سکا کیونکہ یہ وسط ایشیا کے لوگوں کے مزاج کے موافق نہ تھا اور ستم بالاستم یہ ہوا کہ تصوف سے حسن بن صبا نے بہت ناجائز فائدہ اٹھایا اس نے تصوف کی آڑ میں ایسے فدائی پیدا کئے جن کے خوف سے بڑے بڑے بادشاہ تخت پر بیٹھے کانپتے تھے۔

حسن بن صبا کے فدائی ایران اور توران میں یکساں طور پر سرگرم تھے ان ہی فدائیوں نے نظام الملک جو ملک شاہ سلجوقی کا وزیر

اعظم تھا جس نے جامعہ نظامیہ بغداد قائم کی، جس نے سیاست نامہ جیسی معرکتہ لآرا کتاب لکھی اس کتاب میں اس نے اسماعیلیوں کی مخالفت کی جس کے نتیجہ میں حسن بن صبا کے فدائیوں کے ہاتھوں شہید ہوا۔ اسی طرح وسط ایشیا کے بڑے بڑے حکمران حتی کہ خود ملک شاہ سلجوتی کا والد سلطان الپ ارسلان انہی کے ہاتھوں مارا گیا۔ آخر جب انہوں نے ایک تا تار شہزادے کو قتل کیا، تو ہلاکو خان نے ان کے قلعہ الموت (جس میں انہوں نے جنت بھی بنا رکھی تھی) کو مسمار کیا اور تمام حور و غلمان کو آزاد کیا۔

مولانا روم کا تصوف اگرچہ ترک دنیا کا فلسفہ پیش نہیں کرتا، وہ صحیح اسلامی روح کو پیش کرتا ہے لیکن اسے سمجھنے کے لئے علم کی ضرورت ہے ورنہ وہی حال ہوتا ہے جیسے ایک پیر صاحب کے حضور قوالی ہو رہی تھی عارفانہ کلام سنایا جارہا تھا مرشد نے سر زانو کے اندر دیا ہوا تھا مرید قوالی کے ہر شعر کے ساتھ جھوم رہے تھے بڑا قوال یہ مصرع گا رہا تھا

این طرفہ تماشابیں دریا بہ حباب اندر

لیکن قوال کے پیچھے بیٹھے ہوئے حضرات اس مصرع کو اس طرح زور زور سے گا گا کر دوہرا رہے تھے " دریا میں بہا بندر " قوال کہتا ہے دریا بہ حباب اندر۔ اور وہ گاتے " دریا میں بہا بندر " دریا میں بہا بندر

اور باقی مرید سر دھن رہے تھے اور اسے تصوف کی کوئی رمز سمجھ کر داد دے رہے تھے۔ واہ واہ کرتے سر ہلا رہے تھے۔ اسی طرح مولانا روم کے اشعار سمجھنے کے لئے علم قرآنی کا جاننا ضروری ہے

ورسنیتہ نصیر الدین جز عشق نمی گنجد

این طرفہ تماشہ بین دریا بہ حباب اندر

قرآن اور حدیث پر جتنا کام وسط ایشیا میں ہوا ہے شاید ہی اتنا مستند کام کسی دوسرے علاقے میں ہوا ہو۔ کیونکہ وسط ایشیا میں صرف تحریر و تقریر کا کام ہی نہیں ہوا، بلکہ عملی طور پر اس کا مظاہرہ بھی کیا گیا ہے۔ اسلام ایک سچا دین ہے۔ اور خود اللہ ہی اس کی

نگہبانی کرتا ہے۔ ورنہ یہاں وسط ایشیا میں بڑی منظم تحریکیں اسے ختم کرنے کے لئے اٹھیں۔ جن کے محرکین نے بہت ہی دلفریب و دلکش نظریات و تعلیمات پیش کیں۔ جس میں ہر مکتبہ فکر، عمر و نسل کا خیال رکھا گیا۔ غریب عوام کے لئے پہلے سوشلسٹ مزدک کی تعلیمات پیش کی گئیں، بابک خرمی کے نظریات، زرتشت اور مانی کی تعلیمات کا نچوڑ بھی اس میں شامل کیا گیا اور ہاشم بن حاکم المقنہ نے تو اپنے پروگرام کو زیادہ دلفریب بنانے کے لئے ہندوؤں کے مسلئہ تناسخ کو پیش کیا۔ یعنی روح ایک جسم کے ختم ہونے پر دوسرے جسم میں منتقل ہوتی رہی ہے اور ان روحوں میں ایک روح خدا کی بھی ہے۔ جو انسانی شکل میں ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے۔ لیکن یہ ساری قوتیں اسلام کی قوت کے خلاف عرصہ تک نبرد آزما ہونے کے بعد سرنگوں ہوئیں۔ ان خلاف اسلام تحریکوں نے اسلام کو کم اور عربوں کو زیادہ نقصان پہنچایا اگر حقیقت دیکھی جائی تو یہ تحریکیں دراصل عربوں کے اس رویہ کے خلاف چلائی گیئں جو انہوں نے غیر عربوں کے خلاف روا رکھا تھا۔

چھٹی صدی ہجری کے آخری عشرے میں تاتاریوں کا جو طوفان اٹھا اس نے آن کی آن میں مسلمانوں کی کئی سلطنتوں کو تہ وبالا کر دیا مسجدوں کو اصطبل اور مکتب کو شراب خانوں میں تبدیل کر دیا۔ لیکن یہ عارضی عمل تھا، بقول علامہ اقبال

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

ان تحریکوں اور بعد میں چنگیزی لشکروں کی یلغار نے جو تباہی مچائی اس سے اسلام ایک نئی قوت کے ساتھ پھر ابھرا اور مسلمانوں کو اپنی کوتاہیوں کو پرکھنے کا موقع ملا۔ اور انہوں نے اپنی خامیوں کو جان لیا۔ اسلام ایک تمدن ساتھ لایا جس کے آگے کوئی دوسرا تمدن نہ پنپ سکا اور یہی وجہ ہے کہ وہ تاتار جنہوں نے اسلام کی بیخ کنی کا بھیڑا اٹھایا تھا آخر کار اسلامی تمدن سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

آگے جاکر یہی تاتار مسلمان ہوکر وسط ایشیا میں اسلامی حکومتوں کے بانی بنے انہی تاتاریوں کی اولاد میں سلطان حسین بائقرہ جیسے ترکی زبان کے شاعر و ادیب اور اسلام کے شیدائی پیدا ہوتے ۔ الغ بیگ جیسا سائنس دان ، محمود کاشغری جیسا صاحب لغت اور امیر علی شیر نوائی جیسے صاحب قلم و صاحب دل پیدا ہوتے ۔ جن کے کارناموں پر وسط ایشیا فخر کرتا ہے ۔ انہی تاتاریوں کی اولاد نے برصغیر ہند و پاک کو ایک نئی تہذیب سے آشنا کیا ۔ اور مذہبی رواداری کا عظیم سبق سکھایا ۔

القصہ یہ مقالہ پہلی صدی ہجری سے لیکر چھٹی صدی ہجری تک اسلام کے عروج و زوال کی دلچسپ، عبرت ناک اور سبق آموز داستان ہے ۔

ماخذ

بنیادی ماخذ

1	ابوالفضل بیہقی	تاریخ مسعودی (فارسی)	ماسکو	1940
2	ابن الاطہر عزالدین	الکامل فی تاریخ	لاہور	1933
3	احمد سہیلی خوانسری	فخرمدبر مبارک شاہ ادب الملوک وکفایت الملوک	تہران	1967
4	ایف ولیکن	روضۃ الصفا	برلن	1843
5	نظام الملک طوسی	سیاست نامہ	لندن	1960
6	خواند میر	دستورالوزرا	تہران	1940
7	رشید یاسمی	دیوان۔ فارسی	تہران	1940
8	سعد الدین محمد	عوفی	تہران	1952
9	سعید نفیسی	لباب الالباب	تہران	1956
10	سعید نفیسی	غیاث الدین	تہران	1938
11	علی بن زاہد المعروف ابن خندوق	بیہقی	تہران	1938
12	علی عبدالرسولی	فرخی سیستانی۔ دیوان	تہران	1932
13	عبدالحسین نوائی	تاریخ گزیدہ	تہران	1960

-14	عبدالحی حبیبی، منہاج الدین جرجانی	طبقات ناصری	کابل	1963
-15	عبدالکریم	اسامانی	لندن	1913
-16	ابوالفضل بیہقی	تاریخ مسعودی-ترجمہ قاسم غنی	تہران	1945
-17	منورسکی مولف	حدود عالم	لندن	1937
-18	ملک الشعراء بہار	مجمل التواریخ وقصص فارسی	تہران	1939
-19	ملک الشعراء بہار	تاریخ سیستان فارسی	تہران	1935
-20	محمد راغیب	النجارزی-عربی	قاہرہ	1968
-21	محمد عباسی	دولت شاہ سمرقندی تذکرہ الشعراء	تہران	1958
-22	محمد بن بندوشاہ	فرشتہ تاریخ فرشتہ-فارسی	کلکتہ	1966
-23	محمد ناظم عبدالحی گردیزی	زین الاخبار-فارسی	برلن	1928
-24	محمد اقبال-الحسینی صدر الدین	اخبار الدولت سلجوقیہ	لاہور	1933
-25	محمد صالح بدوی	کتاب اسمل اندیم (مقالہ پی-ایچ-ڈی)	مانچسٹر	1975
-26	محمد دبیر سیاقی	منوچہری دامغانی (فارسی)	تہران	1959
-27	محمد ماحدوی دامغانی	رونی الفروج	مشہد	1968
-28	منورسکی	المروزی	لندن	1942
-29	شفق	تاریخ ایران	تہران	
-30	عبدالحئ لکھنوی	فوائدا		1862

-31	مرزا محمد قزوینی	نظامی عروضی چہار مقالہ	لندن	1921
-32	مدرس رضوی	دیوان سنائی غزنوی حکیم	تہران	1962
-33	ناصر الدین منشی کرمانی	کرمانی، ناصر الدین منشی	تہران	1940
-34	حمید الدین	تاریخ اسلام	لاہور	1975

ماخذ

بنیادی ماخذ

-1	شاہ معین الدین ندوی	تاریخ اسلام	کراچی	1973
-2	فرید الدین عطار	تذکرۃ الاولیاء	لاہور	1975
-3	ابن اثیر	تاریخ ابن اثیر	لاہور	1955
-4	اسماعیل ابن عمر بن کثیر	تاریخ ابن کثیر	لاہور	1955
-5	ابی جعفر محمد بن جریر طبری	تاریخ طبری	لاہور	1956
-6	جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر	تاریخ الخلفاء	لاہور	1945
-7	ڈاکٹر علی شریعتی	تاریخ و شناخت ادیان	تہران	1942
-8	ڈاکٹر علمی	تاریخ تمدن اسلام	کابل	1952
-9	جان ناس-ترجمہ علی اصغر حکمت	تاریخ جامع ادیان	نیویارک	1949
-10	برنارڈ لوئیس-ترجمہ ڈاکٹر فریدون بررہ	تاریخ اسماعلیان	تہران	1942
-11	محمد رضا شفیعی	تصوف اسلامی	تہران	1950
-12	میر اشرف علی	تاریخ افغانستان	کراچی	1982
-13	ڈاکٹر ہادی جزایری	تاریخ خاور میانہ	تہران	1956
-14	عبد الکریم	سامانیاں	کابل	1945

ثانوی ماخذ

1	Borthold	Turkistan dawn to the Mongol Invasion	London	1968
2	Bestodd Spuler	History of Mongols	New York	1972
3	E.G. Brown Cohtor	Literery History of Persia Vol 1,2,3	London	1902
4	Gordont Bowbs	The people of Asia	London	1977
5	H.A.R. Gibb	The Arab Conquests in Central Asia	New York	1970
6	Haig Sir Thomas	Cambridge History of India	Cambridge	1928
7	H.M. Elliot	Tuzak-i-Timuri	Sind Pakistan	1974
8	Indok Dr, W. Adyande	Afghanistan ki Safarti Tariekh	Dehli India	1983
9	Jalal-ud-Din Khilji	Muslim Celebrities of Central Asia	Peshawar	1984
10	M. Anwar Khan Dr.	England, Russia and Central Asia	Peshawar	1962
11	N. Khalfin	Central Asia in Moden Times	Moscow	1970
12	R. N. Frye	From Arab Invasion to Mongol	Cambridge	1975
13	S. A. H. Razvi	A History of Science, Technology and Culture in Central Asia Vol-1	Peshawar	1991
14	Shams-ud-Din Siddiqi Dr.	The Ruling Dynesties of Central Asia	Peshawar	1984
15	Various Writers	Readings on Asian Tpics	Rawalpindi	1968
16-	W.B. Fisher	History of Iran	London	1968
17-	Dr. Shamus Din Siddiqi	The Ruling dynastis of Central Asia	Peahwar	1984